تفسیرِ محمود
(فاتحہ تا آل عمران)

مفتی محمود
ترجمہ قرآن: احمد علی لاہوری

جمع و ترتیب: اعجاز عبید

۱۔ سورۃ الفاتحہ

1. بِسمِ اللَّہ الرَّحمَنِ الرَّحِیمِ
2. الحَمدُ لِلَّہ رَبِّ العَالَمِینَ
3. الرَّحمَنِ الرَّحِیمِ
4. مَالِکِ یَومِ الدِّینِ
5. إِیَّاکَ نَعبُدُ وَ إِیَّاکَ نَستَعِینُ
6. اہدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ
7. صِرَاطَ الَّذِینَ أَنعَمتَ عَلَیہِم غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیہِم وَ لَا الضَّالِّینَ

ترجمہ

۱. شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
۲. سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔
۳. بڑا مہربان نہایت رحم والا۔
۴. جزا کے دن کا مالک۔
۵. ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔
۶. ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔
۷. ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا نہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

افاداتِ محمود

سورۃ الفاتحہ کی بالاتفاق سات آیات ہیں، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت من الفاتحہ ہے یا نہیں؟
اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت من الفاتحہ ہے تو پھر بسم اللہ الخ پہلی آیت ہے دوسری آیت الحمد للہ الخ، تیسری آیت الرحمن الرحیم، چوتھی ملک یوم الدین، پانچویں ایاک نعبد الخ، چھٹی اھدنا الصراط المستقیم، ساتویں صراط الذین الخ ہے۔
اور اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ الفاتحہ کی آیت نہیں ہے تو پھر یہ آیت شمار نہ ہو گی اور اھدنا الصراط المستقیم تک پانچ آیات ہو گئیں اور صراط الذین انعمت علیھم چھٹی ہو گی، اور الخ ساتیوں آیت شمار ہو گی۔ بہر حال تعداد آیات علی اختلاف القولین ایک ہی ہے۔
سور الفاتحہ کے 27 کلمات اور 140 حروف ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کا نزول مکہ میں ہوا یا مدینہ میں؟
علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کا نزول مکہ میں ہوا یا مدینہ میں بالفاظ دیگر یہ سورت مکیہ ہے یا مدنیہ ہے؟
جمہور اہل علم کا قول یہ ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی، لہٰذا یہ مکیہ ہے، لیکن بعض علماء سے منقول ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ قول مجاہد سے منقول ہے۔
بعض علماء کے نزدیک یہ دو دفعہ نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں اور دو دفعہ نازل کرنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ تنبیہ کرنا مقصود ہو علی شرفھا وفضلھا و اھمیتھا بخلاف سائر القرآن فھی نزلت مرتین۔ یعنی اس کے شرف و فضل اور جملہ قرآن میں دوسری سورتوں پر اس کی فضیلت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو، پس یہ سورۃ دو دفعہ نازل کی گئی۔

اسماء سورۃ الفاتحہ
اس سورت کے بہت سے نام ہیں:
1: فاتحۃ الکتاب
نماز میں بھی افتتاح قرات اسی سے ہوتا ہے اور قرآن مجید کا افتتاح بھی اسی سے ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ لوح محفوظ میں بھی پہلے سورۃ الفاتحہ ہے، احادیث میں بھی اسی نام سے اس سورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم نے فرمایا:
لا صلوۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب۔ (مسلم)
اس شخص کی نماز (کامل) نہیں جو سورۃ فاتحہ کو نہ پڑھے۔

2: الحمد
اس لیے کہ اس سورۃ کی ابتداء الحمد للہ سے ہوئی ہے۔ بسا اوقات سورۃ کا نام پہلے لفظ سے رکھا جاتا ہے جیسے سورۃ البرات کا نام کہ براء من اللہ ورسولہ سے شروع ہوئی۔ الحمد کا ذکر حدیث میں بھی آیا ہے۔
لا صلوۃ لمن لم یقراء بالحمد و سورۃ۔
اس شخص کی نماز نہیں جو کہ الحمد اور سورت نہ پڑھے۔

3: ام القرآن
سورۃ الفاتحہ کو ام القرآن اس لئے کہتے ہیں کہ الام، الاصل کہا جاتا ہے۔
یہ اصل القرآن ہے کہ قرآن کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے اس لیے اس کو ام القرآن کہتے ہیں اور حدیث میں بھی ہے۔
لا صلوۃ لمن لم یقراء بام القرآن
(مسلم اس شخص کی نماز نہیں جو ام القرآن (فاتحہ) نہ پڑھے۔)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ
بسم اللہ میں الباء للاستعانۃ او للتیمن او للتبرع اللہ علم لذات واجب الوجود المستجمع لجمیع صفات الکمال المنزہ عن جمیع صفات النقصان۔
اللہ نام ہے اس ذات کا جو واجب الوجود ہے، تمام صفات کمالیہ اس کی ذات میں جمع ہیں اور تمام عیوب و نقصانات سے پاک ہے، جیسے اندھا ہونا عاجز ہونا گونگا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یعنی کمال سمع، کمال بصر و کمال علم وغیرہ ذالک۔ اور ناقص نہیں ہے یعنی الاصم الاعمی العاجز وغیرہ۔

الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ:
دو صفات الٰہیہ ہیں اور فعیل فعلان کے وزن پر ہیں اور مبالغہ کے لیے ہیں لیکن رحمن میں مبالغہ اشد ہے رحیم کی بہ نسبت۔
الرحمۃ: رقۃ القلب المقتضی للتفضل والاحسان۔
دل کا نرم ہونا جو فضل اور احسان کرنے کا تقاضا کرے۔

صفت الرحمن کو الرحیم پر کیوں مقدم کیا گیا؟
وجہ اول:

رحمن اقرب الی اللہ ہے اس لیے کہ یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے نہیں بولا جاتا۔
وجہ دوم:
رحمن فی الدنیا ورحیم فی الاخرۃ ہے تو دنیا میں رحمت کے آثار قریب ہیں اس لیے الرحمن کو مقدم کیا۔
مبالغہ دو قسم پر ہے---
(1) مبالغہ فی الکم (2) مبالغہ فی الکیف
مبالغہ فی الکم ای فی التعداد لہذا رحمن یعنی زیادہ لوگوں پر رحم کرنا یا مبالغہ فی الکیف ہے لہذا رحمن یعنی کیفیت میں بڑے بڑے انعامات دینا اور رحیم یعنی کمیت میں زیادہ انعام دینا۔
لہذا الرحمن فی الدنیا و رحیم فی الاخرۃ۔
لہذا دنیا پر اللہ کا رحم اور اللہ تعالیٰ کی عطا یا اس کی صفت رحمن کا تقاضا ہے اور آخرت میں اس کا رحم اور عطا یا اس کی صفت رحیم کا اقتضاء ہے۔

تسمیہ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں؟
قراء مدینہ، قراء بصرہ، قراء کوفہ، فقہائے مدینہ اور فقہائے کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ جزء من السورۃ نہیں ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا، لیکن امام مالک کا قول ہے کہ یہ تسمیہ قرآن میں سے ہی نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے لیکن یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب واضح ہے کہ تسمیہ آیت من القرآن ہے اور یہ نازل کی گئی ہے للفصل بین السورتین و نزل با التکریر۔
بسم اللہ مکرر نازل ہوئی ہے اور سورتوں کے درمیان فصل کیلیے اتاری گئی ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل ابو عبداللہ الحاکم کی روایت ہے اور اس کے بعد کہا ہے۔
صحیح علی شرط الشیخین۔ عن ابن عباس قال کان رسول اللہ لا یعرف الفصل بین السوتین حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (الحدیث)
حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ حضور ﷺ دو سورتوں کے درمیان جدائی نہیں کر پاتے تھے، یہاں تک کہ ان پر بسم اللہ نازل ہو گئی۔ امام حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ روایت شیخین کی شرط پر ہے۔
یاد رہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم جو سورۃ نمل میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جو حضرت سلیمان کا خط ہے انہ من سلیمن وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ان لا تعلوا علی واتونی مسلمین۔ اختلاف صرف اوائل سورۃ کی تسمیہ کے بارے میں ہے۔
پیغمبروں کے خطوط طویل نہیں ہوتے تھے:
جیسا کہ حضرت سلیمانؑ کا خط ہے، اسی طرح حضور اکرم بھی مختصر خط تحریر فرمایا کرتے تھے، جیسے ہرقل وغیرہ کے نام تھا، لیکن مرزا قادیانی ملعون نے ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا تو وہ بشکل کتاب تھا۔ یہ اس کے کاذب ہونے کی دلیل ہے۔
سورتوں کے شروع میں تسمیہ کا منکر کافر نہیں:
سورتوں کے شروع میں جو تسمیہ ہے اس میں مجتہدین کا اختلاف ہے اور ہر ایک مجتہد حق پر ہے۔
جزء تسمیہ من الفاتحہ میں تفصیل مذاہب:
جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ قراء مدینہ و بصرہ و کوفہ وغیرہ اور امام مالک و امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ امام مالک کے نزدیک یہ قرآن ہی میں سے نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ آیت ہے اور بار بار نازل ہوئی ہے۔ دو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے یہ نازل ہوئی۔ یہ جزء من فاتحہ یا کسی اور سورت کا بھی جزء نہیں ہے۔ یہ اختلاف اس تسمیہ کے بارے میں ہے جو اوائل سورۃ میں موجود ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی جو تسمیہ اوائل سورۃ میں ہے وہ ہر سورت کا جزء ہے۔
سورۃ البراء میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی؟
اس کی وجہ بہت سے صحابہ سے منقول ہے کہ سورۃ انفال اور سورۃ التوبہ کے مضامین ایک طرح کے ہیں اور حضور اکرم نے وضاحت کے ساتھ دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا، یہاں تک کہ آپ وفات پاگئے، لہذا اس میں شبہ ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ہیں یا الگ الگ سورتیں ہیں، لہذا ان کے درمیان تسمیہ نہیں لکھا گیا اور فاصلہ کے لیے ایک لکیر ڈال دی گئی کیونکہ یہ امر مشتبہ تھا۔
امام ابو حنیفہ و امام مالک کی دلیل:
دلیل اول:
امام بخاری و امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کی ہے:

قال صلیت خلف رسول اللہ وخلف ابی بکر و خلف عمر فلم یجھر احد منھم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
انہوں نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ حضرت ابو بکر، اور حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو ان میں سے کسی نے بھی بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔
اس سے یہ استدلال ہوتا ہے اگر یہ جزء من الفاتحہ ہوتا تو اس کا حکم بھی فاتحہ کی طرح ہوتا، لیکن یہ بات عجیب ہے کہ فاتحہ جہرا پڑھی، لیکن تسمیہ نہ پڑھی۔
دلیل ثانی:
گزشتہ صفحات میں ایک روایت ذکر کی گئی جو حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے اس میں فاتحہ کے بندہ اور خدا کے درمیان تقسیم کا ذکر تھا، وہاں بھی تسمیہ کا ذکر نہ تھا، اگر تسمیہ فاتحہ کا جزو ہوتا تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا کہ اس کی تقسیم کس طرح ہے۔
دلیل ثالث:
امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ:
عن عبداللہ بن مغفل قال سمعنی ابی و انا فی الصلوۃ اقراء بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین. یعنی بسم اللہ کو جہرا پڑھا (فقال ابی یا بنی ایاک والحدیث. حضرت عبداللہ بن مغفل سے منقول ہے کہ میرے والد نے مجھ کو سنا کہ میں نماز میں الحمد للہ پڑھنے سے قبل بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھتا ہوں تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے بیٹے اس نئی بدعت سے اپنے آپ کو بچائے رکھ (یعنی آئندہ اونچی آواز سے بسم اللہ نہ پڑھنا)
لہٰذا اگر یہ جزء من الفاتحہ ہوتی تو وہ اس کو بدعت نہ کہتے. اس روایت کو ترمذی نے جامع میں بھی منقول کیا ہے اور اس کے آخر میں عبداللہ بن مغفل کا اپنے باپ کے بارے میں یہ قول نقل فرمایا:
ولم ار رجلا ابغض الیہ الحدیث منہ
میں نے اپنے والد جیسا بدعت سے زیادہ نفرت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔
یاد رہے کہ قائلین عدم الجزء میں ایک صحابہ کی جماعت ہے جس میں خلفائے راشدین (ابوبکر و عمر و عثمان و علی) عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسرؓ وغیرہ صحابہ کرام شامل ہیں۔
اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ۔
مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ یہ کلام اللہ ہے، لیکن یہ جاری ہے بندوں کی زبانوں پر، لہٰذا یہاں قولوا مقدر ہے یعنی تم کہو اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ۔
ایسی آیات جو اللہ کا مقولہ بن سکتی ہیں ان کو مقولہ عباد بنانا ضروری نہیں ہے، کبھی اللہ تعالیٰ اپنی حمد خود بھی کرتے ہیں۔
مفسرین نے ان آیات کو بھی مقولہ عباد قرار دیا ہے اس لیے کہ اس کے بعد کی آیات یقیناً متعلق بالعباد ہیں تو پہلی آیات بھی متعلق بالعباد ہیں۔
حمد:
حمد کا معنی ہے زبان کے ساتھ کسی کے ایسے وصف جمیل پر تعریف کرنا جو اس کے اختیار میں ہو (لیکن اگر وہ وصف جمیل اختیار نہیں ہے تو اس پر حمد بھی نہیں ہے) اور تعریف تعظیم کے طریقہ پر ہے بطور طنز نہیں. لہٰذا یہاں مدح نہیں کہا کیونکہ مدح اللہ کی نہیں ہوتی بوجہ تمام اوصاف کمال اختیاریہ کے۔
یاد رہے کہ اللہ کی صفات میں فلسفہ سے جرح کرنا صحیح نہیں ہے فلسفہ کا اسلام سے تعلق اس قسم کا نہیں ہے جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے. عام لوگ اس وجہ سے متاثر ہو گئے کہ فلسفہ کو عربی میں منتقل کر دیا گیا ہے. فلسفہ عربی میں ہونے کی وجہ سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی اسلام کا جزو ہے. چنانچہ انہوں نے تقابل شروع کر دیا اور حرکت فلک، گردش کواکب اور ستاروں کا آسمان میں مرکوز ہونا ایسی بحثیں شروع کر دیں اور خرق والتیام میں الجھ گئے. اور پھر جب سائنسدان چاند پر چلے گئے تو کہنے لگے اسلام پر ضرب لگ گئی اور پھر وہاں سے پتھر اور دیگر اشیاء لے کر آئے تو اور زیادہ فکر مند ہو گئے اور جب مریخ پر گئے تو حیران ہوئے کہ وہ کیا تعلق تھا. ان کے غلط ہونے سے جملہ مشینوں کے ساتھ کیسے نکل گئے حتی کہ تنگ آ کر کہا کہ اسلام پر ضرب لگ گئی. حقیقت یہ ہے کہ فلسفیانہ مسائل کا قرآن سے اسلام پر ضرب نہیں لگی، بلکہ بطلیموس کی غلاظتیں ختم ہو گئیں۔
چاند پر جانے سے معراج بھی تسلیم ہو گئی:
اب ہمارا عقیدہ ہے کہ جو حضور نبی اکرم معراج پر تشریف لے گئے تھے اس کے منکرین چودہ سو سال سے موجود تھے، لیکن آج سائنس کے اس کارنامے کی وجہ سے ہم جیت گئے، ہم نے کہا تھا کہ عیسیٰ آسمانوں پر زندہ لیکن آج تک ایک طبقہ انکار کر رہا تھا، وہ بھی آج شرمندہ ہیں۔

چاند پر جانے سے اسلام پر نہیں یونانی حکمت پر ضرب لگی ہے:
آج ہم جیت گئے، اسلام جیت گیا، ہمیں خوشی ہونی چاہیے تھی نہ کہ الٹا یہ کہیں کہ اسلام پر ضرب لگ گئی۔ یہاں شکست اسلام کی نہیں، اس یونانی حکمت کی ہے جس یونانی حکمت کو ایک طبقہ اسلام سمجھ بیٹھا تھا، حالانکہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔
رب العالمین:
جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اللہ اسم ذات ہے۔ اب یہاں سے اس کے اوصاف اربعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔
(1) رب العالمین (2) الرحمن (3) الرحیم (4) مالک یوم الدین۔
تحقیق لفظ رب:
لفظ رب اگر مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، لیکن اگر اسے کسی اور اسم کی طرف مضاف کر دیا جائے تو اس کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ کما قال رب الدار (گھر کا مالک) جیسا باپ مضارب میں رب المال کہا جاتا ہے۔
چنانچہ سورۃ یوسف میں فرمایا:
فلما جاءہ الرسول قال ارجع الی ربک الخ۔
ترجمہ: پھر جب آیا اس کے پاس شاہی فرستادہ تو یوسف نے اس سے کہا کہ لوٹ جا اپنے مالک کے پاس۔ (سورۃ یوسف۔ 50)
تحقیق لفظ عالم:
العالم ما سوی اللہ من الموجودات چونکہ علم ہے علی وجود الصانع کہ مصنوع کے وجود سے صانع پر دلالت ہوتی ہے ای علم علی صانعہ و خالقہ۔
عالم ایسا لفظ ہے کہ جمیع ما سوی اللہ پر اطلاق ہوتا ہے، اس کا ایک اطلاق خاص ہے اور ایک عام ہے۔ عام سے مراد یہ ہے کہ موجودات کی ایک نوع پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، عالم الجن، عالم الانس، عالم الملائکہ، عالم الحیوان، عالم جواھر، عالم النباتات، عالم ارواح، عالم جمادات،۔
العالمین جمع کا صیغہ کیوں لائے:
یہاں عالم سے مراد اصناف عالم ہیں، لہذا عالمین جمع کا صیغہ لائے۔
یا، نون اور واؤ، نون کی جمع میں معنوی فرق:
جمع بالواو والنون یہ مختص ہے بالعقلاء لہذا غیر عقلاء کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ نہیں آتی اور جمع بالیاء والنون، یہ غیر عقلاء کے لیے ہے۔ اب دیکھیے عالم کی اکثریت غیر عقلاء کی تھی کہ صرف تین ذوی العقول ہیں یعنی عالم الملائکہ و عالم الانس و عالم الجن لہذا یہاں یاء اور نون کی جمع لائے ہیں۔
تحقیق ربوبیت:
ربوبیت کی دو قسمیں ہیں۔ (1) ربوبیت عامہ (2) ربوبیت خاصہ
ربوبیت خاصہ:
اولاد کے لیے والدین کی ربوبیت، والدہ کی تربیت کا تعلق ذاتی و جسمانی ہے اور باپ کی تربیت کا تعلق روحانیت سے ہوتا ہے، لیکن یہ مختص بالاولاد، یا باغبان کی روبیت درختوں اور پودوں کے لیے مختص ہے یا چروا ہے کی ربوبیت جو صرف جانوروں کے لیے مختص ہے۔
ربوبیت عامہ:
ربوبیت عامہ وہ ہے جس کا تعلق عامۃ الموجودات کے ساتھ ہو اور دائمی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ ہے اور علی الدوام یعنی مستقل ہے۔
کیا شمس و قمر کی ربوبیت عام نہیں؟
یہ بات صحیح ہے کہ شمس و قمر کی ربوبیت عامہ ہے، کیونکہ شمس اپنی حرارت سے سارے عالم کی تربیت کر رہا ہے۔ اگر شمس کی حرارت اور پیوست نہ مل سکتی تو انسان، نباتات، اور جمادات نشو و نما نہ پا سکتے، قمر بھی تربیت کر رہا ہے، اگر اس میں برودت اور رطوبت نہ ہوتی تو بھی اس عالم کی نشو و نما ممکن نہ تھی۔ لہذا بظاہر آفتاب و ماہتاب کی ربوبیت عامہ ہے، لیکن نظر عمیق سے اور فکر و تحقیق سے دیکھا جائے تو یہ ربوبیت عامہ نہیں بلکہ خاصہ ہے۔ کیونکہ تربیت عامہ میں شرط ہے کہ وہ علی الدوام ہو جبکہ کواکب و شمس و قمر جب غروب ہو جاتے ہیں تو ان کی ربوبیت ختم ہو جاتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے قوم پر حجت قائم کرنا چاہی تو فرمایا:
فلما را القمر بازغا قال ھذا ربی فلما افل قال لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین۔
ترجمہ: پھر جب اس نے دیکھا چاند چمکتا ہوا تو کہا یہی میرا رب ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا کہ اگر نہ ہدایت کی ہوتی

مجھے میرے رب نے تو میں ہو گیا تھا گمراہ لوگوں میں سے۔ (الانعام: 77)
اسی طرح:
فلما را الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر، فلما افلت قال یقوم انی بریئ مما تشرکون۔
ترجمہ: پھر جب اس نے دیکھا سورج چمکتا ہوا تو بولا یہی میرا رب ہے۔ یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولا کہ اے میری قوم میں تو بیزار ہوں ان سے جنہیں تم اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو۔ (الانعام: 78)
لیکن جب وہ غروب ہوا تو پھر انکار کر دیا، ان سب چیزوں کو مسترد کرنے کی وجہ یہی غروب اور ربوبیت بغیر الدوام ہے۔
ربوبیت سبب ہے معبودیت کا:
جب اللہ ہی رب ہے تو ربوبیت ہی سبب معبودیت ہے، اس لیے اب اللہ کی عبادت کا ذکر فرمایا کہ وہ عبادت کے لائق ہے۔
تحقیق عبادت:
عبادت کے معنی ہیں نہایت تعظیم کرنا، انتہائی تعظیم اسی کی ہونی چاہیے جس کے احسان بھی ہم پر انتہائی ہوں اور وہ اللہ ہی ہے۔ یوں تو ہر محسن کی تعظیم ہوتی ہے، لیکن اگر محسن کا درجہ کم ہے تو تعظیم بھی کم ہو گی اور تعظیم کی کمی عبادت نہیں ہے۔
افضل عبادت سجدہ ہے:
انسان کے بدن میں اشرف الاعضا پیشانی ہے اور زمین سے زیادہ انتہائی پستی کسی میں نہیں ہے۔ عبادت میں اس پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو محسن کے سامنے ذلت کی انتہا تک پہنچا دینا یہی انتہائی تعظیم اور عبادت ہے۔ غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے، کیونکہ انتہائی عبادت انتہائی محسن کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں۔
اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام تھا تو آدم کو کیوں سجدہ کرایا گیا:
قیام مطلقاً عبادت نہیں اس میں نیت ضروری ہے، البتہ سجدہ مطلقاً عبادت ہے، اس میں نیت کرنا ضروری نہیں ہے، باقی آدم کو جو سجدہ کرایا گیا تو وہ بحیثیت کعبہ تھا ورنہ اصل سجدہ خدا تعالیٰ کو تھا۔
ابراہیم نے شمس و قمر کو ھذا ربی کیوں کہا:
بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ ابراہیم نے ھذا ربی جو کہا تھا وہ بمعنی اھذا ربی تھا، یعنی کیا یہ رب ہے؟ لیکن تاویل نہ کریں تو اچھا ہے، بلکہ یہ کہیں کہ یہ بھی ایک طریقہ تعلیم ہے جس کو اللہ نے مندرجہ آیات میں بیان فرمایا:
ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ
دعوت دیجیے لوگوں کو اپنے رب کے راستہ (اسلام) کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ (النحل: 125)
اس آیت میں دعوت کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ وہ طریقہ یہ تھا کہ جب دیکھا کہ تمام قوم یہاں موجود ہے تو آئندہ کے لیے دلیل بنا کر تعلیم دیتے ہیں، آپ نے چاند کو دیکھ کر فرمایا ھذا ربی، لیکن جب وہ چاند غروب ہو گیا تو لوگوں نے سمجھ لیا کہ نور دائمی نہیں ہے، پھر سورج کو دیکھ کر کہا کہ ھذا ربی۔ پھر وہ بھی غائب ہو گیا تو لوگوں کی عقل میں بھی بات بیٹھ گئی کہ ان کا یہ کمال دائمی نہیں ہے۔ اب موقع تھا کہ قوم کے ذہن کو بدل دیا جائے لہذا فرمایا:
انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔
ترجمہ: میں نے متوجہ کیا اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو سب سے منہ موڑ کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ (الانعام: 79)
یہ تعلیم دینے کا ایک طریقہ تھا اور باقی لفظ ھذا ربی جو کہا ہے وہ صرف تعلیم دینے کے لیے کہا تھا، یہاں ہمزہ استفہامیہ داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
موسیٰ نے ربوبیت کا ذکر کس طرح کیا؟
موسیٰ جب فرعون کے پاس گئے تو فرعون نے پوچھا:
قال فرعون وما رب العالمین۔
فرعون بولا اور وہ رب العالمین کیا ہے؟
تو موسیٰ نے فرمایا:
قال رب السموات والارض وما بینھما۔
فرمایا پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے۔ (شعراء: 24)
لیکن فرعون اس جواب سے خوش نہ ہوا اور کہا:
قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون۔
فرعون بولا بیشک تمہارا رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف وہ تو دیوانہ ہے۔ (شعراء: 27)

یہاں فرعون نے پوچھا تھا وما رب العالمین اور ماھو سے ذاتیات کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے یہاں سوال عن حقیقت الشی ہے، لیکن جواب میں اللہ کے اوصاف ذکر کیے گئے کیونکہ اللہ کی حقیقت معلوم نہیں لایحد ولا یتصور (نہ اس کی حد ہے نہ وہ تصور میں آ سکتا ہے) پھر دوبارہ پوچھا تو فرمایا:
قال ربکم ورب ابائکم الاولین۔
فرمایا پروردگار تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا۔ (شعراء: 26)
پھر سہ بارہ پوچھا تو فرمایا:
قال رب المشرق و المغرب وما بینھما۔
فرمایا پروردگار مشرق اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے۔ (شعراء: 28)
ربوبیت زمانی و مکانی و وضعی:
ایک ربوبیت فی کل مکان ہے، لہٰذا اس کا ذکر فرمایا:
قال رب السموات والارض وما بینھما۔
کہ ہر مکان کا رب ہے اور دوسری آیت میں ربوبیت فی کل زمان کا ذکر فرمایا:
ربکم ورب ابائکم الاولین۔
اور ربوبیت وضعی کے عموم کا ذکر فرمایا
رب المشرق و المغرب وما بینھما۔
یہاں زمان و مکان و وضع کی تفہیم مقصود تھی تو یہاں تین تعمیمات سے جواب دیا اور ثابت کر دیا کہ ربوبیت الٰہی عامہ ہے اور اس کے مقابل میں فرعون کی ربوبیت خاصہ فی المکان ہے کہ اس کی ربوبیت صرف افراد مملکت کے لیے ہے اور ربوبیت زمانی و وضعی میں بھی عموم نہیں ہے، اس طرح یہ ثابت کر دیا کہ فرعون کا کہنا غلط ہے۔ صرف اللہ ہی رب العالمین ہے۔
مٰلِکِ یَومِ الدِّینِ
اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اختصاص صرف یوم الدین کے ساتھ کیوں؟
یہاں یوم الدین کا اختصاص اس لئے ذکر کیا کہ یوم الدین کی ملکیت صرف اللہ ہی کے لیے مختص ہے، اگرچہ دنیا میں بظاہر بہت سے لوگ ملکیت کا دعوے کرتے ہیں کہ ملک فلاں ملک فلاں، یہ صرف یہاں کے مالک ہیں، آخرت کے نہیں۔
غیر اللہ کو شہنشاہ کہنا کیسا ہے؟:
حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی کو ملک الاملاک یعنی بادشاہوں کا بادشاہ نہ کہو اور لفظ شہنشاہ یعنی شاہ شاہاں کہنا بھی اسی حکم میں شامل ہے، لہٰذا یہ صراحتاً ممنوع ہے، بلکہ یہ لفظ صرف اللہ کے لیے مختص ہے، چنانچہ فرمایا:
لمن الملک الیوم، للہ الواحد القھار۔
کس کی حکومت ہے آج؟ اللہ ہی کی جو ایک ہے بڑا غالب۔ (مومن: 16)
مٰلِکِ:
اسی لفظ کو امام قرات حفص مالک بالف پڑھتے ہیں اور امام عاصم کوفی لمٰلک میم کے اوپر کھڑی زبر پڑھتے ہیں۔
مِلک اور مٰلِکِ میں کیا فرق ہے؟
مالک اسم فاعل کا صیغہ ہے یہ عام طور پر ملک سے استعمال ہوتا ہے اور ملک صفت ہے اس کا مصدر ملک ہے یعنی بادشاہی۔ آخرت میں ملک بھی اور مالک بھی اللہ ہے، لہٰذا دونوں صحیح ہے۔ خدا مالک بھی ہے اور اس کی ربوبیت بھی عامہ ہے، زمان و مکان اور وضع میں تو عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔
اقسام عبادت:
عبادت دو قسم کی ہے جلالی و جمالی۔
عبادت جمالی:
اگر عبادت بوجہ محبت ہو یعنی سبب عبادت محبت ہو تو اس کو عبادت جمالی کہتے ہیں، جیسے حج کی عبادت، اس میں محبت کے سوا اور کیا چیز ہے؟ اسی طرح صوم بھی عبادت جمالی ہے کہ محبوب کے کہنے پر ہی تو کھانا پینا اور جماع کو چھوڑا کہ یہ تمام علائق دنیا ہیں۔ زن و زر یہ تمام مصائب ہی تو ہیں اور خدا سے روکنے والی چیزیں ہیں۔
تفصیل جمال و کمال:
محب پر محبوب کا ایک حق ہوتا ہے اور محب محبوب کا پر تو ہوتا ہے۔ صوم رمضان بھی عبادت جمالی ہے کہ علائق دنیا سے کلیۃ لا تعلق ہو گئے۔
محبوب بھی نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ خواہشات کا اتباع کرتا ہے، محب نے بھی یہ سب کچھ کیا۔ پھر محب کی طبیعت محبوب

کے گھر جانے کی طرف مائل ہوئی تو ایک لمبا سفر بحر، بر، دشت و دریا کا طے کر کے جاتے ہیں۔
وعدہ وصل چوں شود نزدیک
آتش عشق تیز تر گردد
جیسے جیسے ملاقات کا وقت قریب آتا جاتا ہے تو عشق و محبت کی آگ بھی تیز ہوتی جا رہی ہے۔
پھر سلے ہوئے کپڑے اتار دیتے ہیں اور چادریں جو میت کے کفن سے مشابہ ہوتی ہیں، پہن لیتے ہیں۔ گویا اب محبوب کے لیے زندگی سے بھی لاتعلق ہو گئے اور پھر لبیک کہہ کر تمام توجہات محبوب کی طرف کر لیتا ہے۔ جب بیت اللہ کا دیدار کرتا ہے تو وصال کی خوشی برداشت نہ کرتے ہوئے بلبلاتا ہے، تلملا اٹھتا ہے اور مسجد حرام میں جا کر محبوب کے گھر کے اردگرد متحیر ہو کر پھرتا ہے۔ کمال قال الشاعر:
امر علی الدیار دیار لیلی۔۔ اقبل ذالجد اور ذالجد
فما شغفن حب الدیار قلبی۔۔ ولکن من سکن الدیار
میں جب لیلی کے مکانوں کے قریب سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔
میری محبت کا یہ حال ان مکانوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان مکانوں میں رہنے والوں کی وجہ سے ہے۔
حج دیوانگی سے قبول ہوتا ہے فرزانگی سے نہیں:
حج دیوانگی سے قبول ہوتا ہے فرزانگی سے نہیں۔ حج میں انسان تلاش کرتا ہے کہ محبوب کہاں ہے؟ حج کی عبادت میں ہی محبت ہے اور محبت پیدا ہوتی ہے کمال سے، احسان سے اور اس کے لیے عبادات جمالی ہیں۔
دوم عبادات جلالی:
عبادت جلالی میں نفع کی امید ہوتی ہے، ضرر کا خوف ہوتا ہے، عبادت جلالی کے بارے میں کہا گیا:
ہو النافع الضار۔
جیسے کہ نماز اور زکوٰۃ، یہ دونوں جلالی ہیں۔ اگر یہ عبادت نہ کرے تو عذاب ہے، اگر کرے تو ثواب ہے اس عبادت کا سبب محبوب کی عظمت اور اس کا جلال ہے۔
سورۃ الفاتحہ میں ذکر جمال و کمال:
الحمد للہ میں کمال کا ذکر کیا اور رب العالمین۔ الرحمن الرحیم میں جمالیات کا ذکر اور احسانات کا ذکر فرمایا۔ احسان و کمال کی وجہ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ یہی محبت سبب ہے عبادت کا اور عبادت میں تکاسل و تغافل یعنی سستی اور غفلت کا خطرہ تھا تو مالک یوم الدین کہہ کر متنبہ کر دیا۔
یوم الدین۔۔۔ بعمنی روز جزاء۔۔ دان یدین۔
بدلہ دینا جزاء دینا کما قال الحماسہ:
فدناھم کما دانوا۔
ہم نے ان کو ویسا ہی بدلہ دیا جیسے انہوں نے دیا تھا۔
اسی وجہ سے مالک یوم الحشر کے بجائے مالک یوم الدین کہا اور اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ آخرت میں اللہ اچھے کام کی جزاء اور برے کام کی سزا بھی دے گا۔
اور اس جزاء و سزا کا سبب مالک یوم الدین ہونا ہے۔
یہاں تک سورۃ الفاتحہ میں تمہیدات تھیں جن سے معلوم ہوا کہ اب سوائے خدائے عز و جل کے اور کوئی محبوب و معبود اور مقصود و مسجود نہیں ہے۔ ان تمہیدات میں چونکہ محبوب و معبود کی ذات کا بظاہر تعین نہ کیا جا رہا تھا، لہذا غائب کے صیغے استعمال کیے گئے اور اب تعین ہو چکا ہے۔ اب حاضر کے صیغے استعمال کیے جا رہے ہیں اور فرمایا:
اِیَّاکَ نَعبُدُ وَاِیَّاکَ نَستَعِینُ۔
ایاک مفعول بہ مقدم ہے۔
نعبدک
یہاں صرف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں تو نعبدک و نستعینک ہونا چاہیے تھا، لیکن ایاک نعبد تقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر والاختصاص کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو یہاں حصر فی العبادت مقصود ہے اور وَاِیَّاکَ نَستَعِینُ میں حصر فی الاستعانت مراد ہے۔
اقسام عبادت:
انسان کے ہر عضو کی عبادت ہوتی ہے، کبھی زبان سے جیسے تسبیح اور کلمات الخیر اور کبھی آنکھ سے جیسے نظائر قدرت اللہ جیسے فرمایا:

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت۔
کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا؟ (الغاشیہ: 17)
کہ دیکھنے سے آپ کو سبق ملے گا۔ اسی طرح عبادت السمع کلام اللہ کا سننا ہے، ہاتھوں اور پاؤں کی عبادت جہاد میں جانا، مسجد کی طرف جانا اور ہاتھ سے قرآن کی تفسیر لکھنی وغیرہ۔
الغرض تمام قوی ظاہری و باطنی کو اللہ کی رضا میں استعمال کریں تو یہ عبادت ہے۔
فرقہ قدریہ و جبریہ اور مسلک اہلسنت والجماعت:
وَاِیَّاکَ نَستَعِینُ۔ سے رد ہے دو فرقوں جبریہ و قدریہ پر۔
جبریہ فرقہ جو انسان کو مجبور محض کہتا ہے، اس کے نزدیک انسان کا ہے کہ وہ خود کوئی حرکت نہیں کرتا جب تک کہ دوسرا حرکت نہ دے۔
قدریہ وہ فرقہ ہے کہ ان کے نزدیک انسان اپنے افعال خود کرتا ہے اور ان پر قادر ہے۔ وہ اپنے افعال کا خالق بھی ہے۔
اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ان کے درمیان میں ہے اور افراط و تفریط سے پاک ہے کہ انسان کو ایک حد تک اختیار ہے۔ جبریہ کے عقیدہ کے مطابق انسان عبادات کے ساتھ مکلف نہیں ہو گا۔ کیونکہ مکلف کو تکلیف دی جاتی ہے امور اختیاریہ میں، لیکن امور اضطراریہ میں تکلیف دینا ممکن نہیں، کحرکۃ المرتعش یعنی جس آدمی پر رعشہ طاری ہو جائے اور اس کے ہاتھ ہر وقت ہلتے ہیں۔ اب اس کو یہ کہنا کہ ہاتھ ہلاؤ یا ہاتھ نہ ہلاؤ دونوں باتیں بے کار ہیں۔ اسی طرح جبریہ کا جب یہ عقیدہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے تو پھر اس کو احکام کا پابند کرنا اور منہیات سے روکنا بے معنی ہے۔ ان کا عقیدہ اختیار کی مکمل تردید کرتا ہے۔ ان کے عقیدے سے انسان سے امور تکلیفیہ سلب ہو جاتے ہیں، لہٰذا جبریہ کی ایکا نعبد سے تردید کی گئی ہے کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جبریہ سے سوال کریں کہ عبادت کرنے کا کیا فائدہ، جب ثواب نہیں۔ معلوم ہوا کہ جبریہ کا عقیدہ باطل ہے۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق انسان ایسا با اختیار بھی نہیں کہ خود ہی قادر بن جائے۔ لہٰذا ہم اپنے اختیار کے ساتھ عبادت کرتے ہیں۔ لیکن استعانت اللہ کی ہوتی ہے۔ استعانت سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے تندرستی دی اور اعضاء دیے، جھکنے کو اور جوڑوں کو موڑنے کی صلاحیت دی تو ایاک نستعین فرما کر قدریہ پر رد فرمایا سو انسان قادر ہے، لیکن اختیار کی حد تک۔
استعانت کا معنی کیا ہے؟
استعانت کا معنی ہے طلب العون (مدد طلب کرنا) بعض صوفیا کہتے ہیں استعانت مشتق ہے عین سے (باب یائی ہے) یعنی مراد مشاہدہ ہے کہ ہم مطالبہ کرتے ہیں مشاہدہ کا یعنی درخواست ہے کہ ہم آنکھوں سے آپ کو دیکھ لیں، لیکن یہ محض تکلف ہے۔
معنی اول راجح و معتبر ہے۔
مدد کس سے مانگی جائے:
اگر استعانت ما تحت الاسباب غیر اللہ سے ہو، لیکن اس کا رجوع اللہ کی طرف ہو تو یہ جائز ہے اور اگر استعانت ما تحت الاسباب محض غیر اللہ سے طلب کر رہا ہے تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی سے مدد مانگے اور اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ یہ مدد بتوفیق اللہ ہے یعنی استعانت غیر مستقلہ ہو اور مرجع اللہ ہی ہو تو یہ جائز ہے، لیکن استعانت خاصہ و ذاتی صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس وجہ سے ایاک نعبد پر ہی نستعین کا عطف کرتے تو کام بن جاتا، لیکن نستعین کے ساتھ بھی ایاک لگایا تاکہ واضح ہو کہ مدد صرف اللہ ہی سے مانگی جا سکتی ہے۔

اِھدنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ:
مومن صراط مستقیم پر ہی ہوتا ہے پھر صراط مستقیم مانگنے کا کیا فائدہ؟
صراط مستقیم کی استقامت پر نظر ڈالیں تو اس کو کئی حیثیتوں سے صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔
اول:
الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ ای الطریق القصیر
(چھوٹا راستہ) ایسا چھوٹا راستہ جو منزل پر جلدی پہنچا دے لہٰذا استقامت باعتبار الطول والعرض ہے۔
دوم:
الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ ای الطریق المستوی
(برابر راستہ) کوئی چیز حائل نہیں۔ کانٹے نہیں، کوئی تکلیف دہ چیز نہیں ہے۔
سوم:
الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ ای الطریق المامون۔

(محفوظ راستہ) یعنی چور ڈاکو اور راہزن نہیں ہیں، درندہ وغیرہ نہیں ہیں، اب یہاں گزشتہ اشکال کہ مومن پہلے ہی سیدھے راستہ پر ہے، پھر یہ صراط مستقیم کیوں مانگتا ہے۔ اس کا جواب بھی ہو گیا کہ اگر وہ صراط مستقیم یعنی چھوٹے راستہ پر ہے تو صاف راستہ مانگ رہا ہے اگر صاف راستہ پر ہے تو محفوظ راستہ مانگ رہا ہے۔ لہٰذا تحصیل حاصل نہ رہا اور یہاں صراط مستقیم دنیوی مراد ہے اخروی مراد نہیں۔ کیونکہ اس کے بارے میں یہ تفصیل نہیں ہے وہاں دربند ہو گا یا کھلا ہو گا۔

استقامت کی تفصیل:

استقامت تین چیزوں میں ہے۔

(1) فی الاقوال (2) فی الافعال (3) فی الاحوال

ایک آدمی کو ایک اعتبار سے تو استقامت حاصل ہے یعنی اقوال میں، لیکن اپنے افعال میں کچھ کمزور ہے تو اس کی طلب کر رہا ہے اگر اس میں بھی صحیح ہے تو فی الاحوال کی طلب کر رہا ہے، لہٰذا تحصیل حاصل نہ ہوا۔

اصل استقامت کیا ہے؟

الاعتدال بین الافراط والتفریط۔

ایسا اعتدال اور میانہ روی کہ اس میں حد سے بڑھنا بھی نہ ہو اور گھٹنا بھی نہ ہو، یہی خاصہ ہے دین اسلام کا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں تین قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ (1) قوت عقلیہ (2) قوت شہویہ (چاہتوں والی قوت) (3) قوت غضبیہ (دفاعی قوت)۔ قوت عقلیہ کے ذریعہ انسان چیزوں کی حکمتیں معلوم کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ غور و فکر کی دعوت دی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت۔

کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا؟ (الغاشیہ)

لیکن اگر کوئی شخص رات دن فقط سوچتا ہی رہے اور تمام چیزوں کو بھول جائے تو یہ ناجائز ہو گا۔

(2) اسی طرح قوت شہویہ کا استعمال جائز طریقے سے ہو تو ٹھیک ہے اور اگر کوئی اپنی چاہتوں کو پورا کرنے کے لیے جائز و ناجائز کی تمیز و تفریق نہ کرتے تو یہ بھی استقامت کے خلاف افراط و تفریط ہو گی۔

(3) اسی طرح اگر کوئی شخص ہر وقت غصہ میں مشتعل رہتا ہے اور جلدی سے کوئی بھی قدم اٹھاتا ہے تو یہ تہور ہے۔ یہ منع ہے اور اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کو کبھی غصہ ہی نہیں آتا تو یہ جبن یعنی بزدلی ہے اور اللہ کے رسول نے بزدلی سے اللہ کی پناہ مانگی ہے، فرمایا:

اللھم انی اعوذ بک من الجبن۔

(اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں بزدلی سے)۔

الغرض قوت غضبیہ کے استعمال کے یہ دونوں طریقے افراط و تفریط پر مبنی اور استقامت و اعتدال کے خلاف ہیں۔ اعتدال یہ ہے کہ قوت غضبیہ کا استعمال انسان سوچ سمجھ کر کرے۔

عبادات میں اعتدال کا حکم:

حضرت عبداللہ بن عمرو نوجوان تھے۔ ان کے والد حضرت عمرو بن عاص بہت ماہر سیاست دان تھے، تمام عرب پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ کو بھی ان کی وجہ سے کامیابی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی کرا دی۔ کئی دنوں کے بعد بہو سے پوچھا کہ آپ نے میرے بیٹے کو کیسے پایا۔ وہ کہنے لگی رات کو نوافل میں قرآن کریم پڑھتا ہے، دن کو روزہ رکھتا ہے، بڑا نیک ہے تو حضرت عمرو سمجھ گئے کہ بہو کی حق تلفی ہو رہی ہے کسی ذریعہ سے حضور اکرم کو اطلاع کر دی۔ حضور نے حضرت عبداللہ کو بلوا کر پوچھا کہ کتنا پڑھتے ہو تو کہنے لگے، سارا قرآن، تو حضور نے سمجھا بجھا کر بڑی مشکل سے ایک رات میں ایک منزل پر راضی کر لیا کہ سات راتوں میں قرآن کریم مکمل ہوا کرے گا اور روزوں کے متعلق فرمایا کہ مہینہ میں تین روزے رکھو۔

فقال انی اطیق اکثر من ذلک۔

یعنی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو حضور نے فرمایا کہ چلو ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن بغیر روزہ کے رہو یعنی صوم داؤدی پر راضی کر لیا تو استقامت و اعتدال کے پیش نظر عبداللہ کو عبادت چھوڑنے پر مجبور فرمایا۔ ان کی قبر قاہرہ میں ہے، میں نے زیارت کی ہے۔ جب یہ ضعیف ہو گئے تو فرماتے کہ حضور کا مشورہ قبول کرتا تو اچھا تھا۔ کیونکہ اب وہ نصاب پورا کرنے کی طاقت نہیں رہی، عبادت اگرچہ کم نہیں کی، لیکن مشورہ قبول کرنے کی، تمنی فرمائی، لہٰذا ایسے اعمال شاقہ جو انسانی طاقت سے باہر ہوں، یہ بھی استقامت کے خلاف ہے لہٰذا صراط مستقیم سے مراد استقامت ہے۔

صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیہِم۔

رجال کار کو حجت بنانا:

یہاں صراط مستقیم کا تعارف کرایا گیا رجال کار سے۔ گویا اصلاح کے لیے نظریاتی طور پر رجال کار درکار ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخصیت پرستی ہے اور صحابہ کرام کے اقوال کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو بطور حجت تسلیم نہیں کرتے۔ رجال کار کو درمیان سے نکال لینے کے بعد کوئی کام نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا یہاں صراط مستقیم قرآن و حدیث کو نہیں کہا، بلکہ بتایا گیا کہ اگر صراط مستقیم درکار ہے تو اس سے پہلے رجال کار تلاش کرو۔

منعمین کون ہیں؟

چنانچہ القرآن یفسر بعضہ بعضا۔

یعنی قرآن کریم ہی کے بعض حصے دوسرے بعض حصوں کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں تو یہ منعمین یعنی انعام یافتہ لوگ ہمیں قرآن ہی میں مل گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدائ والصلحین وحسن اولئک رفیقا۔ (النساء: 69)

اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا پس وہی لوگ ہوں گے ان کے ساتھ انعام کیا اللہ نے جن پر نبیوں اور صدیقوں اور شہدا اور صالح لوگوں میں سے اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں۔

تعارف نبیین:

النبی انسان بعثہ اللہ تعالیٰ لتبلیغ احکامہ۔

یعنی نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام لوگوں تک پہچانے کے لئیے مبعوث فرمایا ہو۔ نبی کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ محفوظ ہوتا ہے۔ من الخطاء و المعاصی۔ (غلطی اور گناہوں سے) چنانچہ جن احادیث و آیات میں پیغمبروں کی کچھ خطاؤں کا ذکر ہے۔ محدثین و مفسرین نے ان کی اطمینان بخش تاویلات کی ہیں کہ اصل میں وہ گناہ نہیں ہوتا بلکہ خلاف اولی بات ہوتی ہے جس پر حسنات الابرار سیات المقربین کے اصول کے تحت گناہ کا اطلاق لفظاً کیا گیا، لہذا جب انبیاء علیھم السلام گناہوں سے معصوم و محفوظ ہیں تو ان کا راستہ انعام والا راستہ ہو گا۔

انبیاء علیھم السلام سے متعلق مودودی صاحب کا قول:

مولانا ابو الاعلی مودودی انبیاء علیھم السلام کے متعلق لکھتے ہیں:

بسا اوقات اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے حفاظت اٹھا کر گناہ کراتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بشر ہیں، خدا نہیں ہیں، گویا خدا اپنی خدائی کو بچانے کے لیے ان سے غلطی کراتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان میں عملی کمزوریاں ہیں، یہ خدا نہیں ہیں۔

لیکن پیغمبروں کو خدا سے الگ کرنے کے لیے یہ دلیل بہت ہی کمزور ہے۔ انبیاء کو اللہ تعالیٰ سے الگ ثابت کرنے کے لیے اور بہت سے دلائل موجود ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

وقالوا مال ھذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق لو لا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا۔

وہ کہتے ہیں کہ کیا ہوا اس رسول کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں، کیوں نہ اتارا گیا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ وہ ہوتا اس کے ہمراہ ڈرانے والا۔ (الفرقان: 7)

اسی طرح حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم صدیقہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

ما المسیح ابن مریم الا رسول، قد خلت من قلبہ الرسول، وامہ صدیقۃ کانا یاکلن الطعام۔

نہیں ہے مسیح ابن مریم، مگر ایک رسول۔ تحقیق گزر چکے ہیں اس سے پہلے بہت رسول اور اس کی والدہ حق کی تصدیق کرنے والی تھی، وہ دونوں کھاتے تھے کھانا۔ (المائدہ: 75)

حضرات انبیاء علیھم السلام جب کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے تو الوہیت کی نفی کے لیے یہی باتیں کافی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لم یلد ولم یولد یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ حضرات انبیاء (علیہم السلام) کے ہاں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہتا تھا، لہذا وہ خدا نہیں ہو سکتے۔ الوہیت کی نفی کے لیے یہ باتیں کافی شافی ہیں اور پیغمبروں کی غلطیوں کا جواز پیدا کرنا کسی طرح درست نہیں ہے ورنہ پورے دین پر سے اعتماد اٹھ جائے گا اور ہر کس و ناکس نبی کی غلطی کو اپنے لیے سہارا بنائے گا۔ اگر کوئی خطا ہوئی ہے تو اجتہادی خطا ہوئی ہے جس میں دوام نہیں ہوتا۔ جیسے اساری بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو حضور پاک کو بتلایا گیا کہ منشا خداوندی کے خلاف ہوا ہے تاکہ آئندہ اعتماد قائم رہے۔

انبیاء علیھم السلام کا استغفار کرنا:

رہی یہ بات کہ حضور ﷺ استغفار فرماتے تھے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے تو استغفار ہمیشہ گناہ کا نتیجہ نہیں ہوا کرتا، بلکہ رفع درجات اور اظہار بندگی کے لیے بھی ہوتا ہے جیسا کہ حضور دعا فرماتے تھے:

اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق و المغرب (مشکوۃ)

اے اللہ مجھ میں اور گناہوں و خطاؤ میں ایسا فاصلہ رکھیے جیسا کہ آپ نے مشرق و مغرب میں فاصلہ رکھا ہے۔
بہرحال حضرات انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے ستر ڈال کر ان کو گناہوں سے معصوم و محفوظ کر لیا ہے نیز حسنات الابرار سیات المقربین (نیک لوگوں کی خوبیاں قریبی لوگوں کی خامیاں ہیں) کے اصول کے پیش نظر استغفار غیر اولی بات کی وجہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

تعارف صدیقین:

یہ وہ جماعت ہے کہ ان کے پاس نظری قوت ایسی ہوتی ہے جیسے انبیاء کی ہوتی ہے کہ طبعا و عملاً معاصی سے بچے رہتے ہیں جیسے صدیق اکبر سے قبل بھی عبادت اصنام سے بچے رہے تھے، ایسا ہی انبیاء (علیہم السلام) نبوت ملنے سے پہلے طبعا گناہوں سے بچے رہتے ہیں تو صدیق اگرچہ مبعوث تو نہیں ہوتے لیکن قوت نظری ان کی بہت قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر کا مزاج بالکل حضور ﷺ کے مزاج شریف جیسا تھا۔ غار حرا سے جب حضور ﷺ واپس آئے اور نزول وحی کی ابتدا ہو گئی، آپ نے گھر میں آ کر حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ ولقد خشیت علی نفسی (یعنی مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہوا ہے) تو حضرت خدیجہ نے فرمایا کلا لا یخزیک اللہ الخ، اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ جب حضرت صدیق اکبر لوگوں سے تنگ آ کر باہر جانے لگے تو ابن الدغنہ نے آپ کے وہی خصائل بیان کیے جو حضرت خدیجہ نے حضور کے بیان فرمائے تھے۔ گویا صدیق اکبر میں وہی خصائل تھے جو حضور اکرم میں تھے اور صدیق اکبر کا وہی مزاج تھا جو نبی کا تھا۔ یہ صدیق قیامت تک ہوں گے، بہت سے صحابہ اپنی نظری قوت کی وجہ سے اصنام پرستی سے بچ گئے۔ جیسے حضرت علی وغیرہ۔

تعارف شہداء:

ان حضرات کی قوت عملیہ مضبوط ہوتی ہے، یہ لوگ دین اسلام کی سربلندی کے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

تعارف صالحین:

ان کی نظری و عملی دونوں قوتیں مضبوط ہوتی ہیں اور یہ دین کی اتباع کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ چاروں مصداق ہوئے منعم علیهم اور انعام یافتہ لوگوں کے۔ حقیقت میں یہی لوگ انعام یافتہ ہیں۔ یہود اور نصاریٰ نے اگرچہ اس طرح بہت سے دعوے کیے، لیکن ان کی بات صرف دعوے کی حد تک تھی۔ موسیٰ کے دین کے ساتھ نصاریٰ نے اور حضرت عیسیٰ کے دین کے ساتھ یہودیوں نے جو کچھ کیا کسی نے نہیں کیا:

غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیہِم وَلَا الضَّآلِّینَ۔

مغضوب علیهم اور ضالین کو خارج کر دیا، اس طور پر کہ یہ معطوف و معطوف علیہ بدل ہے الذین انعمت علیهم سے انعام یافتہ لوگ نہ تو مغضوب علیهم ہیں اور نہ ہی ضالین، یعنی گمراہ ہیں۔ بعض لوگ اس کا ترجمہ کرتے ہیں نہ راستہ ان لوگوں کا جو مضغوب علیهم ہیں اور گمراہ ہیں، لیکن یہ ترجمہ غلط ہے۔ کیونکہ اس سے بدل کا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے:
راستہ ان لوگوں کا کہ انعام کیا تو نے ان پر کہ نہ وہ مغضوب علیهم ہیں اور نہ گمراہ ہیں۔

المَغضُوبِ عَلَیہِم اور الضَّآلِّینَ کا مصداق:

مغضوب علیھم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ آج کل کے علمائے سوء بھی مغضوب علیهم میں شامل ہیں کیونکہ علمائے یہود میں یہ چند خصلتیں تھیں:

الذین اتینهم الکتب یعرفونہ کما یعرفون ابنائهم، وان فریقا منهم لیکتمون الحق وهم یعلمون۔ (البقرہ: 146)

وہ لوگ جنہوں نے دی تھی ہم نے کتاب وہ اس رسول کو پہچانتے ہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بیشک کچھ لوگ ان میں سے چھپاتے ہیں حق بات کو اور حالانکہ وہ جانتے ہیں۔
یہ لوگ حضور کو اور حق کو جانتے ہوئے غلط فتوے دیتے تھے اور حق بات کو چھپا لیتے تھے، ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ولقد علموا لمن شترہ مالہ فی الاخرۃ من خلاق۔

اور خوب جانتے تھے کہ کہ جس نے مول لیا وہ (جادو) نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ (البقرہ: 102)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

ولا تلبسوا الحق بالباطل و تکتموا الحق وانتم تعلمون۔

اور نہ ملاؤ سچ میں جھوٹ اور نہ چھپاؤ سچی بات جان بوجھ کر جبکہ تم جانتے ہو۔ (البقرہ: 42)

معلوم ہوا کہ یہود سچ اور جھوٹ بھی ملاتے تھے اور حق بات کو جان بوجھ کر چھپا لیتے تھے یعنی یہ خوب جانتے تھے کہ یہ فتوے بیچنا آخرت اور خیر و ایمان کے بدلے ہیں۔
آج کل بھی علمائے سوء خیر اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف قرآن و حدیث پڑھ کر لوگوں کو صرف ذاتی مفاد کی خاطر غلط

راستوں پر ڈالتے ہیں۔ بہت سے مفتی دار الافتاء کھولے ہوئے ہیں وہ اس کو ظالم حاکم کو امیر المومنین (ان دنوں ضیاء الحق حکومت پر قابض تھے) کا لقب دیتے تھے۔ خدا کے بندوں کیا یہ اولی الامر منکم کا مصداق ہے اور کیا اسے ولایت عامہ حاصل ہے؟ یہ لوگ یہ کام صرف چند ٹکوں کی خاطر کرتے ہیں ایمان اور خیر کو بیچ کر ذلیل ہو کر قرآن و حدیث بیچ دیتے ہیں، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

ظالموں کی طرف ذرا برابر میلان بھی نہ کرنا، ورنہ آگ تمہیں پکڑ لے گی۔

اللہ تعالیٰ نے تو ادنی میلان کو بھی منع فرمایا ہے، لیکن ان لوگوں کے ایمان کمزور ہیں۔ یہ متشابہات میں سے آیات نکالتے ہیں پھر ان سے غلط مفہوم مراد لیتے ہیں۔ کیا انہیں اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر ایمان نہیں ہے۔ ان علماء سوء کا کوئی مقام نہیں ہے، لہٰذا جب تم اِهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ پڑھو تو مغضوب علیھم کے مفہوم میں اس زمانہ کے ان لوگوں کو بھی شامل کرو۔

الضَّالِّينَ:

ضَّالِّينَ سے مراد اگرچہ نصاریٰ ہیں، لیکن اس زمانہ کے جاہل مشائخ بھی ان میں شامل ہی، کوشش کیجیے کہ ان سے بھی کسی طرح نجات حاصل ہو جائے۔ ایسے مشائخ کی وجہ سے لوگوں کے عقائد مسخ ہوئے ہیں، اہل قبو کو تصرف کرنے والا جانتے ہیں، وہ صریح فتویٰ اگرچہ نہیں دے سکتے، ورنہ ان کا عقیدہ یہی ہے۔ اسی طرح کا عقیدہ نصاریٰ کا تھا، ان سے بھی نجات ملنی چاہیے، مغضوب علیھم عمل میں خطا کرتے تھے اور نصاریٰ جو کہ ضالین ہیں فساد عقیدہ رکھتے تھے، مغضوب علیھم اندر سے جانتے ہوئے غلط فتویٰ دیتے تھے اور ضالین جیسے بعض مشائخ نے لوگوں کے عقائد بگاڑ دیے۔ دعا کے وقت ان کو بھی یاد رکھا کریں یعنی ایسے فتنوں سے بچنے کی دعا کرنی چاہیے۔

سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ

سورۃ فاتحہ پورے قرآن کریم کا خلاصہ ہے، قرآن کریم میں ایک تو توحید ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ عبادت کے لائق ہے، یہ پورا مضمون فاتحہ میں آ گیا، رسالت کا بھی ذکر ہے کہ رسول کی بھی اتباع کرو اور رسول کے متبعین کی بھی اتباع کرو۔ اس میں قیامت کا بھی ذکر ہے۔ گویا مبدا و معاد دونوں کا ذکر آ گیا۔ مبدا خدا کی ذات ہے اور معاد قیامت ہے، ہدایت کے لیے مغضوب علیھم اور ضالین سے اپنے آپ کو جدا کرو تو اجمالا یہ تمام باتیں سورۃ فاتحہ میں آ گئیں۔

***

۲۔ سورۃ البقرۃ

بِسمِ اللَّه الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

رکوع ۱

1۔ الم

2۔ ذَلِکَ الکِتَابُ لَا رَیبَ فِیہِ ہدًی لِّلمُتَّقِینَ

3۔ الَّذِینَ یُؤمِنُونَ بِالغَیبِ وَ یُقِیمُونَ الصَّلَاۃَ وَ مِمَّا رَزَقنَاہم یُنفِقُونَ

4۔ وَ الَّذِینَ یُؤمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَیکَ وَ مَا أُنزِلَ مِن قَبلِکَ وَ بِالآخِرَۃِ ہم یُوقِنُونَ

5۔ أُولَیکَ عَلَی ہدًی مِّن رَّبِّہِم وَ أُولَیکَ ہمُ المُفلِحُونَ

6۔ إِنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَیہِم أَأَنذَرتَہم أَم لَم تُنذِرہم لَا یُؤمِنُونَ

7. خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِم وَ عَلَى سَمعِهِم وَ عَلَى أَبصَارِهِم غِشَاوَة وَ لَهُم عَذَابٌ عَظِيمٌ

ترجمہ:

١. الم
٢. یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے
٣. جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ا ور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں
٤. اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ پراور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں
٥. وہی لوگ اپنے رب کے راستہ پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں
٦. بے شک جو لوگ انکار کر چکے ہیں برابر ہے انہیں تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے
٧. اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

افاداتِ محمود

اس سورۃ میں دو سو چھیاسی 286 آیات ہیں، چھ ہزار اکیس 6021 کلمات اور پچیس ہزار پانچ سو 25500 حروف ہیں۔ یہ سورت مدنی ہے، ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس کی خصوصیت ہے:

اکبر السور فی القرآن البقرۃ واکثرھا احکاما۔

یعنی قرآن کریم کی سورتوں میں سب سے بڑی سورت سورۃ بقرہ ہے اور اس میں سب سے زیادہ احکام ہیں۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۃ بقرہ سے پانچ سو 500 احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ صرف ایک آیت جو اس سورۃ اور قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت ہے، یعنی آیت نمبر 282 سے 120 احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ اگرچہ مفسرین نے صرف اسی قدر ہی لکھا ہے، لیکن قرآن کریم کے لطائف و عجائبات و احکام ختم نہیں ہوتے۔ ممکن ہے کہ بعد میں آنے والے علماء ان سے بھی زیادہ احکام مستنبط فرما دیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ تسمیہ سورۃ بقرہ:

اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے، اس لئے کہ اس میں بقرہ کا ذکر ہے اور اس کے ذبح کا بھی ذکر ہے، پھر اس بقرہ کے گوشت کے ایک ٹکڑے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک مردہ کو زندہ فرمایا، اس عجیب قصہ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے۔ بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ سورۃ بقرہ میں قصص و امثال وغیرہ اور بھی بہت ہیں تو پھر خاص بقرہ کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ دوسرے قصص اور واقعات کا ذکر اس بسط و تفصیل کے ساتھ نہیں ہے، جتنی تفصیل سے بقرہ کا قصہ بیان ہوا ہے، لہذا بقرہ کے ساتھ موسوم کرنا درست ہوا۔ بقرہ کا قصہ کسی اور سورۃ میں نہیں ہے۔

سورتوں کی ترتیب:

میں نے یہ بتلا دیا تھا کہ قرآن کریم میں سورتوں کی ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق ہے۔ حضرت محمد نے یہ ترتیب صحابہ کرام کو بتلائی تھی، یہ ترتیب توقیفی ہے اجتہادی نہیں ہے۔ لیکن مفسرین کرام اس ترتیب میں بھی مناسبت پیدا کرنے کے لیے ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن سے سورتوں کے درمیان ربط ثابت ہوتا ہے۔

سورۃ فاتحہ اور بقرہ میں ربط:

(1) سورۃ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم دعا مانگی گئی تھی اور سورۃ بقرہ کی شروع کی پانچ آیات ہم المفلحون تک میں آپ کو بتلایا گیا ہے کہ ہدایت پر کون ہے اور کون نہیں یعنی تم نے جو ہدایت والا راستہ مانگا تھا اس پر چلنے کے لیے یہ اوصاف اپنانے ہوں گے۔

(2) سورۃ فاتحہ میں ایک تو مومنین منعم علیھم کا ذکر تھا جو انبیاء شہداء وغیرہ تھے اور دو کافر فرقوں کا بیان تھا۔ (1) المغضوب علیھم جو یہود ہیں۔ (2) ضالین جو نصاریٰ ہیں۔ یہاں سورۃ بقرہ کی ابتدا میں تین فرقوں کا ذکر ہے۔ (1) مومنین کا ذکر ہم المفلحون تک (2) ولھم عذاب عظیم تک دو آیتوں میں کفار ملحدین کا ذکر ہے (3) پھر دوسرے رکوع کی ابتدا سے آخر تک منافقین کا ذکر ہے۔ یہ بھی کافر ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: وما ہم بمومنین۔ یہ دو وجوہات ربط کی ہو گئیں۔ اگرچہ مفسرین نے اور بھی بہت وجوہات بیان کی ہیں، لیکن یہ دو کافی ہیں۔

سورۃ بقرہ کی ابتدا المٓ سے کی گئی ہے۔ یہاں ابتدا میں حروف مقطعات کی تشریح مناسب ہے، جن سورتوں کے اوائل میں حروف

مقطعات ہیں ان کی تعداد 29 ہے۔ حروف مقطعات میں مکر رات کو حذف کرنے کے بعد کل چودہ حروف ہیں جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔
(1) الف (2) لام (3) میم (4)ص (5) را (6) کاف (7) ھا (8) یا (9) عین (10) طا (11) سین (12) حاء (13) قاف (14) ن۔
جن کا مجموعہ صراط علی حق نمس کہ۔
بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حروف مقطعات کے نزول کا کیا فائدہ؟ جب ان کے معنی و مفہوم متعین نہیں ہیں اور آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھدی للمتقین تو جب مفہوم ہی معلوم نہیں تو پھر ہدایت کیسے ہو گی؟
الجواب: ان حروف کے مفاہیم متعین کرنے کے لیے مفسرین حضرات نے بہت سی باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔
(1) سب سے سہل اور مشکلات سے پاک راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے قصور علم و فہم کا اعتراف کر کے ان حروف کی تاویل و مفہوم کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ۔ یعنی ان متشابہات کی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
(2) حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں۔ ان کی مراد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ ارشاد ہے:
ہُوَ الَّذِی أَنزَلَ عَلَیکَ الکِتَابَ مِنہُ آیَاتٌ مُحکَمَاتٌ ہُنَّ أُمُّ الکِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِہَاتٌ فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِہِم زَیغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَہَ مِنہُ ابتِغَاءَ الفِتنَۃِ وَابتِغَاءَ تَأوِیلِہِ وَمَا یَعلَمُ تَأوِیلَہُ إِلا اللَّہُ وَالرَّاسِخُونَ فِی العِلمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِہِ کُلٌّ مِن عِندِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ إِلا أُولُو الألبَابِ (آل عمران: 7)
وہی ہے جس نے نازل کی آپ پر یہ کتاب جس کی بعض آیتیں محکم ہیں وہی ہیں اصل کتاب اور دوسری متشابہ۔ سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو پیروی کرتے ہیں ان کی جو متشابہ ہیں، اس میں سے فتنہ انگیزی کی غرض سے اور اس کی تاویل معلوم کرنے کے لیے۔ اور نہیں جانتا ان کی تاویل کوئی بھی سوائے اللہ کے اور جو پکے ہیں علم میں وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر کہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقل مند لوگ۔
جو لوگ راسخین فی العلم ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان سے جو اللہ کی مراد ہے اس پر ہمارا ایمان ہے لیکن ان کی تشریح و تاویل وہ نہیں جانتے۔ چونکہ حروف مقطعات متشابہات ہیں دیگر متشابہات کے متعلق جو حکم ہے وہی ان کے بارے میں ہے۔
(3) یہ امتحان ہے علماء کے لیے کیونکہ محققین علماء کی عادت ہوتی ہے کہ یہ ہر بات کی تحقیق کرتے ہیں۔ اگر کوئی بات سمجھ نہیں آتی تو راتوں کو جاگ کر لازما اس کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ گویا یہاں اللہ تعالیٰ نے کہا رک جاؤ، لہذا آمنا بہ کہہ کر رک جانا چاہیے۔
(4) وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر وقف کریں والرسخون فی العلم مبتدا ہے اور یقولون امنا بہ اس کی خبر ہے۔ اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی اصل طریقہ ہے۔ انسان بڑی سردردی سے بچ جاتا ہے۔ چنانچہ مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں واللہ اعلم بمراده بذالک یعنی اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ متشابہ سے اس کی مراد کیا ہے۔
(5) بہت سے علماء نے تاویلیں کی ہیں۔ وہ مذکورہ بالا آیت میں والرسخون فی العلم کا عطف الا اللہ پر کر کے والرسخون فی العلم پر وقف کرتے ہیں، الا اللہ پر وقف نہیں کرتے اور یقولون امنا بہ کو خبر بنا دیتے ہیں مبتدائے محذوف کے لیے جو کہ ہم ہے گویا متشابہات کی تاویل کو اللہ تعالیٰ بھی جانتے ہیں اور راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں، لہذا وہ کوئی نہ کوئی تاویل کر لیتے ہیں۔
(6) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ اسرار یعنی راز ہیں اللہ اور اس کے رسولﷺ کے درمیان۔
سر الحبیب مع الحبیب یستوجب ان لا یطلع علیہ الرقیب۔
یعنی ایک محبوب کا دوسرے محبوب کے ساتھ جو راز ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس پر کوئی رقیب اور غماز مطلع نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق سے منقول ہے کہ لکل کتاب سر و سر القرآن اوائل السور یعنی ہر کتاب کے لیے کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے اور قرآن کریم کا راز سورتوں کے اوائل یعنی حروف مقطعات ہیں۔ لوگوں میں ان کے مفہوم کی اشاعت مقصود ہی نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب یہ سر ہے جو حضورﷺ کو بتایا گیا تھا اور آپ کو ان کی اطلاع تھی، سر یا راز دو اشخاص کے مابین ہوتا ہے تو ایک اللہ کی ذات ہے اور ایک اللہ کے رسول کی اور فائدہ یہ ہے کہ یہ کلمات مہملہ نہیں ہیں، بلکہ ذو معنی ہیں۔ حضرت علی سے منقول ہے کہ لکل کتاب صفوۃ وصفوۃ الکتاب حروف الھجی، یعنی ہر کتاب کا ایک خالص اور عمدہ حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا عمدہ حصہ حروف تہجی ہیں۔
(7) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں اور یہ اکثر متکلمین کا مذہب ہے اور اسی کو خلیل و سیبویہ نے اختیار فرمایا ہے جو نحو کے بڑے امام ہیں۔
(8) ایک تاویل یہ بھی ہے کہ یہ حروف اسماء اللہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نام ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ بالترکیب یا بدون الترکیب ہیں، مرکب نام جیسے الرحمن الرحیم ہیں۔ ممکن ہے کہ اس طرح ترکیب کے ساتھ لیتے ہوں، لیکن میرے خیال میں بعض حروف مقطعات اکیلے اکیلے بھی مراد ہوں گے کیونکہ وہاں ترکیب ممکن نہیں ہے جیسے ق،ن وغیرہ۔
(9) ایک تاویل یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات اسماء اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں پر دلالت کرنے والے ہیں۔ الف سے اشارہ اول

کی طرف، لام سے اشارہ لطیف کی طرف اور میم سے اشارہ مجید، ملک، منان وغیرہ کی طرف۔ گویا بدون الترکیب بھی یہ حروف اشارات ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کی طرف۔
(10) حضرت قتادہ جو مشہور تابعی ہیں اور کلبی سے منقول ہے کہ یہ حروف مقطعات اسماء القرآن ہیں۔ جیسے انزل ھذا الکتاب بواسطۃ جبریل علی محمدﷺ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب (قرآن کریم) بواسطہ جبریل حضرت محمدﷺ پر نازل فرمائی۔
(11) بعض مفسرین کے ہاں الف سے مراد انا ہے، ل سے مراد لی ہے، م سے مراد منی ہے یعنی انا ذات واحد میں اکیلا ہوں ساری کائنات لی ساری کائنات میرے لیے ہے اور ساری کائنات مخلوق ہے منی یعنی ساری کائنات کو میں نے ہی پیدا کیا ہے اور میری ملکیت ہے۔
(12) عبدالعزیز ابن یحی اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات سے بچوں کے لیے طریقہ تعلیم واضح کر دیا گیا:
ای یبداء اولا بحروف التھجی ثم بالمرکبات
یعنی پہلے بچوں کو حروف تہجی پڑھاؤ اور پھر مرکبات پڑھاؤ۔ بچے ایک خاص عمر تک مکلف نہیں ہوتے۔ حضورﷺ کا ارشاد ہے۔
رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یبلغ وعن المجنون حتی یفیق وعن النائم حتی یستیقظ
قلم اٹھایا گیا ہے تین آدمیوں سے (1) بچے سے تاوقتیکہ بالغ نہ ہو (2) پاگل سے یہاں تک کہ صحیح ہو جائے (3) اور سوئے ہوئے شخص سے جب تک کہ جاگ نہ جائے۔ (ابن کثیر)
(13) قرطب نحوی نے یہ تاویل کی ہے کہ مشرکین عرب قرآن سننے سے انکار کرتے تھے کیونکہ اس میں ان کے عقائد باطلہ کا رد ہے اور ان کے معبودین باطلہ کا رد ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:
و قال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون۔
اور کہا انہوں نے جو کافر تھے کہ نہ سنو تم اس قرآن کو، غل مچاؤ اس میں شاید تم غالب رہو۔ (حم السجدہ: 26)
مشرکین کی اس عادت کی وجہ سے تقاضا یہ ہوا کہ ایسے الفاظ لائے جائیں کہ ان سے لوگ مانوس ہوں اور ان کے عقائد وغیرہ پر رد نہ ہو۔ جیسے الف لام میم تو اتنے میں متوجہ ہو گئے اور متوجہ ہونے کے بعد بتلا دیا کہ ذلک الکتاب لا ریب فیہ، یعنی یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ حروف مقطعات سے تھوڑے سے مانوس ہو کر متوجہ ہو گئے تو حکمت کے ساتھ پھر اگلی بات سنا دی جو مقصود بالذات ہے۔
(14) مبرد سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے ذریعہ یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم بھی ان الفاظ و حروف سے مرکب ہے جنہیں تم اپنے روز مرہ کلام میں استعمال کرتے ہو جیسے الف با تا ثا الخ۔ گویا قرآن کا مبنی یہی حروف ھجا ہیں اور ان ھجا سے کلام الٰہی مرکب ہے۔ تمہارے روز مرہ استعمال ہونے والے کلام کا مبنی بھی یہی حروف ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ لوگ قرآن کریم کی چھوٹی سی سورت کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ فصحاء عرب و بلیغ شعراء اکٹھے ہوتے۔ اشعار اور ادیبانہ کلام بناتے، پھر خود فیصلہ کرتے کہ ہمارا کلام قرآن جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے، لان الکذب عیب فی جمیع الامم یعنی جھوٹ ہر امت و ملت میں عیب سمجھا جاتا رہا ہے۔ ان کے ہاں ایک مقولہ مشہور تھا القتل اتقی للقتل یعنی ناحق قتل کا دروازہ قصاص کے قتل کے ذریعہ ہی بند کیا جا سکتا ہے، لیکن جب قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی:
ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب لعلکم تتقون۔
ترجمہ: اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو تاکہ تم بچو (البقرہ: 179)
تو انہی فصحاء نے اس کا انکار کر دیا کیونکہ یہ منزل من اللہ تھی۔
(15) حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات اشارات الی الآ جال ہیں یعنی ایک امت کے لیے ایک وقت و مدت مقرر ہوتی ہے۔ اس مدت کے اختتام کے ساتھ وہ امت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ ابو یاسر اخطب یہودی یہود کی ایک جماعت سمیت، حضورﷺ کے پاس سے گزرا تو حضورﷺ الٓمّٓ. ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ الخ، کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے آ کر اپنے بھائی حیی ابن اخطب کو یہ واقعہ سنا دیا۔ اس نے کہا واقعی یہ بات درست ہے؟ وہ کہنے لگا بالکل درست ہے۔ حیی ابن اخطب بھی یہود کی ایک جماعت کے ساتھ آپﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ کیا آپ الم وغیرہ پڑھتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں، وہ یہودی کہنے لگا کہ آپ سے قبل بھی اللہ تعالیٰ انبیاء کو مبعوث فرماتے رہے، لیکن کسی کی مدت اقامت معلوم نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی امت کی مدت کا تو پتا چل ہی گیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ الف سے مراد ایک سال ہے، ل سے مراد 30 سال ہیں اور م سے مراد 40 سال ہیں۔ گویا اس امت کی مدت اقامت 71 سال ہے۔ تو کیا آپ لوگ ایسے دین میں داخل ہونے کے لیے تیار ہیں جس کی مدت اقامت صرف 71 سال ہو؟ پھر حضورﷺ سے پوچھا کہ کیا اس کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہنے لگا وہ کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا

المص ہے تو حیی ابن اخطب کہنے لگا یہ تو پہلے سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ الف سے مراد ایک سال، ل سے مراد 30 سال اور م سے مراد 40 سال اور ص سے 90 سال مراد ہیں۔ یہ کل 131 سال ہو گئے۔ پھر حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا اور بھی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں الر وہ یہودی کہنے لگا یہ تو پہلے سے بھی مشکل ہے، کیونکہ الف سے ایک سال، ل سے 30 سال اور ر سے 200 سال مراد ہیں۔ یہ کل 231 سال ہو گئے۔ پھر حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا اس کے ساتھ کچھ اور ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا ہاں، پوچھا کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا المر تو حیی ابن اخطب کہنے لگا کہ یہ تو پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ الف سے مراد ایک سال، ل سے 30 سال، م سے 40 سال اور ر سے 200 سال، یہ کل 271 سال ہو گئے۔ پھر ساتھیوں سے کہنے لگا، یہاں سے چلو، ہمارے اوپر معاملہ خلط ملط ہو گیا ہے۔ پتا نہیں چلتا کہ زیادہ مدت ہے یا تھوڑی ہے۔ (ابن کثیر)

جماعتوں کے لیے بھی ایک خاص مدت ہوتی ہے:

جماعتوں کے بھی اوقات ہوتے ہیں، جیسے مسلم لیگ تھی اور اب اسے کوئی پوچھتا بھی نہیں، سیاسی جماعتوں کی بھی عمریں ہوتی ہیں، میں نے ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا کہ تجدیدی تحریکوں کی ایک مدت ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے :

ان اللہ یبعث علی راس ماۃ سنۃ لھذاہ الامۃ من یجد دھا

یعنی اس امت محمدیہ کی احیا کے لیے اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد مبعوث فرمائیں گے جو تجدید دین کرے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجدد کی مدت سو سال کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ دیوبند کی تحریک بھی تجدید کی تحریک تھی، اس کے بھی سو سال پورے ہو گئے ہیں، اب تم لوگ بہت ہو لیکن کچھ نہیں کر سکتے ہو، ایسے لوگ جن کو لوگ لوگوں میں شمار کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے آپ لوگوں پر حملہ آور ہوئے اور آپ سب متشتت ہو گئے۔ دیوبند کے قلعہ میں شگاف پڑ گیا۔ بہرحال یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ تمہارے وجود کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

علماء دیوبند کی خصوصیات:

علماء دیوبند کی دو خصوصیتیں ہیں اور ان امتیازی خصوصیات کی وجہ سے ان کا مقام و درجہ قائم تھا۔ (1) اتباع سنت اور بدعات سے اجتناب، سنتوں کو زندہ کرنا اور دین کی ایسی معتدل تعریف کرنا کہ تمام باطل باتیں نکل جائیں۔ (2) دوم استقامت، جفا کشی، ریاضت اور ہر باطل قوت سے ٹکر لینا۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا، لیکن وہ حضرات اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتے تھے۔ آپ تاریخ پڑھیں حضرت شیخ الہند کا ایک ایک شاگرد اپنی جگہ پر پہاڑ تھا، ایک امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد تھے، جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور یحی ابن معین پھر دیکھو ابن ھمام مصنف فتح القدیر تو حضرت شیخ الہند کو ایک ملکہ ملا تھا۔ وہ بے مثال استقامت کے مالک تھے، ہر باطل سے ٹکرانے والے تھے، نہ بکنے والے، نہ جھکنے والے، لیکن اب دیوبندیوں میں بھی وہ بات نہیں رہی۔ تم لوگ بدعات کے مرتکب ہوتے ہو۔ مثلاً محرم میں سبلیں لگانا، شہادت سیدنا حضرت حسین کو غیر فطری طریقوں سے بیان کرنا، ربیع الاول میں میلاد اور رجب میں معراج منانا۔ مفتی رشید احمد گنگوہی، کہ علماء دیوبند کے لسّان تھے، نے فرمایا کہ محرم میں شہادت حسین کا بیان کرنا اگرچہ صحیح روایات سے ہو، بوجہ روافض کی مشابہت کے حرام ہے۔ دیکھیے فتاویٰ رشیدیہ۔ اگر شہادت ہی بیان کرنی ہے تو کسی اور مہینہ میں بیان کرو، اب بتلاؤ کہ ان باتوں سے کون خالی ہے؟ یہ سب روافض کے پروپیگنڈوں کے اثرات ہیں، جو ان لوگوں پر چھا گئے ہیں۔ میلاد کی مجلس منعقد کرنا اور جھوٹی روایات سے حضور ﷺ کی ولادت کا ذکر کرنا، ان باتوں کی وجہ سے ہمارے اکابرین نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسے حضرت گنگوہی وغیرہ نے۔ میلاد کا ذکر ہر مجلس میں اچھا ہے، لیکن معتاد (مروج) طریقوں سے منع ہے۔ اسی طرح معراج کے واقعات کو غلط طریقے سے بیان کرتے ہیں جیسے بارات جا رہی ہے، اللہ منتظر ہیں، افسوس یہ ہے کہ اب اس طرح کی باتیں علمائے دیوبند بھی کرتے ہیں تو بدعتی علماء میں اور ان میں کیا فرق ہوا؟ رہی نہ بکنے والی اور نہ جھکنے والی صفت تو اس اعتبار سے تمہارا خانہ خراب ہو چکا ہے۔

فضلائے دیوبند کی دستار بندی کے متعلق حضرت مفتی صاحب کی رائے:

اس سال حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند تشریف لائے تھے، انہوں نے فرمایا کہ اس سال فضلائے دار العلوم دیوبند کی دستار بندی کرنی ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں دو تجویزیں پیش کی تھیں۔

(1) ایک تو یہ کہ تین جلسوں کا انعقاد تین ممالک میں کرایا جائے۔ ایک پاکستان میں، ایک بنگلہ دیش میں اور ایک انڈیا میں۔ کیونکہ پاکستان اور بنگلہ دیش سے ہزاروں کی تعداد میں علماء کا انڈیا جانا مشکل ہے، نہ تو اتنے علماء کو پاکستان جانے دے گا اور نہ انڈیا آنے دے گا۔ تمام دیوبندی علماء کو اکٹھا کرنا تقریباً نا ممکن ہے۔ تینوں ملکوں میں جہاں جلسہ ہو گا، دیوبند کے اکابر ادھر جائیں گے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ علمائے دیوبند ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں گے اور سواد اعظم کو جو لوگ اقلیت کہتے ہیں، انہیں بھی پتا چل جائے گا، عوام کا اعتبار نہیں، بات علماء کی ہے، اس مظاہرہ سے شاید لوگوں کو کوئی عبرت بھی ہو۔

(2) دوسری تجویز یہ تھی کہ دیوبند کسی خاص ادارے یا مدرسے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکتبہ فکر کا نام ہے۔ آپ لوگوں نے (حاضرین درس فضلاء) دیوبند دیکھا بھی نہیں، لیکن اگر آپ لوگوں کی دستار بندی نہ کی جائے تو آپ لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو گی۔ میری دوسری تجویز کا حاصل یہ تھا کہ کسی بھی معتمد مدرسہ سے فارغ ہونے والے تمام علمائے دیوبند اور فضلاء کی دستار بندی ہونی چاہیے کیونکہ وہ بالواسطہ دار العلوم دیوبند کے ہی فاضل ہیں پھر لوگوں کو سواد اعظم کا پتا چلے گا۔ میری یہ تجویزیں حضرت نے نوٹ بھی فرمائی تھیں، لیکن معلوم نہیں کہ پھر کیا ہوا۔ مقصد کہنے کا یہ تھا کہ دار العلوم دیوبند کے سو سال پورے ہو گئے تو اب پھر تجدید ہونی چاہیے۔

ہمارے مجدد الف ثانی:

ہمارے مجدد الف ثانی تھے۔ ہم ابھی الف ثانی کی ابتدا میں ہیں کیونکہ الف ثانی کے چار سو سال ابھی پورے نہیں ہوئے ہیں۔ ہم حضرت مجدد الف ثانی کے متبعین میں سے ہیں اور دیوبندی تو ہم لوگ ہیں ہی، یہ تحریک چلتی رہے گی، بشرطیکہ تم لوگ وہ امتیازی خصوصیات اپنا لو، ورنہ کچھ نہ ہو گا۔

(16) بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کے ذریعہ قسم کھائی ہے اور حرف قسم مقدر کہا ہے، یعنی حروف مقطعات بہت شرف اور قدر والے حروف ہیں کیونکہ تمام زبانوں کا مبنی یہی حروف ہیں:

ولہا شرف و قدر فاقسم اللہ سبحانہ و تعالیٰ بہا۔

تو اللہ تعالیٰ الم کی قسم کھائی کہ ذٰلِکَ الکِتٰبُ لَا رَیبَ فِیہِ۔

(17) حروف مقطعات سے حضور ﷺ کا معجزہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل امی تھے لم یتعلم حرفا، الامی قد یتکلم باللغۃ الفصحی۔ امی بھی کبھی کبھی انتہائی فصیح گفتگو کرتا ہے۔ آپ ﷺ امی تھے۔ حروف ہجا کا بھی علم نہ تھا، لیکن خوب فصیح گفتگو فرماتے تھے۔ قریش مکہ کو علم تھا کہ آپ امی ہیں، لیکن جب حروف ہجا گنوائے گئے تو خوب گنواتے تھے۔

معلوم ہوا کہ یہ حروف منزل من اللہ ہیں اور سارا قرآن بھی منزل من اللہ ہے کیونکہ امی ہونے کے باوجود آپ ﷺ حروف ہجا پڑھتے تھے۔

سورۃ بقرہ کا خلاصہ

(1) اس سورۃ میں مناظرہ بالیہود (2) تہذیب الاخلاق (3) تدبیر منزل (4) سیاست مدنیہ، چار موضوعات ہیں۔

اصل میں حکمت عملیہ کی تین قسمیں ہیں۔ (1) تہذیب الاخلاق (2) انفرادی زندگی کے لیے تدبیر منزل (3) اور سیاست مدنیہ۔

سورۃ بقرہ میں اجمالا یہ تینوں قسمیں آ گئی ہیں۔ شروع میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہدایت یافتہ لوگ کون ہیں اور ان کے مقابلہ میں باطل پرست لوگ کون ہیں؟ پھر حکمت عملیہ کی تینوں قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلے رکوع کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جو مغضوب علیھم و ضالین ہیں کو دعوت الی الکتاب دی گئی ہے۔ متقین اور ہدایت یافتہ لوگوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں، ان کے مد مقابل منکرین و کفار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

فضائل سورۃ البقرہ

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:

عن عبداللہ بن مسعود قال من حلف علی سورۃ البقرۃ فعلیہ بکل ایۃ منھا یمین۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے منقول ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی قسم کھائے تو اس پر ہر آیت کے عوض الگ الگ قسم ہے۔

سورۃ بقرہ کی 286 آیتیں ہیں تو گویا سورۃ بقرہ کے ذریعہ قسم کھانے والے نے دو صد چھیاسی قسمیں کھائیں۔ میرے خیال میں حانث (قسم توڑنے والا) ہونے کی صورت میں کفارے 286 نہ دینا ہوں گے، بلکہ ایک ہی کفارہ کافی ہو گا اور حضرت ابن مسعود کے قول کا تعلق گناہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اس ایک قسم کو توڑنا ایسا ہے جیسا کہ 286 قسمیں کسی نے توڑ دی ہوں۔

ھذا یتعلق بالاثم و اما الکفارات ففیھا تداخل۔

یعنی ہر آیت کو ایک مستقل قسم شمار کیا گیا ہے۔ یہ بات گناہ سے متعلق ہے۔ باقی رہا کفاروں کا مسئلہ تو ان میں تداخل ہے یعنی ایک ہی کفارہ کافی ہے۔ قانوناً ایک ہی قسم ٹوٹی ہے اور ایک قسم کا ایک ہی کفارہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص تین بار کہے واللہ لا ادخل ھذہ الدار، اللہ کی قسم میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا اور پھر اس گھر میں داخل ہو کر حانث ہو جائے تو باوجود مکرر قسم کھانے کے ایک ہی کفارہ دینا پڑے گا۔ یہ تداخل فی الکفارات کا حکم اس وقت ہے جبکہ تکرار فی القسم والحلف قبل الحنث (قسم توڑنا) پایا جائے۔ اگر ایک بار قسم کھانے کے بعد قسم توڑ کر حانث ہوا خواہ کفارہ دیا ہو یا نہ دیا اور پھر وہی قسم دوبارہ اٹھائی تو اب حانث ہونے کی صورت میں دوسرا کفارہ بھی لازم ہو گا، اور تداخل فی الفکارات نہ ہو گا۔ اس

روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی فمن شاء صبر ومن شاء فجر یعنی جو چاہے صبر کرے اپنی قسم پوری کرے اور جو چاہے گناہ کا مرتکب ہو یعنی قسم توڑ دے، ان الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی روایت میں صرف سورۃ بقرہ کی قسم کو تعدد قسم پر جو محمول کیا گیا تو یہ گناہ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ کفارات کے اعتبار سے۔
(2) آپ کا ارشاد ہے کہ سورۃ بقرہ گھروں میں پڑھا کرو، گھروں میں شیطان نہ آئے گا۔
(3) اور فرمایا لا یستطیعھا البطلۃ یا تو مراد یہ ہے کہ ساحر و کاہن اس سورۃ بقرہ کو پڑھ نہیں سکتے، یاد نہیں کر سکتے یا مراد یہ ہے کہ ساحر اور کاہن اس سورۃ کے مقابلہ میں نہیں آ سکتے یعنی سورۃ بقرہ پڑھنے کے بعد ساحر کا سحر بے اثر ہو جاتا ہے۔
(4) صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسید ابن حضیرؓ اپنے گھر میں سورۃ بقرہ پڑھ رہے تھے تو پاس باندھا ہوا گھوڑا بدکنے لگا، حضرت اسید کو فکر ہوا کہ کیا کیا جائے، جب گھوڑے کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ خاموش کھڑا رہا پھر جب پڑھنا شروع کیا تو پھر بدکنے لگا، کئی بار ایسا ہوا تو حضرت اسید کا بیٹا یحییٰ پاس سویا ہوا تھا، حضرت اسید کو خطرہ ہوا کہ گھوڑا کہیں اسے روند نہ ڈالے۔ جب گھر سے باہر نکلے تو ایک چراغاں کی کیفیت تھی اور روشنی والی چھت کا سائبان تھا جس کی وجہ سے گھوڑا بدک رہا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت اسید سے فرمایا کہ یہ فرشتے تھے جو سورۃ بقرہ کی تلاوت کی وجہ سے نازل ہو رہے تھے، اگر تو صبح تک پڑھتا تو عجائبات کا مشاہدہ کرتا اور ان فرشتوں کو لوگ بھی دیکھ لیتے۔
(5) حضرت فاروق اعظم نے سورۃ بقرہ 12 سال میں سیکھی تھی۔ یہ حضرات طوطے کی طرح صرف رٹتے نہ تھے، بلکہ جمیع احکام کے ساتھ سیکھتے تھے۔ حضرت ابن عمر نے 8 سال میں سیکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام قرآن کے احکام سیکھنے کے لیے کتنا وقت صرف کرتے تھے۔

۲۔ ذٰلِکَ الکِتٰبُ لَا رَیبَ فِیہِ ہدًی لِّلمُتَّقِینَ:
۲. یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے۔

ذٰلِکَ الکِتٰبُ لَا رَیبَ فِیہِ
ذٰلِکَ اسم اشارہ بعید کے لیے ہے۔ قرآن کریم اگرچہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، لیکن اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہاں علو مرتبت کی وجہ سے اسم اشارہ بعید کا استعمال کیا گیا یعنی اس کتاب کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کتاب احکام شرعیہ کا ماخذ ہے۔ بنیادی طور پر احکام شرعیہ کے ماخذ چار چیزیں ہیں۔
(1) کتاب اللہ (2) سنت رسول اللہ (3) الاجماع (4) قیاس۔
بعض احکام کتاب اللہ سے ثابت ہوتے ہیں جیسے صلوۃ، زکوٰۃ، صوم، حرمت خنزیر، بعض احکام سنت سے ثابت ہوتے ہیں جیسے نماز جنازہ، اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، آپ کے قول و فعل سے معلوم ہوا ہے، بعض احکام اجماع و قیاس سے معلوم ہوتے ہیں جیسے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور یہ حکم قرآن سے ثابت ہے، لیکن ملک یمین میں اگر دو بہنیں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو ان کا جمع رکھنا ملک یمین میں بھی حرام ہے۔ جب تک ایک کو الگ نہ کرے تو دوسری سے نکاح یا مجامعت جائز نہیں تو یہ ملک یمین کی حرمت کو قیاس کیا مجتہدین امت نے حرمت نکاح پر اور اس پر اجماع بھی ہو گیا۔ ملک یمین کے مقاصد بہت ہوتے ہیں اور ملک نکاح کا مقصد مجامعت ہی ہے جو کہ سبب ہے نسل انسانی کی بقا کا تو دونوں میں فرق معلوم ہو گیا۔ ملک یمین ہو اور مجامعت نہ ہو، یہ صورت ممکن ہے، لیکن نکاح میں مجامعت ضروری ہے۔

ھُدًی لِّلمُتَّقِینَ:
ہدایت ہے متقین کے لیے، متقین سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا کہ صرف متقین کے لیے ہدایت ہے اور غیر متقین کے لیے ہدایت نہیں ہے، حالانکہ متقین کو ہدایت مل چکی ہے؟ اصل میں اتقا استغنا کے مقابل ہے۔ ایک شخص صحراؤں میں اور پہاڑوں میں چلتا ہے، اسے خطرہ ہے، ڈر ہے کہ ان تنگ و تاریک راستوں میں کہیں بھٹک نہ جاؤں، تو نشانات وغیرہ کو دیکھ کر چلتا ہے اور وہ نکل جاتا ہے۔ ایک آدمی شتر بے مہار بن کر چلتا جا رہا ہے۔ کسی سے پوچھنے یا علامات وغیرہ دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ اسے کون راستہ بتلائے؟ وہ آپ کی آواز بھی نہ سنے گا تو اس کی ہدایت کے لیے سو قرآن کریم بھی ناکافی ہیں۔ کیونکہ وہ مستغنی ہے، اس کی مزید وضاحت سورۃ لیل میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
فَأَمَّا مَن أَعطَی وَاتَّقَی (۵) وَصَدَّقَ بِالحُسنَی (۶) فَسَنُیَسِّرُہُ لِلیُسرَی (۷) وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاستَغنَی (۸) وَکَذَّبَ بِالحُسنَی (۹) فَسَنُیَسِّرُہُ لِلعُسرَی (۱۰) (سورۃ لیل: پارہ عم)
ترجمہ: تو جس نے دیا اور پرہیزگار رہا اور تصدیق کی نیک بات کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے چلنا آسان راستہ پر،

لیکن جس نے بخل کیا اور بے پروا رہا اور جھٹلایا نیک بات کو، سو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے چلنا تنگی کے راستہ پر۔
یہاں چار چیزیں چار چیزوں کے مقابل ہیں۔
(1) اعطاء و انفاق بخل کے مقابلے میں (2) اتقاء اور استغناء مد مقابل ہیں (3) تصدیق بالحسنی اور تکذیب بالحسنی (4) تیسیر یسر اور تیسیر عسر مقابل ہیں۔
یہاں چونکہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو استغنا کے مقابل ذکر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ میں متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو ہدایت سے مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ محتاج بن کر جگہ جگہ ہدایت کے متلاشی اور طالب ہوتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ عبس میں بھی ارشاد ہے:
أَمَّا مَنِ استَغنَى (٥) فَأَنتَ لَہُ تَصَدَّى (٦)
(تو جو بے پروائی کرتا ہے سو آپ اسی کے لیے توجہ کرتے ہیں۔)
یہاں بھی استغنا کا ذکر فرمایا جس سے مراد بے پروائی ہے۔ اس سے پچھلی آیات میں ارشاد ہے: لعلہ یزکی۔ یعنی ہدایت متقی اور طالب کو ہوتی ہے مستغنی کو نہیں ہوتی تو هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو بے پروا اور مستغنی نہ ہوں۔
(2) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے متقین کے درجات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:
(1) عوام کا تقویٰ کفر سے بچ کر اسلام کو اختیار کرنا (2) خواص کا تقویٰ اوامر کو پورا کرنا اور نواہی سے بچنا (3) اور اخص الخاص کا تقویٰ یہ ہے کہ مشتبہات سے بچیں۔ چنانچہ:
وَأَلزَمَہُم كَلِمَةَ التَّقوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِہَا وَأَہلَہَا۔
اور لازم کر دی ان پر بات پرہیزگاری کی اور تھے وہ زیادہ حق دار اس کے اور اس کے سزاوار (الفتح: 26)
یہاں تقویٰ کی پہلی قسم مراد ہے۔
(2) وَلَو أَنَّہُم آمَنُوا وَاتَّقَوا لَمَثُوبَةٌ مِن عِندِ اللَّہِ خَيرٌ۔
اور اگر وہ ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو البتہ ثواب اللہ کے ہاں کا بہت بہتر تھا۔ (البقرہ: 103)
یہاں تقویٰ کی دوسری قسم مراد ہے۔
(4) يَا أَيُّہَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّہَ حَقَّ تُقَاتِہِ وَلا تَمُوتُنَّ إِلا وَأَنتُم مُسلِمُونَ۔ (آل عمران: 102)
اے ایمان والو ڈرو اللہ سے جیسا حق ہے اللہ سے ڈرنے کا اور ہرگز نہ مرنا، مگر اس حال میں کہ تم سچے مسلمان ہو۔
اس آیت میں تقویٰ کی تیسری قسم مراد ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:
الحلال بین والحرام بین و بینھما امور مشتبھۃ فمن ترک ما شبہ علیہ من الاثم کان لما استبان لہ اترک ومن اجتراء علی ما یشک فیہ من الاچم او شک ان یواقع ما استبان و المعاصی حمی اللہ من یرتع حول الحمی یوشک ان یواقعہ۔ (بخاریج 1- 275)
حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں (یعنی ان کے ارتکاب سے گناہگار بننے میں شبہ ہے) پس جو شخص اس کام سے بچے گا جس کے ارتکاب سے گناہگار ہونے کا شبہ ہے تو جو کام یقیناً اور واضح گناہ ہیں ان سے وہ بطریق اولی بچے گا اور جو شخص ان کاموں پر جری ہو گا جن کے کرنے میں گناہ کا اندیشہ ہے تو ممکن ہے جو واضح طور پر گناہ کے کام ہیں ان کا بھی ارتکاب کر بیٹھے اور گناہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہیں ہیں اور جو چراگاہ کے ارد گرد جانور چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ جانور چراگاہ کے اندر چلا جائے (یعنی گناہ کے قریب پھٹکنے سے انسان گناہ میں مبتلا ہو سکتا ہے) اس حدیث میں بھی تقویٰ کی تیسری قسم مراد ہے۔

3: الَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالغَيبِ وَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ مِمَّا رَزَقنَاہم يُنفِقُونَ
۳.جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ا ور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں۔

الَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالغَيبِ: جو ایمان لاتے ہیں غیب پر۔
بعض ایسے امور ہوتے ہیں جو حواس سے ظاہر نہیں ہوتے جیسے ملائکہ اور قیامت کا دن اور صفات باری تعالی۔ ایسے امور غیبیہ پر ایمان لانے کا ذکر ہے یعنی دل سے ان کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے، بن دیکھے صرف وحی پر اعتماد کرتے ہوئے ان امور پر ایمان لایا جائے تو ایسے ایمان والا مسلمان ہے۔
حضرت عمر فاروق سے روایت ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا کہ بہتر ایمان والا شخص کون ہے؟ تو حضرت عمر نے کہا کہ فرشتے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں کے ایمان سے کوئی مانع اور رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہے، وہ غیب کی باتیں دیکھتے ہیں تو ان کے ایمان میں کیا رکاوٹ ہے؟ حضرت عمر نے عرض کیا کہ بہتر ایمان والے انبیاء (علیہم السلام) ہیں تو حضور نے فرمایا کہ نبی تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہوتے ہیں۔ اللہ

تعالیٰ نے تمام انسانوں سے ان کو ممتاز فرمایا ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے عرض کی کہ بہتر ایمان والے صحابہ کرام ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان فرمایا ہے تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ صحابہ کا ایمان کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ انہوں نے طرح طرح کے معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ حضرت فاروق اعظم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول پھر آپ ہی فرمائیے کہ بہتر ایمان والے کون ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ہیں، بلکہ الذین ہم فی اصلاب آبائھم وہ اپنے آباء و اجداد کے اصلاب میں موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایمان بالغیب ہی اصل ایمان ہے نہ کہ ایمان بالشاہدات، کیونکہ ایمان بالمشاہدات تو ہوتا ہی ہے۔ یاد رکھیے کہ صحابہ کرام کی فضیلت علی الاطلاق ہے، ایک مولوی صاحب جلالین پڑھا رہے تھے تو آیت ورضوان من اللہ اکبر کا ترجمہ یہ کیا کہ رضوان جنت کا داروغہ ہے اور رضوان اللہ کا بڑا کیا ہوا ہے پھر لوگوں سے کہا کہ یہ جزوی فضیلت ہے لہٰذا سوال نہ کرنا۔ اس طرح کی باتیں جہلا کرتے ہیں۔ ترجمہ ہی غلط کیا تو تشریح کیا خاک کریں گے۔

وَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ۔ اور قائم رکھتے ہیں نماز کو۔

صلوۃ اور اقامت صلوۃ میں فرق:
ایک صلوۃ ہے اور ایک اقامت صلوۃ۔ صلوۃ کا معنی نماز پڑھنا اور اقامت صلوۃ کا معنی نماز کو قائم رکھنا۔
(1) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اتمام الصلوۃ اتمام الرکوع والسجود والقعود والخشوع والاقبال علیھا۔ یعنی اقامت صلوۃ و تکمیل صلوۃ رکوع سجدہ قعدہ ٹھیک ٹھیک کرنے، خشوع اور دھیان سے ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ صفوں کی درستگی اقامت صلوۃ میں سے ہے۔
(2) حضرت ابو قتادہ نے یہ تفسیر فرمائی ہے کہ اقامۃ الصلوۃ المحافظۃ علیھا وعلی مواقیتھا و وضوئھا و رکوعھا وسجودھا۔ اقامت صلوۃ سے مراد نماز کی حفاظت اور نماز کے وقتوں، وضو، رکوع، سجود ان سب کی حفاظت ہے۔
اسی لیے قرآن مجید میں ہر جگہ اقامت صلوۃ کا حکم وارد ہوا ہے، صلوۃ کا نہیں ہے۔ صرف ایک جگہ صلوۃ کا ذکر، صلوۃ خوف کے بیان کے ضمن میں ہے۔ فلیصلوا معک اور ظاہر ہے کہ خوف کے دوران تو نماز پڑھنا مطلوب ہے، اگر جنگ میں لمبے لمبے ارکان ہوں تو حال خراب ہو جائے گا۔ اس لیے یہاں اقامت صلوۃ نہیں۔

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُم يُنفِقُونَ: اور اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا خرچ کرتے ہیں۔

انفاق کی اشکال سبعہ
یہ انفاق بظاہر سات قسموں پر (مشتمل علی سبعۃ اصناف) مشتمل ہے۔ (1) فرض زکوٰۃ کو ادا کرنا (اداء الزکوٰۃ الفروضۃ) (2) صدقہ فطر (3) الصدقۃ النافلۃ علی الیتامی، و المساکین والضیوف یعنی وہ نفلی صدقات جو یتیموں مسکینوں اور مہمانوں پر صدقہ کیے جاتے ہیں۔ (4) الوقف للمساجد ولا بناء السبیل وللمرضی و المدارس والخانات یعنی وقف برائے مساجد، مسافروں کے لیے سرائے، بیماروں کے لیے ہسپتال، مدارس اور مسافر خانوں اور مہمان خانوں کے لیے جائیداد وقف کرنا۔ (5) الانفاق فی مصارف الحج یعنی حج پر مال خرچ کرنا کیونکہ حج مرکب ہے عبادت بدنیہ اور مالیہ سے (6) والجھاد یعنی جہاد میں مال خرچ کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے من جھز غازیا فلہ اجر مثلہ یعنی جس شخص نے کسی غازی کو سامان فراہم کیا، اس کو غازی و مجاہد جتنا اجر ملے گا۔ (7) الانفاقات الواجبۃ علی الزوجۃ والاولاد الخ، صدقات واجبہ جیسے بیوی بچوں پر خرچ کرنا۔ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُم يُنفِقُونَ میں ارشاد ہے کہ من تبعیضیہ ہے یہ بڑے کام کی بات ہے ورنہ سارا مال دینا پڑتا۔ حدیث میں ہے خیر الصدقۃ عن ظھر الغناء یعنی غنی شخص کا صدقہ کرنا بہترین صدقہ ہے اور غنی آدمی اس وقت ہوتا ہے جب اس کے پاس مال ہو۔ معلوم ہوا کہ سارا مال خرچ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:
وَيَسأَلُونَکَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ العَفوَ (البقرہ: 219)
اور پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا خرچ کریں (راہ خدا میں) کہہ دیجیے جو زائد ہو۔
معلوم ہوا سارا مال مراد نہیں ہے۔ یہی اچھا صدقہ ہے، ہاں دل مضبوط ہے ایمان قوی ہے تو اور بات ہے۔ جیسے صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا غزوہ تبوک میں انفاق، اس غزوے میں حضرت فاروق اعظم اپنا آدھا مال اور صدیق اکبر سارا مال اٹھا لائے تھے۔
اس آیت میں تحریص علی الانفاق (خرچ کرنے پر برانگیختہ کرنا) ہے کہ یہ خرچ کرنا کون سی بڑی بات ہے۔ مال تو ہمارا ہے، ہم نے تمہیں دیا ہے، تم میرا دیا ہوا مال خرچ نہیں کر سکتے، اگر مال اپنا ہوتا تو بات کوئی اور ہوتی اور اس آیت سے یہ بات

بھی معلوم ہوئی کہ من تبعیضیہ ہے اور جس مال کا خرچ کرنا مقصود ہے وہ مال حلال ہو، حرام نہ ہو۔ یعنی ہم نے جو رزق حلال اور مال حلال تمہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے رہو۔ چنانچہ جامع ترمذی میں پہلی حدیث حضرت ابن عمر سے مروی ہے:
لا تقبل صلوۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول۔
یعنی بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں اور چاری کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں۔
اصطلاحی طور پر اگرچہ غلول خاص مال غنیمت میں سے چوری کو کہتے ہیں، لیکن یہاں حدیث میں مطلق حرام مراد ہے۔

کیا حرام رزق ہے:
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں جو ضابطہ ہے کہ الحلال رزق والحرام رزق۔ حلال بھی رزق ہے اور حرام بھی رزق ہے، یہی درست ہے بخلاف معتزلہ کے کہ ان کے ہاں حرام رزق نہیں اور رزق کی تعریف کرتے ہیں مملوک یاکلہ المالک یعنی رزق سے مراد وہ مملوک چیز ہے جسے مالک کھا لے۔ اس ضابطہ کی رو سے تمام جانور چوپائے حرام کھاتے ہیں۔ اسی طرح عمر بھر حرام کھانے والوں کو گویا اللہ تعالیٰ نے رزق ہی نہیں دیا۔ حالانکہ ظہور معتزلہ سے قبل حرام کے رزق ہونے پر امت کا اجماع تھا۔

وَ الَّذِینَ یُؤمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ اِلَیکَ:
اس سے معلوم ہوا کہ ایمان شرط ہے بکل ما انزل اللہ سواء کان علی النبیﷺ او علی من کان قبلکم (تمام ان باتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے اتار دیں خواہ حضور پر یا آپ سے قبل دیگر انبیاء (علیہم السلام) پر تورات اور انجیل غیر محرف پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔
وَبِالاٰخِرَۃِ ھُم یُوقِنُونَ: اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ اس دن اعمال کا محاسبہ ہو گا۔

5۔أُولَیکَ عَلَی ہدًی مِّن رَّبِّہِم وَ أُولَیکَ ہمُ المُفلِحُونَ
آئین میں مسلمان کی تعریف:
یہ آئین جب ہم بنا رہے تھے تو ہم نے ایک دستوری کمیٹی سے پہلے چند اصول بنانے تھے۔ اب اس میں مسلمان کی تعریف پوچھنا چاہتے تھے۔ جے۔ اے رحیم غصہ میں آ گیا اور کہا کہ مجھے کیا کہتے ہو، ان کے نزدیک خود کو مسلمان کہنا مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے یعنی مسلمان وہ ہے جو خود کو مسلمان کہتا ہے۔
وَلا تَقُولُوا لِمَن أَلقَی إِلَیکُمُ السَّلامَ لَستَ مُؤمِنًا: اور نہ کہو اس سے جو پیش کرے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں۔ (النساء: 94)
یہ شروع اسلام کے زمانے میں تھا جب کسی کے کفر و ایمان کا پتا نہ تھا، اب اگر واضح ہو تو پھر کیا کریں، جے اے رحیم نے پھر کہا کہ مسلمان کی تعریف کیسے کرو گے۔ میں نے کہا کہ قرآن سے کریں گے؟ اس نے کہ ٹھیک ہے کرو، میں نے یہ آیت پڑھ دی کہ وَ الَّذِینَ یُؤمِنُونَ الخ، ایمان بالغیب، توحید، اقامۃ الصلوۃ، ایتاء الزکوٰۃ۔
تو یہ اعمال ضروریات دین میں سے ہیں، اس نے کہا کہ ختم نبوت کا ذکر تو نہیں آیا، میں نے کہا کہ ہے۔
وَ الَّذِینَ یُؤمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ اِلَیکَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبلِکَ. تو ہے، من بعدک نہیں کہا ہے تو من قبلک سے تمام انبیاء مراد ہیں اور اگر آپ کے بعد بھی نبی ہوتا تو پھر من بعدک بھی ہوتا۔ اب ان کے پاس علم تو تھا نہیں کہ میں اس کو ایک ناقابل شکست برہان پیش کرتا۔ بس ان کو ساکت کر دیا۔

چار باتیں ایمان ہیں:
اب چار باتوں پر ایمان ہے۔ (1) ایمان باللہ وحدہ (2) ایمان بہ ختم النبوۃ (3) ایمان بالاخرۃ (4) ایمان بضروریات الدین۔ اب بھی آئین میں درج ہے۔ یہ مسئلہ مرزائیت کے متعلق اقلیت قرار دیے جانے کے فیصلے سے قبل تھا۔ بعد میں اسے بالکل واضح کر دیا گیا۔

پاکستان میں سات اقلیتیں بشمول مرزائی:
ہمارے آئین میں جن اقلیتوں کا ذکر ہے، ان کی چھ صنفیں تھیں۔ ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، بدھ مت اور شیڈول کا سٹ (چوڑھے) ان کو سیٹیں ملی تھیں۔ اب تو قومی اسمبلی میں مرزائیوں کی سیٹ بھی ہے۔ سندھ اور فرنٹیر میں ایک ایک مرزائی موجود بھی ہے۔ ایک پنجاب میں ہے، یہ سیٹ کس کو ملے تو ہم نے کہا کہ ایک اور ملا دیں کہا جو خود کو احمدی لکھیں تو ہم

نے کہا نہیں یہ احمدی نہیں ہیں۔
وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعدِي اسمُہُ أَحمَدُ: (الصف: 6)
اور میں (عیسیٰ) خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیں گے، ان کا نام احمد ہو گا۔
مرزائی اپنے جعلی نبی کو من بعد اسمہ احمد کا مصداق کہتے تھے، اس لیے ہم نے بریکٹ بھی منظور نہیں کی، ہم نے کہا کہ مرزائی لکھو اور بریکٹ میں قادیانی اور لاہوری لکھو، وزیر قانون نے کہا کہ کیا وہ خود کو مرزائی کہتے ہیں۔ انگریزی میں فالور آف مرزا (follower of Mirza) لکھا اور پہلے یہ کہا کہ مرزا غلام قادیانی کے پیرو کار لکھ دیں۔ پھر کہا کہ آئین میں نام نہیں ہوتا، حالانکہ دیباچہ میں محمد علی جناح کا نام موجود ہے۔ ہمارے ذکر کے وقت حضور ﷺ کا نام آئین میں موجود ہے۔ انہوں نے نہیں مانا، وزیر قانون نے کہا کہ پاک دستور میں ایک منحوس کا نام نہ لکھیں، میں نے کہا کہ قرآن مجید میں فرعون و ابلیس کا ذکر بھی ہے۔ یہ میرے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، پھر اپوزیشن کے لوگ مجھ سے جدا ہو گئے۔ کہا کہ تم کیا کرتے ہو، میں نے کہا کہ تم احمد کو دستور کا حصہ نہیں بنا سکتے تھے۔ بریکٹ میں لکھا ہوا دستور کا حصہ نہیں ہوتا۔ وزیر قانون نے کہا کہ یہ لکھ دو کہ جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں تو میں نے صاف صاف کہہ دیا اپنے ساتھیوں سے بھی کہا کہ ان کا نام بریکٹ کے بغیر قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ لکھ دیں اور جو احمدی کہلاتے ہیں بریکٹ میں آ جائے تو یہ بات لکھی گئی۔ قادیانی گروپ ساتواں ہو گیا اور پھر اقلیتوں میں شامل ہو کر ایک شخص اسمبلی میں آ گیا اور یہ بحث سے خارج ہو گئے اور کافر ہونے پر عملی دلیل قائم ہو گئی۔

اِنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا الایۃ:
وہ لوگ جو کفر کر چکے ہیں برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔
یہاں سے کفار کے دو فرقے مشرک یعنی کھلم کھلا کفر کرنے والا اور منافق کے حالات اور ان کی تنقیح بیان کی جاتی ہے۔ پہلا فرقہ مجاہر کافروں (کھلے کافروں) کا ہے۔ یہ دو آیات جو ابھی پڑھی گئیں یہ ان کے متعلق ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ بتانا چاہتے ہیں کہ ان دو فرقوں کا کفر پر رہنا اور ایمان نہ لانا اس لیے نہیں ہے کہ قرآن کی ہدایت میں کچھ کمی ہے۔ ہدایت میں قرآن کامل کتاب ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں کی فطرت ہی فاسد ہے۔ فاعل کے فعل میں کوئی فرق نہیں، منفعل کے انفعال (حصول ہدایت کی صلاحیت) میں فرق ہے۔ منفعل کے انفعال میں کوتاہی ہے، ان میں انفعال کا مادہ نہیں۔ فطرت اگر غیر سلیمہ ہے تو جو لوگ کفر کرتے ہیں، برابر ہے انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں لایومنون یہ اسی طرح مر جائیں گے، موت ان کے کفر کو قطعی بنا دیتی ہے۔
یہاں پر ان الذین کفروا سے تمام کفار مراد نہیں ہیں۔ اس لئے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ کفار اسلام لاتے ہیں۔ عہد نبوی میں بھی بہت سے لوگ مسلمان ہوئے، اس آیت کے نزول کے بعد بھی تو یہاں پر الذین موصول معرفہ ہے اور اس سے معہود کفار (خاص قسم کے کافر) مراد ہیں۔ اس لئے شیخ ابو الحسن اشعری کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کافر کا خاتمہ کفر پر نہ ہو، اسے کافر نہ کہا جائے گا۔ گویا خاتمہ علی الکفر سے کفر متحقق ہو گیا، اس لئے کہ نزع کے وقت قبل الغرغرہ ایمان معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ غرغرہ کی حالت میں ایمان بالشہادۃ ہوتا ہے، مرنے والا فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ نیک عمل شخص کے پاس ریشمی اور خوشبو دار لباس والے فرشتے آتے ہیں، وہ قبل اخراج الروح فرشتوں کو دیکھتا ہے، اگر جہنمی ہے تو فرشتے غلیظ کپڑے لاتے ہیں، جب دیکھ لیتا ہے تو ایمان بالغیب نہ رہا، ایمان علی الشہادۃ ہو گیا۔ اس یقین کا فائدہ نہیں ہے، اس حالت سے قبل ایمان لانا ہے تو ایمان معتبر ہے ورنہ مرتے وقت تو فرعون بھی ایمان لے آیا تھا، اس وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے۔
حَتَّى إِذَا أَدرَکَہُ الغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّہُ لا إِلَہَ إِلا الَّذِی آمَنَت بِہِ بَنُو إِسرَائِیلَ وَأَنَا مِنَ المُسلِمِینَ۔
یہاں تک کہ جب وہ (فرعون) ڈوبنے لگا تو بولا میں نے یقین کر لیا کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس ذات کے جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ (یونس: 90)
اس وقت فرعون حالت غرغرہ میں ایمان لایا تھا جو معتبر نہیں۔ یہ جمہور کا مذہب ہے، اگرچہ بعض نے اس کے برعکس بھی کہا ہے، جیسے شیخ اکبر شیخ ابن عربی نے فتوحات میں اس پر دلائل دیئے ہیں۔ شیخ اکبر کے نزدیک فرعون مومن تھا۔ اللہ نے اس کے ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔
حَتَّى إِذَا أَدرَکَہُ الغَرَقُ اس آیت میں یہ مفہوم موجود ہے کہ وہ مومن نہیں۔ پہلے جب اختیار تھا تو ایمان نہ لایا۔ ایمان فعل اختیاری ہے۔ انسان مکلف ہے فعل اختیاری پر، جب ایمان اضطراری بن جاتا ہے تو کچھ نہیں ہوتا۔
فرعون مومن نہیں تھا:
اس لیے کہ فرعون کا ایمان ایمان اضطراری ہے اس کے بعد یہ بھی فرمایا:

فَالیَومَ نُنَجِّیکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُونَ لِمَن خَلفَکَ آیَۃً۔ سو آج ہم نجات دیں گے تیرے بدن کو تاکہ تو ہو ان کے لیے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں عبرت (یونس: 92)
تو اگر مومن ہوتا تو اللہ پاک یہ نہ فرماتے۔ یہ بھی قرینہ ہے کہ اس کا ایمان عند اللہ قبول نہیں ہے۔ ایک اور مقام پر فرعون کے بارے میں آتا ہے۔ یَقدُمُ قَومَہُ یَومَ القِیَامَۃِ فَأَورَدَہُمُ النَّارَ وَبِئسَ الوِردُ المَورُودُ۔ وہ (فرعون) پیشرو ہو گا اپنی قوم کا قیامت کے دن پس جا داخل کرے گا انہیں دوزخ میں اور وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ وارد ہوں گے۔ (ھود: 98)
بھلا یہ باتیں مومن کے متعلق کہی جا سکتی ہیں۔ یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے۔
مسئلہ اختلافی یہ ہے کہ موت سے پہلے کافر کو کافر کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ شیخ ابو الحسن اشعری کے نزدیک کوئی کافر نہیں ہے، یہ اس کا نام ہے۔

خواتیم کا مسئلہ
اس میں شیخ ماتریدی کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک کسی کے خاتمہ کا علم نہیں ہے تو کیا کسی کو کافر نہ کہنا چاہیے۔ جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ جیسے حضور ﷺ کے زمانے میں جو لوگ آپ کے مقابل تھے، آپ کے قتل کے درپے تھے، ایذا دیتے تھے، مکہ سے نکالنے والے تھے، آپ کے ساتھ دست بدست لڑنے والے تھے، قرآن نے ان کو بالجہر (علانیہ) کافر کہا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان بھی ہوئے۔ ابو سفیان غزوہ احد میں مشرکین مکہ کی فوج کا سالار تھا اور حضرت خالد بن ولید کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان بھی پہنچا۔ وہ پیچھے سے کفار کا دستہ لے کر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن مسلمان ہو کر سیف اللہ کا خطاب پایا۔ کسی کے خاتمہ کا علم نہیں ہے، وہ تو زندگی میں اسلام لے آئے۔
لَا یُؤمِنُونَ ہیں تو پھر انذار کا فائدہ کیا ہے:
اشکال: عام مفسرین نے اس شبہ کا ذکر کیا ہے کہ جب ایمان نہیں لائے اور یہ فیصلہ شدہ بات ہے جیسے ابو لہب و ابو جہل وغیرہ مخصوص افراد تو پھر ان کے انذار سے فائدہ کیا ہے؟
یہاں سواء علیھم ان پر برابر ہے۔ آپ پر برابر نہیں ہے۔ علیک نہیں کہا تو آپ نے انذار کر کے اس کے باوجود اپنے درجات بلند فرمائے۔ یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ ان کا انجام عدم ایمان ہے لیکن ہمارا کام تو تبلیغ ہے، اس کی وجہ بیان فرمائی کہ ان کی فطرت کیوں مسخ ہے کہ کیوں اسلام نہیں لاتے، ان کے بھی دل ہیں، قرآن کی آیات سنتے ہیں۔ یہ وجہ بیان فرمائی:
خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِہِم وَعَلٰی سَمعِہِم ؕ وَعَلٰی اَبصَارِہِم غِشَاوَۃٌ وَّلَہُم عَذَابٌ عَظِیمٌ۔
(البقرہ: 7)
مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لیے عذاب ہے بہت بڑا۔
قلب گوشت کا ایک مضغہ (ٹکڑا) ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ادراک کی قوت رکھی ہے مدرک عند الشرع قلب ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:
لَہُم قُلُوبٌ لا یَفقَہُونَ بِہَا: ان کے دل ہیں کہ وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں۔ (سورۃ اعراف: 179)
دوسری جگہ ارشاد ہے ولم تو من قلوبھم ان کے دل ابھی مومن نہیں ہوئے، تو محل جازم قلب ہے۔ چنانچہ بخاری میں روایت ہے:
ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔
بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے، اور جب وہ ناکارہ ہو جاتا ہے تو سارا جسم ناکارہ ہو جاتا ہے۔ سن لو کہ وہ (لوتھڑا) دل ہے۔
قلب درست رہے تو ہاتھ پاؤں ناک کان بھی درست کام کرتے ہیں، ورنہ تمام فاسد ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ محل ایمان قلب ہے۔
قلب کی تعریف:
قلب انسان میں ایک لطیفہ ربانی ہے۔ انسان میں دس لطائف ہیں۔ پانچ عالم امر سے اور پانچ عالم خلق سے متعلق ہیں۔ قلب عالم امر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے۔ اسے نفس اور روح بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس لطیفہ کو مختلف الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:
إِنَّ فِی ذَٰلِکَ لَذِکرَی لِمَن کَانَ لَہُ قَلبٌ أَو أَلقَی السَّمعَ وَہُوَ شَہِیدٌ
(ق: 37)
بیشک اس (کتاب) میں نصیحت ہے اس کے لیے جسے حاصل ہے دل یا وہ لگاتا ہے کان حضور قلب سے۔

لیکن اگر لطیفہ قلب مرا ہوا ہو تو وہ کیا ادراک کرے گا؟ کیا ذکر حاصل کرے گا؟ اسی طرح ارشاد ہے فالھمھا فجورھا و تقوٰھا۔ پس اس کو بتا دی اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری، فجور اور تقویٰ کا الہام بھی نفس ہی کو ہوتا ہے۔

اشکالات مع جوابات:

یہاں دو ترکیبیں ہیں۔ (1) ایک ہے کہ عَلیٰ قُلُوبِہِم معطوف علیہ ہو اور وَعَلیٰ سَمعِہِم معطوف ہو یہ تمام لوازمات سے مل کر جملہ معطوف علیہ ہو، اور وَعَلٰی اَبصَارِہِم غِشَاوَۃٌ ایک جملہ ہو اس کا عطف پہلے جملے پر ہو گا۔ یہ از قبیل عطف جملہ علی الجملہ ہو گا۔ اس صورت میں قلب بھی مختوم ہے اور سمع بھی مختوم ہے جبکہ بصارت پر غشاوہ ہے۔

(2) دوسری ترکیب یہ ہے کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلیٰ قُلُوبِہِم ایک جملہ اور وَعَلیٰ سَمعِہِم ۚ وَعَلٰی اَبصَارِہِم غِشَاوَۃٌ دوسرا جملہ ہو۔ غشاوۃ مبتدا موخر ہو اور وَعَلیٰ سَمعِہِم ۚ وَعَلٰی اَبصَارِہِم معطوف معطوف علیہ خبر مقدم ہو۔ اس صورت میں قلب مختوم ہو گا اور سمع و بصارت پر غشاوہ ہو گا۔ ترکیبیں دونوں جائز ہیں کیونکہ کوئی لفظی یا معنوی رکاوٹ نہیں ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونوں میں سے افضل ترکیب کون سی ہے؟ القرآن یفسر بعضہ بعضا۔ قرآن کریم کے بعض حصے دوسرے حصوں کی تفسیر کرتے ہیں کے اصول کے مطابق قرآن کریم میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک اور جگہ ختم کی نسبت بغیر کسی دیگر وجہ کے سمع اور قلب دونوں کی طرف ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

أَفَرَأَيتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰہَہُ ہَوَاہُ وَأَضَلَّہُ اللَّہُ عَلَی عِلمٍ وَخَتَمَ عَلَی سَمعِہِ وَقَلبِہِ وَجَعَلَ عَلَی بَصَرِہِ غِشَاوَۃً فَمَن يَہدِيہِ مِن بَعدِ اللَّہِ أَفَلا تَذَكَّرُونَ۔ (الجاثیہ: 23)

پس کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے ٹھہرا لیا اپنا معبود اپنی خواہش نفس کو اور گمراہ کر دیا اسے اللہ نے، جانتے ہوئے اور مہر کر دی اس کے کان اور اس کے دل پر اور ڈال دیا اس کی آنکھ پر پردہ۔ پس کون ہدایت کرے اس کو بعد اللہ کے۔ پس کیا تم غور نہیں کرتے؟

یہاں ترکیب اول ثابت ہوئی اور سمع کو قلب سے پہلے ذکر کیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ سمع پر مہر لگی ہوئی ہے اور غشاوہ نہیں ہے، بلکہ غشاوہ فقط ابصار پر۔ (2) دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ یہ فرق کیوں رکھا گیا کہ سمع اور قلب پر تو ختم ہے اور ابصار پر غشاوہ ہے، ایسا کیوں نہیں ہے کہ تینوں پر یا تو ختم ہو یا غشاوہ ہو؟

جواب: وجہ یہ ہے کہ قلب ادر ادراک کرتا ہے بواسطہ (1) حسن سلیم (2) یا خبر صادق (3) یا عقل کے، قلب اگر کسی بات کا یقین کرتا ہے تو ان تینوں کے ذریعہ کرتا ہے تو یہ تین سبب ہوئے۔

حقیقت سمع:

سمع کیا ہے؟ یہ ایک پردہ ہے کان میں کہ باہر سے جب ہوا متکیف ہوتی ہے صورت سے تو اس سے ٹکڑا کر آواز سنائی دیتی ہے۔ اگر پردہ درست ہو تو اندر سے اس میں احساس ہو جاتا ہے۔ گویا سمع میں کام اندر سے ہوتا ہے باہر سے چیزیں لگتی ہیں تو اندر احساس ہوتا ہے۔

حقیقت بصر:

بصر کیا ہے؟ آنکھ سے ایک شعاع نکلتی ہے اور مرئیات پر لگتی ہے گویا روشنی اندر سے باہر کی طرف آتی ہے اور باہر کی چیزیں اپنی اصلی حالت پر قائم ہیں تو گویا بصر میں اندر سے اخراج شیئ ہوتا ہے اور سمع و قلب میں ادخال شیئ ہوتا ہے یعنی:

القلب والسمع یقبلان الاثر من الداخل والبصر یقبل الاثر من الخارج۔

یعنی دل اور کان اندر داخل ہونے والی شے سے اثر لیتے ہیں اور آنکھ باہر سے اثر لیتی ہے تو جہاں باہر سے اندر چیزیں جاتی ہیں۔ وہاں اس کے روکنے کے لیے ختم اور مہر استعمال ہوتی ہے۔ آپ نے خط لکھا، مہر لگا کر بند کر دیا، اگر کوئی اضافہ کرے گا تو اضافہ تصور ہو گا جیسے کتب فقہ میں باب خط القاضی الی القاضی میں ہے، اندر کی چیزوں کو باہر جانے سے روکنے کے لیے پردہ اور غشاوہ استعمال ہوتا ہے۔

الغشاوۃ لمنع الاخراج والختم لمنع الادخال۔

ختم باہر سے چیزیں داخل ہونے سے روکنے کے لیے استعمال ہوتی ہے، لہٰذا سمع اور قلب کے لیے ختم کا اور بصر کے لیے غشاوہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح سمع اور قلب کا ادراک من جمیع الجہات ہے تو اس کے لیے لفظ ختم استعمال کیا گیا جو کہ امتناع عن جمیع الجہات کے لیے وضع ہے اور بصر کا ادراک چونکہ جہت واحدہ سے ہے، لہٰذا اس کے لیے لفظ غشاوہ استعمال کیا گیا جو کہ امتناع عن جہت واحدہ کے لیے وضع ہے۔

(3) تیسرا اشکال یہ ہے کہ سمع مفرد ہے اور ابصار جمع ہے، قلوب پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے البتہ سوال یہ ہے کہ سمع مفرد اور ابصار جمع ہے قانون یہ ہے کہ:

الجمع المضاف الی الجمع یقتضی تقسیم الاحاد علی الاحاد۔

جمع جب جمع کی طرف مضاف ہو تو یہ اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ احاد کی تقسیم آحاد پر ہو جیسے رکبوا دوابھم ولبسوا

ثیابھم۔ یعنی وہ سب لوگ اپنی سواریوں پر سوائے ہو گئے اور انہوں نے اپنے کپڑے پہن لیے۔ دواب جمع مضاف ہے، ہم ضمیر جمع کی طرف اور ثیاب جمع مضاف ہے، ہم ضمیر جمع کی طرف یعنی ہر شخص اپنی سواری پر سوار ہوا اور ہر شخص نے اپنے کپڑے پہن لیے۔ سمع فی الواقع مفرد ہے اسی طرح قلب بھی جمع ہوتے ہوئے مفرد ہے اور ابصار بھی جمع کے ہوتے ہوئے مفرد ہے باعتبار تقسیم الاحاد علی الاحاد کے۔ جیسے شرح عقائد میں ہے مرافق اور کعبین کے متعلق بھی یہی سوال تھا اور یہی جواب ہے کہ مرافق سے مراد ہر شخص کی کہنیاں اور کعبین سے ہر شخص کے ٹخنے مراد ہیں، لیکن پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ہر شخص کے دو کان اور دو آنکھیں ہوتی ہیں تو پھر سمع کو مفرد اور ابصار کو جمع لانے کی کیا وجہ ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ سمع ایک پردہ ہے جو کان کے سوراخ میں بچھا ہوا ہے۔ ہوا کے ساتھ اصوات ٹکرانے سے اس کو احساس ہوتا ہے یعنی کان میں ایک ہی پردہ ہے اور قوت بینائی کے مختلف طبقات ہوتے ہیں۔ آنکھ میں الگ الگ پردے ہیں، یہ شی واحد نہیں بلکہ قویٰ کثیرہ ہیں:

فبالنظر الی کثرۃ القوی جمع الابصار و بالنظر الی الشیئ الواحد افراد السمع۔

یعنی بصارت میں پردوں کی کثرت کی وجہ سے ابصار کو جمع لایا گیا ہے اور کان میں ایک پردہ ہونے کی وجہ سے سمع کو مفرد لایا گیا۔

(4) خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِہِم وَعَلٰی سَمعِہِم جملہ فعلیہ ہے اور وَعَلٰٓی اَبصَارِہِم غِشَاوَۃٌ جملہ اسمیہ ہے، جملہ فعلیہ حدوث پر دال ہوتا ہے کہ ابھی کیا ہے پہلے نہیں تھا اور جملہ فعلیہ میں دوام و استمرار نہیں ہوتا۔ اور جملہ اسمیہ دال ہوتا ہے دوام و استمرار پر۔ جملہ فعلیہ میں حدوث ہے اور جملہ اسمیہ میں دوام و استمرار ہے تو یہ فرق کیوں ہے؟ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ واللہ اعلم کہ مہر لگانا دل پر جیسے میں نے کہا تھا کہ کوئی چیز باہر سے اندر نہ چلی جائے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں علت ادراکیہ موجود ہے اور ختم سے علت ادراکیہ کو منع نہیں کیا کہ ان میں پوری استعداد ہے، لیکن باہر سے مہر لگا دی یعنی علت ہے، لیکن اس کی تاثیر کو بند کر دیا موثر نہیں رہی۔ فقط یہ وجہ اس کی ختم ہے جو مانع ہو گئی۔

المانع لتاثیر العلۃ موخر عن العلۃ۔

تاثیر علت میں جو رکاوٹ ہوتا ہے وہ علت سے موخر ہوتا ہے تو گویا جملہ فعلیہ جو دال علی الحدوث ہے سے اشارہ کر دیا کہ ختم اور مہر لگانا موخر ہے استعداد سمعی و قلبی سے اور غشاوۃ آنکھ کی شعاع کو روکتا ہے باہر آنے سے تو پردہ ڈال کر شعاع کے نکلنے کو بند کر دیا۔ غشاوہ مانع عن العلت ہے، مانع عن التاثیر نہیں ہے۔ گویا علت پیدا ہی نہیں ہوئی۔ یہاں عدم اصلی ہے۔ اس لیے یہاں حدث نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ ابھی نہیں ہوا ہے یا نہیں کیا، بلکہ ہے ہی نہیں۔

(5) پانچواں اشکال یہ ہے کہ وَعَلٰٓی اَبصَارِہِم غِشَاوَۃٌ میں جملہ اسمیہ کا جو فائدہ بیان ہوا تو یہ ضابطہ ٹوٹ جاتا ہے سورۃ جاثیہ والی آیت سے جس میں ارشاد ہے وجعل علی بصرہ غشوۃ۔ اس آیت میں غشاوہ کو بھی جمہ فعلیہ میں ذکر کیا گیا تو دوام و استمرار والا فائدہ نہ رہا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ افعال قلوب مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں لہذا افعال قلوب کے لیے مفعول اول مبتدا اور خبر مفعول ثانی ہوتی ہے جیسے علمت زیدا فاضلا تو زید بمنزلہ مبتدا اور فاضلا بمنزلہ خبر ہے۔ نحات نے لکھا ہے کہ افعال قلوب جملہ فعلیہ ہوتے ہوئے بھی ان میں حدوث نہیں ہوتا کیونکہ ان کے دونوں مفعول حقیقت میں مبتدا خبر ہوتے ہیں تو جملہ اسمیہ کی طرح دوام و استمرار ان میں ہوتا ہے نہ کہ حدوث۔ اسی طرح جعل بھی دو مفعول چاہتا ہے عام طور پر جعل مرکب ہوتا ہے جعل بسیط نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جعل کے دو مفعول بمنزلہ مبتدا اور خبر کے ہیں اور جملہ اسمیہ والا دوام و استمرار برقرار رہے گا تو علی بصرہ بمنزلہ خبر مقدم ہے اور غشاوہ مبتدا موخر ہے لہذا اشکال رفع ہوا۔

(6) قلب اور سمع کو بصر پر مقدم کرنا:

چھٹا اشکال یہ ہے کہ قلب اور سمع کو بصر پر مقدم کیوں کیا گیا؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ قلب کا مقدم کرنا تو بالکل واضح ہے کیونکہ اصل میں قوت ادراکیہ قلب ہی ہے، لہذا اس پر کوئی خاص اشکال نہیں ہے۔ رہی بات سمع کی تو وجہ یہ ہے کہ اصم اور بہرا ہونا بڑا عیب ہے بنسبت نابینا ہونے کے۔ سمع اور بصر میں جو زیادہ اہم ہو گا وہی مقدم ہونے کے زیادہ مناسب ہو گا۔ سمع اور بصر دونوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، لیکن بعض نعمتیں بعض کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ عرب کا مشہور مقولہ ہے:

لیس وراء العین البیان۔ یعنی آنکھ سے دیکھے بغیر کسی چیز کی حقیقت نہیں کھلتی۔ کائنات کے انکشافات میں بصر کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ نابینا دنیا سے الگ تھلگ ہوتا ہے، لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو اصم اور بہرا ہونا نابینا ہونے کے مقابلہ میں بہت بڑا اور زیادہ عیب ہے کیونکہ حضرات انبیاء (علیہم السلام) نابینا تو گزرے ہیں، لیکن بہرا کوئی نہیں ہوا۔ گویا نابینا ہونا منافی نبوت نہیں ہے۔ حضرت یعقوبؑ نابینا ہو گئے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَتَوَلَّی عَنہُم وَقَالَ یَا أَسَفَی عَلَی یُوسُفَ وَابیَضَّت عَینَاہُ مِنَ الحُزنِ فَہُوَ کَظِیمٌ۔ (یوسف: 84)

اور واپس پھر ان کے پاس سے اور کہنے لگا ہائے یوسف اور سفید ہو گئیں اس کی آنکھیں غم سے پس وہ غم کو پی رہا تھا۔

حضرت شعیبؑ بھی نابینا ہو گئے تھے۔ اس لئیے نابینا ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے، لیکن بہرا ہونا نبوت کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ نابینا ہونا عیب نہیں ہے۔ جب نابینا مجلس میں آتا ہے تو مجلس باغ باغ ہو جاتی ہے اور کوئی دقت نہیں ہوتی، اگر کوئی بہرا مجلس میں آ جائے تو سب چلائیں گے، مجلس کو تباہ کرنے والا بہرا ہے اور گونگے پیدائشی بہرے ہوتے ہیں۔ ورنہ اکثر گونگے نہ سننے کی وجہ سے گونگے بن جاتے ہیں، نہ اس وجہ سے کہ زبان خراب ہے۔ بعض دفعہ شروع میں ٹھیک ہوتے ہیں لیکن بعد میں کچھ لوگ بہرے بن جاتے ہیں اور یہ بات ان کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے بنسبت پیدائشی گونگوں کے کیونکہ یہ لوگ سننے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ مشہور ہے کہ بہرا دو دفعہ ہنستا ہے۔ ایک دفعہ لوگوں کے ساتھ، ایک دفعہ جب خود سنتا ہے۔ بہرحال نابینا تو بڑے بڑے علماء، محدثین، قراء، علمائے نحو، علمائے لغت اور لاکھوں حدیثوں کے حفاظ گزرے ہیں۔ آنکھوں سے بینائی ختم ہو جاتی ہے، لیکن حس حافظہ اور روحانی قوت مضبوط ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی کا واقعہ مشہور ہے کہ حج کے سفر پر تھے، راستہ میں ایک جگہ چلتے چلتے سر نیچے کر دیا، بظاہر وہاں کوئی سبب نہ تھا، ساتھیوں کے پوچھنے پر امام ترمذی نے فرمایا کہ یہاں ایک درخت تھا جس کی ٹہنیاں جھکی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے میں نے سر نیچے کر دیا۔ جب لوگوں نے کہا کہ یہاں تو کوئی درخت نہیں ہے تو امام ترمذی جو نابینا تھے، ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ آس پاس کے لوگوں سے معلوم کر لو۔ اگر میری بات کی تصدیق ہو جاتی ہے تو حدیثیں بدستور بیان کرتا رہوں گا اور اگر میری بات کی تصدیق نہیں ہوتی تو مجھ کو کوئی مغالطہ ہوا ہے تو پھر حدیثیں بیان کرنا چھوڑ دوں گا۔ کیونکہ تو قوت حافظ کے خراب ہونے کی علامت ہو گی۔ قریب کی ایک بستی کے بزرگوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے امام ترمذی کی تصدیق کی اور آپ کو تسلی ہو گئی۔ یہ ایک نابینا محدث کا عالم ہے جس کا اندازہ اس قدر مضبوط ہے۔ بہرحال آیت ذیل میں ختم اللہ الخ سے مراد تشبیہ ہے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَہُم قُلُوبٌ لا یَفقَہُونَ بِہَا وَلَہُم أَعیُنٌ لا یُبصِرُونَ بِہَا (الاعراف: 179)

ان کے دل ہیں کہ وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں کہ وہ ان سے دیکھتے نہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

أَم عَلَی قُلُوبٍ أَقفَالُہَا (محمد: 24) ای فکانھا مختومۃ۔

یا ان کے د لوں کو تالے لگے ہوئے ہیں۔ یعنی ان کے دلوں پر مہریں لگی ہوئی ہیں۔

جب ایک عضو وہ کام نہ کرے جس کے لیے پیدا کیا گیا تو وہ بیکار ہے۔ اس لیے آگے فرمایا وَّلھُم عَذَابٌ عَظِیمٌ یعنی یہ لوگ مجبور محض نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر آنکھیں نہ ہوتیں تو جو عبادت متعلق بالعین ہے، اس کے مکلف نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی مجبور کو مکلف نہیں بنایا۔ ایک شخص مجنون ہے لیس لہ قلب (اس کے دل میں سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے) تو یہ مکلف نہیں ہے۔ ایک اعرج (لنگڑا) ہے تو جو عبادت متعلق بالرجلین ہے اس کا یہ مکلف نہیں۔ گونگا شخص فاقراؤ ما تیسر من القرآن پس پڑھو جو حصہ قرآن سے تمہیں آسان معلوم ہو، کا مکلف نہیں ہے۔ حج گونگے پر فرض ہے، لیکن تلبیہ پڑھنا اس کے ذمہ فرض نہیں ہے۔ اس آیت میں تشبیہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حواس تو عطا فرمائے ہیں، لیکن یہ لوگ اسے کسی کام میں نہیں لاتے۔ باقی تقدیر میں کیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ہم اس کے مکلف نہیں ہیں، البتہ خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک افعال العباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر کوئی شخص معاصی و گناہ کرتا ہے تو اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ معتزلہ کے نزدیک انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے لیکن:

وَاللَّہُ خَلَقَکُم وَمَا تَعمَلُونَ۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا فرمایا اور جو اعمال تم کرتے ہو ان کو بھی۔ (الصفت: 96)

یہ حکم خداوندی صراحتاً معتزلہ کے اس عقیدہ کی تردید کر رہا ہے اور معتزلہ کا عقیدہ اس آیت کے قطعی خلاف ہے، ان کے عقیدہ کے مطابق اگر انسان اپنے افعال کا خود خالق ٹھہرا تو مشرکین کی طرح پھر خالق خیر و شر بنانے پڑیں گے۔ جب دو خالق تسلیم کرنے والے مشرکین ہیں تو کیا کروڑوں خالق تسلیم کرنے والے مشرک نہ ہوں گے؟ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک آدمی شراب کا پیالہ پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے نگلواتا ہے، لیکن یہ نظریہ غلط ہے انسان مجبور محض نہیں ہے کالحجر لا یتحرک الا بتحریک الغیر یعنی انسان پتھر کی طرح مجبور نہیں ہے کہ کسی کی حرکت دیے بغیر حرکت نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِینَ حَتَّی نَبعَثَ رَسُولا۔

اور ہم عذاب نہیں دیا کرتے جب تک کہ نہ بھیجیں کوئی رسول۔ (بنی اسرائیل: 15)

اور فرمایا

قَد تَبَیَّنَ الرُّشدُ مِنَ الغَیِّ

ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے (البقرہ: 256)

اتنا کچھ فرمانے کے بعد انسان کو مجبور محض اور بے اختیار کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اگر انسان کسی ایسی جگہ ہو کہ اسے احکام خداوندی کسی ذریعہ سے بھی نہ پہنچیں تو بھی ان مصنوعات و عجائبات قدرت کو دیکھ کر صانع کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ وحدانیت کا یہ یقین اسے جنت میں لے جائے گا، کیونکہ عقل کی وجہ سے انسان احکام شرع کا مکلف ہوتا ہے۔ جب عقل نہ ہو تو پھر مکلف بھی نہیں رہتا۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یبلغ وعن النائم حتی یستیقظ وعن المجنون حتی یفیق۔

تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ (1) نابالغ بچے سے، یہاں تک کہ بالغ ہو جائے (2) سوئے ہوئے شخص سے، یہاں تک کہ جاگ جائے (3) پاگل سے، یہاں تک کہ ٹھیک ہو جائے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَومِ الاٰخِرِ وَمَا هُم بِمُؤمِنِينَ۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، حالانکہ وہ مومن نہیں۔

اقسام المنافقین

منافقین کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ (1) سب سے ارذل و اذل درجہ کے منافق یہ ہیں کہ زبان سے اقرار کریں، لیکن دل میں مکمل جحود و انکار ہو۔ (2) دوسری قسم یہ ہے کہ جو ظاہر و باطن دونوں میں متردد ہو۔ ظاہر میں یہ سمجھتا ہو کہ یہ لوگ (مسلمان) غالب آئیں گے یا نہیں؟ اگر غالب آ گئے تو ہم بھی ساتھ ہو جائیں گے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

فَإِن كَانَ لَكُم فَتحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَم نَكُن مَعَكُم وَإِن كَانَ لِلكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَم نَستَحوِذ عَلَيكُم وَنَمنَعكُم مِنَ المُؤمِنِينَ۔ (النساء: 141)

سو اگر تمہیں حاصل ہو فتح اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو حصہ ملے (جنگ میں غلبہ وغیرہ) تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور نہیں بچایا ہم نے تم کو مسلمانوں سے۔

اور اگر ان مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو ان کی تحریک ناکام ہو جائے گی اور دوسرے لوگوں سے ہمارا تعلق قائم رہے گا۔

گویا تذبذب و تردد میں ہیں۔ نہ ادھر ہیں نہ ادھر ہیں۔

مُذَبذَبِينَ بَينَ ذَلِکَ لا إِلَى هَؤُلاءِ وَلا إِلَى هَؤُلاءِ۔

متردد ہیں اس کے درمیان میں نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے۔ (النساء: 143)

یہ لوگ ظاہر و باطن دونوں میں متردد ہیں۔ ہر طرح گناہ کئے ہیں۔ یہ بھی ان کی خواہش ہے کہ یہ گناہ صاف ہو جائیں تو کیا ہی اچھی بات ہو گی۔ چنانچہ گناہ بخشوانے کے لیے سرور دو عالم ﷺ کے پاس آتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

سَوَاءٌ عَلَيهِم أَستَغفَرتَ لَهُم أَم لَم تَستَغفِر لَهُم لَن يَغفِرَ اللَّهُ لَهُم

(منافقین: 6) برابر ہے ان پر آپ مغفرت مانگیں ان کے لیے یا نہ مغفرت مانگیں ان کے لیے، ہرگز نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ ان کو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

استَغفِر لَهُم أَو لا تَستَغفِر لَهُم إِن تَستَغفِر لَهُم سَبعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغفِرَ اللَّهُ لَهُم

(التوبہ: 80) آپ مغفرت مانگیں ان کے لیے یا نہ مانگیں ان کے لیے (برابر ہے) اگر آپ مغفرت مانگیں گے ان کے لیے ستر مرتبہ بھی تو ہرگز نہیں بخشے گا اللہ انہیں۔

اس قسم کے منافقین کے دلوں میں جحود نہ تھا، کورے نہ تھے، لیکن دنیا کی محبت ان کے د لوں میں اس قدر جاگزیں ہو گئی تھی کہ اپنے مفادات کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ حدیث میں ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ یعنی دنیا کی محبت ہر غلطی کی جڑ ہے۔

موجودہ دور کے منافقین بھی ظاہر و باطن دونوں میں متردد ہیں۔ اس لئے ایک بھائی اگر ایک پارٹی میں ہے تو دوسرا کسی اور پارٹی میں ہے۔ جو بھی پارٹی غالب آ گئی تو ہمارا کام بنتا رہے گا۔ (یقدم رجلا و یاخر اخری) یعنی ایک قدم ایک طرف اٹھا کر دوسرا قدم رکھنے اور نہ رکھنے میں متردد ہے۔ باطن میں کہتے ہیں کہ اسلام کا قانون نافذ ہو جاتا تو اچھا تھا، لیکن مفادات ہیں کیا کریں۔ ان کو چھوڑ نہیں سکتے، اسمبلی میں بھی مخالفت کرتے ہیں اور ووٹنگ کے وقت بھی بھاگ جاتے ہیں۔ ہمیں بھی ووٹ نہیں دیتے، دوسروں کو بھی نہیں دیتے، امیدوار پھر ان کو کمروں سے اٹھا کر لاتے ہیں کہ ان کی مجبوری ہے تو یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟

بہر حال منافقین نے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَومِ الاٰخِرِ میں مبداء اور معاد دونوں پر ایمان کا دعوی کیا ہے، لیکن ضابطہ یہ ہے کہ الشیئ اذا خلا عن المقصود لغا جو چیز جس مقصد و حکمت کے تحت بنائی گئی ہو اور وہ اس مقصد سے خالی و عاری ہو تو وہ بیکار ہوتی

ہے۔ اسی طرح منفقین کے ایمان پر کوئی نتیجہ متفرع نہیں ہوتا تھا۔
نفاق فی الاعتقاد والاعمال یعنی اعتقادی نفاق اور عملی نفاق:
نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ (1) اعتقادی نفاق (2) عملی نفاق
عملی نفاق تو اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ کچھ دنیوی منافع حاصل ہوں۔ جیسے مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہونا، مال غنیمت وغیرہ میں شریک ہونا اور جو حدیث مشہور ہے کہ:
اٰیۃ المنافق ثلاث۔ یعنی منافق کی تین علامتیں ہیں (تو اس سے عملی نفاق مراد ہے)
اور اعتقادی نفاق فساد عقیدہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
إِذَا جَاءَکَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْہَدُ إِنَّکَ لَرَسُولُ اللَّہِ وَاللَّہُ یَعلَمُ إِنَّکَ لَرَسُولُہُ وَاللَّہُ یَشہَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِینَ لَکَاذِبُونَ۔
(المنافقون: 1) جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلا شبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بلاشبہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق لوگ البتہ جھوٹے ہیں۔
اس سے اعتقادی نفاق مراد ہے کیونکہ یہ لوگ اسلام کی بیخ کنی کے لیے اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ اسی طرح ارشاد ہے:
وَالَّذِینَ اتَّخَذُوا مَسجِدًا ضِرَارًا وَکُفرًا وَتَفرِیقًا بَینَ المُؤمِنِینَ وَإِرصَادًا لِمَن حَارَبَ اللَّہَ وَرَسُولَہُ مِن قَبلُ وَلَیَحلِفُنَّ إِن أَرَدنَا إِلا الحُسنَی وَاللَّہُ یَشہَدُ إِنَّہُم لَکَاذِبُونَ۔
(التوبہ: 107) اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضرر دینے اور کفر پھیلانے اور تفرقہ ڈالنے کے لیے مسلمانوں میں اور انتظار کرنے کے لیے اس شخص کا جو لڑتا رہا اللہ اور اس کے رسول سے، اس سے پہلے، اور ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے کچھ اور سوائے بھلائی کے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں۔
یہ مسجد بھی مسلمانوں کو نقصان پہچانے کی نیت سے بنائی گئی۔ حضور ﷺ کو افتتاح کی دعوت دی گئی، لیکن آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ مسجد نہیں، بلکہ محاربین کی کمین گاہ ہے، آپ اس کے قریب بھی نہ جائیں، یہ بھی اعتقادی نفاق ہے۔
سوال:
ایمان والوں کے حالات بیان کرنے کے لیے پانچ آیتیں لائی گئیں ہم الفلحون تک۔ کفار مجاہرین جو دل و زبان دونوں اعتبار سے کافر ہیں ان کے حالات بیان کرنے کے لیے صرف دو آیتیں لائی گئیں ان الذین کفروا سے عذابٌ عظیم تک۔ منافقین کے حالات بیان کرنے کے لیے تقریباً 13 آیات لائی گئیں ہیں۔ ومن الناس سے لے کر رکوع کے آخر تک۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے کافر ہے اس کی مذمت زیادہ ہونی چاہیے اور جو صرف دل سے کافر ہے اور زبان سے مسلمان ہے تو اس کی مذمت کم ہونی چاہیے۔ کفر المنافق من جھۃ واحدۃ و کفر المشرک من جھتین۔ یعنی منافق صرف ایک اعتبار سے کافر ہے اور مشرک و کافر دونوں حیثیتوں سے کافر ہے۔
الجواب:
اصل بات یہ ہے کہ منافق کی زبان بھی جھوٹ بولتی ہے اور دل بھی جھوٹا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واللہ یشھد انھم لکذبون۔ یعنی اللہ گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کیونکہ زبان سے یہ لوگ کہ تے ہیں کہ ہم لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ موافق قلب ہے، حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ کافر مجاہر چونکہ دل و زبان دونوں سے منکر ہوتا ہے، لہذا وہ اگر کہتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں موافق قلب ہے تو وہ صادق ہے، سچ کہہ رہا ہے لہذا منافق سے زیادہ خطرہ ہے بنسبت کافر مجاہر کے تو منافق کا تذکرہ مفصل کیا گیا اور مثالوں سے وضاحت فرمائی گئی۔ جبکہ کافر مجاہر سے خطرہ کم ہے۔ وہ کھلا دشمن ہے تو اس کا تذکرہ مختصر کیا گیا۔ اس کی دشمنی زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔
اسی طرح پاکستان میں اسلام کو خطرہ عیسائیت یا بدھ مت سے نہیں، بلکہ منافقین سے زیادہ خطرہ ہے۔ یہ منافق آپ کو فریب دینا چاہتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن یَّقُولُ الایۃ:
من الناس خبر مقدم ہے اور من یقول مبتدا موخر ہے یہاں سوال یہ ہے کہ یہ تو بدیہی بات ہے کہ جو امنا باللہ کہے گا وہ لوگوں سے ہی ہو گا تو یہ اس خبر کا کیا فائدہ ہے؟
لان کل احد یقول ھکذا فھو من الناس یعنی جو بھی اٰمنا باللہ کہے گا وہ لوگوں میں سے ہو گا؟ جواب اس سوال کا یہ ہے کہ فائدہ کا مدار خبر کے وصف پر ہے اور وہ بعضیت ہے یعنی بعض افراد ایسے ہیں، سارے نہیں ہیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے۔
مِنَ المُؤمِنِینَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاہَدُوا اللَّہَ عَلَیہِ فَمِنہُم مَن قَضَی نَحبَہُ وَمِنہُم مَن یَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبدِیلا۔ (الاحزاب: 23)

مسلمانوں میں سے بہت سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو کچھ انہوں نے عہد کیا تھا اللہ سے پھر کوئی تو ان میں وہ ہے جس نے پورا کر دیا اپنا اقرار اور کوئی وہ ہے جو منتظر ہے اور انہوں نے رد و بدل نہیں کیا ذرا بھی۔
سوال:
اب سوال یہ ہے کہ کھلے کافر کے متعلق تو فرمایا وَّلَهُم عَذَابٌ عَظِيمٌ اور منافق کے بارے میں ولھم عذاب الیم تو دونوں میں فرق کیا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اصل میں منافق کی حس بیدار ہوتی ہے اور کھلے کافر کی حس ماری ہوئی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: لھم قلوب لا یفقھون بھا۔ ان کے دل ہیں لیکن وہ ان کے ذریعہ سمجھتے نہیں۔
کافر کی حس کمزور ہے جیسے بدن کا کوئی حصہ اگر سن ہو جائے تو پھر اس کو کسی چیز کا احساس نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے تو کفار مجاہرین کے لیے عذاب عظیم فرمایا کہ ان کو محسوس تھوڑا ہوتا ہے۔ جس کی حسن زندہ ہوتی ہے تو ان کو عذاب زیادہ محسوس ہوتا ہے اور تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے۔ منافقین کے لیے عذاب الیم فرمایا یعنی درد ناک عذاب۔ کافر بالکل جاہل ہے، اس کی نیت درست ہے، عمل غلط ہے۔ منافق کا عمل درست ہے، لیکن ایمان غلط ہے، لہذا کافر کا عذاب دردناک نہ ہو گا اور منافق کا عذاب دردناک ہو گا۔ جو قبروں پر سجدے کرتے ہیں اور دل سے اس کو ٹھیک خیال کرتے ہیں۔ وہ بھی اسلام سے زیادتی کرتے ہیں۔ یہ ان کی حماقت ہے، لیکن منافقین کی تو نظیر ہی نہیں ملتی۔
وَمَا هُم بِمُؤمِنِينَ:
اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِاليَومِ الاٰخِرِ میں ان کے فعل کا ذکر ہے اور وما ہم بمومنین میں فعل کے فاعل کی مذمت و شناعت کی گئی ہے۔ کیونکہ فعل کی شناعت متعدی الی الفاعل ہوئی ہے اور یہ جملہ دوام پر دال ہے۔ اٰمنا باللہ میں ایمان بالفعل کا ذکر ہے جس میں دوام و استمرار نہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وما ہم بمومنین یہ نفی علی الدوام ہے۔

يُخٰدِعُونَ اللّٰہَ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا، الایۃ:
دھوکہ دیتے ہیں اپنے زعم میں، لیکن وہ در حقیقت اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ فریب اس کو دیا جا سکتا ہے جس کو سازش کا علم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ عالم بکل شیئ، قدیر علی کل شیئ ہے فھو لا یخدع یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں اور ہر چیز پر قادر ہیں، لہذا اسے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔
سوال:
الخادع باب مفاعلہ سے ہے اور مخادعۃ طرفین سے ہوتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور مومنین کو دھوکہ دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ ابھی کہا ہے کہ لا یخدع اللہ (یعنی اللہ کو دھوکا دینے) کا امکان نہیں ہے اس لیے یعلم تفاصیلہ قبل خلقہ وبعد خلقہ، البتہ مومن دھوکہ کھا سکتا ہے حدیث میں ہے، المومن غر کریم، مومن سادگی کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔ و المنافق خب لئیم منافق دھوکا باز اور کمینہ ہوتا ہے۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے ڈاڑھی کو ہاتھ لگاتا ہے اور پاؤں کو بھی ہاتھ لگاتا ہے۔ جب کوئی ایک شریف آدمی کی داڑھی کو ہاتھ لگاتا ہے وہ باپ کے قتل کو بھی معاف کر دے گا۔ ہمارا بھی ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے کہ ان سے دھوکا کھانا ہر وقت ممکن ہے۔ ملک کا جو سب سے بڑا ہوتا ہے وہ بھی داڑھی کو ہاتھ لگانے کے لیے تیار ہوتا ہے، لہذا ہم اسے اکیلے نہیں ملتے۔ مومن فریب کھاتا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ محفوظ کرے تو پھر محفوظ ہو جاتا ہے۔ جیسے حدیث میں ہے المومن من لا یخدع ولا یخدع یعنی مومن نہ دھوکا دیتا ہے نہ دھوکہ کھاتا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ممکن ہے؟
الجواب:
(1) جواب یہ ہے کہ باب مفاعلہ کی دو قسمیں ہیں۔ (1) مبالغہ کے لیے (2) مقابلہ کے لیے۔ یہاں باب مفاعلہ مبالغہ کے لیے ہے، مقابلہ کے لیے نہیں ہے یعنی دھوکہ دہی میں وہ خوب مبالغہ کرتے ہیں۔ (یبالغون فی ال خداع)
(2) دوسرا جواب یہ ہے کہ خداع سے بچاؤ کرنا اور ان کی سازشوں کو دفع کرنا، یہ جواب خداع ہے۔ اس کو خداع کہا گیا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔ ومکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ یعنی وہ کفار بھی تدبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو بھی مکر کہا گیا اور لوگوں کی تدبیر کو بھی مکر کہا گیا۔ اسی طرح یہاں خداع کو بھی خداع کہا گیا اور جواب خداع کو بھی خداع کہا گیا ہے۔ اسی لیے باب مفاعلہ لایا گیا ہے۔

اَلَآ اِنّھُم ھُمُ المُفسِدُونَ وَلٰكِن لَّا يَشعُرُونَ:
ہم ضمیر کا اعادہ دال ہے حصر پر یعنی یہی لوگ مفسد ہیں، لیکن ان میں شعور نہیں ہے۔ وہ کہ تے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں اور کفار کو جوڑنے والے ہیں اور مذہبی تعصبات کو چھوڑنے والے ہیں۔ ہم رابطہ للاصلاح ہیں، لہذا ہم مصلح تو اس آیت میں بتایا

گیا کہ یہ رابطہ شر میں ہیں مصلح نہیں ہیں یہ لڑاتے ہیں اس وقت مذہبی منافرت کو ہوا دینا بھی انہی لوگوں کا کام ہے۔ یہ لڑائیاں انگریزوں نے پید اکیں اور اب بھی وہی لڑاتے ہیں۔ مفتن یعنی فتنہ پرور لوگوں کا جرم قتل کرنے والوں سے زیادہ سخت ہے اور یہ منافقین ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:
يَسأَلُونَكَ عَنِ الشَّهرِ الحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُل قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفرٌ بِهِ وَالمَسجِدِ الحَرَامِ وَإِخرَاجُ أَهلِهِ مِنهُ أَكبَرُ عِندَ اللَّهِ وَالفِتنَةُ أَكبَرُ مِنَ القَتلِ
(البقرہ: 217)
پوچھتے ہیں آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے متعلق، کہہ دیجیے کہ اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کے راستہ سے اور اس سے انکار کرنا مسجد حرام سے (روکنا) اور اس کے رہنے والوں کو اس میں سے نکالنا اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے، اللہ کے نزدیک اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی بڑھ کر جرم ہے۔

رکوع ۲

8. وَ مِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِاليَومِ الآخِرِ وَ مَا هُم بِمُؤمِنِينَ
9. يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ مَا يَخدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُم وَ مَا يَشعُرُونَ
10. فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَ لَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكذِبُونَ
11. وَ إِذَا قِيلَ لَهُم لَا تُفسِدُوا فِي الأَرضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحنُ مُصلِحُونَ
12. أَلَا إِنَّهُم هُمُ المُفسِدُونَ وَ لَكِن لَّا يَشعُرُونَ
13. وَ إِذَا قِيلَ لَهُم آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُم هُمُ السُّفَهَاءُ وَ لَكِن لَّا يَعلَمُونَ
14. وَ إِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَ إِذَا خَلَوا إِلَى شَيَاطِينِهِم قَالُوا إِنَّا مَعَكُم إِنَّمَا نَحنُ مُستَهزِءونَ
15. اللَّهُ يَستَهزِئُ بِهِم وَ يَمُدُّهُم فِي طُغيَانِهِم يَعمَهُونَ
16. أُولَئِكَ الَّذِينَ اشتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالهُدَى فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُم وَ مَا كَانُوا مُهتَدِينَ
17. مَثَلُهُم كَمَثَلِ الَّذِي استَوقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَت مَا حَولَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِم وَ تَرَكَهُم فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبصِرُونَ
18. صُمٌّ بُكمٌ عُميٌ فَهُم لَا يَرجِعُونَ
19. أَو كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَ رَعدٌ وَ بَرقٌ يَجعَلُونَ أَصَابِعَهُم فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ المَوتِ وَ اللَّهُ مُحِيطٌ بِالكَافِرِينَ
20. يَكَادُ البَرقُ يَخطَفُ أَبصَارَهُم كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوا فِيهِ وَ إِذَا أَظلَمَ عَلَيهِم قَامُوا وَ لَو شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمعِهِم وَ أَبصَارِهِم إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ

ترجمہ:

۸. اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان دار نہیں ہیں۔
۹. اللہ اور ایمان داروں کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور نہیں سمجھتے۔
۱۰. انکے دلوں میں بیماری ہے پھر اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔
۱۱. اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔
۱۲. خبردار بے شک وہی لوگ فسادی ہیں لیکن نہیں سمجھتے۔
۱۳. اور جب انہیں کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں خبردار وہی بے وقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔
۱۴. اور جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ہنسی کرنے والے ہیں۔
۱۵. اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے اور انہیں مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنی گمراہی میں حیران رہیں۔
۱۶. یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی سو ان کی تجارت نے نفع نہ دیا اور ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔

۱۷.	ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اس کے آس پاس کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی بجھا دی اور انہیں اندھیروں میں چھوڑا کہ کچھ نہیں دیکھتے۔
۱۸.	بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔
۱۹.	یا جیسا کہ آسمان سے بارش ہو جس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہو اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب سے موت کے ڈر سے دیتے ہوں اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔
۲۰.	قریب ہے کہ بجلی ان کے آنکھیں اچک لے جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چلتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے تو ٹھر جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں لے جائے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

افاداتِ محمود

وَ إِذَا قِيلَ لَہم آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَہاءُ أَلَا إِنَّہم ہمُ السُّفَہاءُ وَ لَكِن لَّا يَعلَمُونَ
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جس طرح ایمان لائے ہیں دوسرے لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم بھی ایمان لائیں جیسا کہ ایمان لائے احمق۔
آج کل بھی لوگ کہتے ہیں کہ مولویوں والا اسلام ہم کیسے قبول کریں، ان کا دائرہ کار بڑا سخت ہے۔ یہ لوگ چونکہ اسلام سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ ہم روشن خیال اور آزاد (لبرل) اسلام چاہتے ہیں۔ سال میں بارہ دفعہ امریکا اور لندن جاتے ہیں اور ہم ایسا نہیں کرتے، لہذا کہتے ہیں کہ مولویوں کا اسلام تنگ نظری پر مبنی ہے، برملا کہتے ہیں کہ ہمیں ایسا اسلام نہیں چاہیے۔
اَلَآ اِنّہم ھُمُ السُّفَہَاءُ وَلٰكِن لَّا يَعلَمُونَ۔ خوب سمجھ لو کہ وہی ہیں احمق لیکن وہ نہیں جانتے۔
یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ گزشتہ آیات میں جب منافقین کی صفت فساد کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ وہ شعور نہیں رکھتے اور جب یہاں صفت سفہہ کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ یہ جانتے نہیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شعور کا تعلق ظاہری حس کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں و المشاعر الحواس و قولہ وانتم لا تشعرون و نحو ذلک معناہ لا تدرکونہ بالحواس۔ یعنی مشاعر حواس ظاہرہ کو کہتے ہیں اور قرآن کریم کی جن آیات میں شعور کی نفی کی گئی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ حواس کے ذریعہ تم ان چیزوں کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے۔ فساد بھی محسوس چیز ہے۔ اسی وجہ سے وہاں فرمایا کہ وہ شعور نہیں رکھتے، سفاہت اور بے وقوفی کا تعلق عقل سے ہے اور یہ امر باطنی ہے، لہذا یہاں فرماتے ہیں کہ یہ سفاہت و حمق کی وجہ سے نہیں جانتے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا قَالُوٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوا اِلٰى شَيٰطِينِہم ۙ قَالُوٓا اِنَّا مَعَكُم ۙ اِنَّمَا نَحنُ مُستَہزِءُونَ۔
اور جب وہ ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لا چکے ہیں اور جب وہ خلوت میں ملتے ہیں اپنے شیطانوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں (ان سے) تو ہم صرف دل لگی کرتے ہیں۔
مسلمانوں کے سامنے منافقین صرف لفظ اٰمنا سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ جملہ فعلیہ ہے جو کہ دال علی الحدوث ہے اور کسی قسم کی تاکید بھی ساتھ نہیں ہے، جبکہ اپنے بڑوں کے سامنے انہوں نے جن الفاظ سے ان کی معیت و رفاقت کا ذکر کیا تو تاکید ہی تاکید ہے۔ ایک حرف مشبہ بالفعل، دوسرا جملہ اسمیہ تو حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کے سامنے ظاہر داری اور تکلف سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، جبکہ اپنے کافروں کے سامنے دل کی گہرائیوں سے معیت کا اعلان کرتے ہیں۔ رہی وہ بات جو ہم نے مسلمانوں کے سامنے کی تھی تو ہم ان سے مذاق کرتے ہیں اور ان کی بے عقلیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم مسلمانوں سے استہزاء کرتے ہو، حالانکہ تم خود اس قابل ہو کہ تم سے استہزاء (مذاق) کیا جائے تو معلوم ہوا کہ یہ مذبذبین (منافقین) آدمی نہیں ہیں۔

وَيَمُدُّھُم فِى طُغيَانِہِم يَعمھُونَ
اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی میں مہلت دراز دیتا ہے۔ يَعمھُونَ العمہ سے مشتق ہے۔ العمہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دل کا نور ختم ہو جائے اور عمی اس وقت کہا جاتا ہے جب آنکھ کی روشنی چلی جائے۔ گویا عمی ضد ہے بصارت کی اور العمہ ضد ہے بصیرت کی۔ ابتدا استہزاء کرنا جہالت ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا ہُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَن أَكُونَ مِنَ الجَاہِلِينَ۔ وہ بولے کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے؟ کہا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی جہ جو جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ (البقرہ: 67) معلوم ہوا کہ تمسخر کرنا جہالت ہے، لیکن جواب استہزاء حقیقت میں استہزاء نہیں ہے، بلکہ ایک امر واقعی ہے۔ البتہ صورۃً اسے بھی

استہزاء سے تعبیر فرمایا گیا ہے جو لفظ اشتراک کی وجہ سے حسن لفظی کی ایک قسم ہے۔

أُولٰٓئِکَ الَّذِینَ اشتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالہُدٰی۔
یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔
جب اسلام کا کلمہ کہا تو ان منافقین کا ایمان والوں کے ساتھ ایک ربط پیدا ہو گیا۔ یہ خیال تھا کہ ہم ان سے بھی فائدہ اٹھائیں یعنی اس ایمان سے مالی نفع حاصل کرنا چاہتے تھے تو ہدایت قدرے قریب تھی، لیکن اس کے بدلے میں گمراہی لی یعنی ظاہری ایمان سرمایہ تھا۔ اس سرمایہ سے باطنی ایمان حاصل کر سکتے تھے، مگر بدبختی کی وجہ سے اس تھوڑی ہدایت کے عوض اندر کی گمراہی حاصل کی۔ اس لیے آگے ارشاد ہوا فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُہُم ان کی تجارت نے ان کو نفع نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف زبانی جمع خرچ ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بری خصلت اور قبیح عادت ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے اللہ آگے مثال دے کر سمجھاتے ہیں:

مَثَلُہم کَمَثَلِ الَّذِی استَوقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَت مَا حَولَہ ذَہبَ اللَّہ بِنُورِہم وَ تَرَکَہم فِی ظُلُمَاتٍ لَّا یُبصِرُونَ
ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی (اندھیرے میں) پس جب روشن کر دیا آگ نے اس کے اردگرد کو تو اچک لی اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی اور چھوڑ دیا انہیں اندھیروں میں کہ اب نہیں دیکھتے۔

یعنی حرارت اور روشنی حاصل کرنے کے لیے آگ جلائی۔ جب آگ نے اردگرد کو روشن کر دیا تو اس نے اس پر کفایت کی کی اور سمجھا کہ اب آگے خودبخود چلوں گا۔ پھر اللہ نے اس کے نور کو بجھا دیا اور اس کو اندھیروں میں چھوڑ دیا۔ ایک قبر کی زندگی کا اندھیرا، جھوٹ بولنے کا اندھیرا، افتراء و بہتان تراشی کا اندھیرا، مسلمانوں کو سفہاء کہنے کا اندھیرا، استہزاء کرنے کا اندھیرا، جہل مرکب کا اندھیرا، پھر یہ لوگ واقع میں مفسد ہیں، مگر مصلح ہونے کے دعوے دار ہونے کا اندھیرا تو یہ بہت سے اندھیرے جمع ہو گئے۔
آن کس کہ نہ داند، دنہ داند کہ نہ داند۔ یعنی جو شخص جانتا بھی نہ ہو اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ وہ نہیں جانتا تو وہ پھر اندھیرے میں ہی ہو گا اور قاعدہ و تجربہ یہ ہے کہ دائمی اندھیرے میں تو کچھ نہ کچھ نظر آتا ہے لیکن جب روشنی کے بعد اندھیرا چھا جائے تو پھر کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ فَہم لَا یَرجِعُونَ
بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ رجوع نہ کریں گے۔
صُمٌّ یہ خبر ہے۔ ہم مبتدا محذوف کے لیے اسی طرح بکمٌ عميٌ ہیں۔ صم جمع ہے اصم کی، بکم جمع ہے ابکم کی، اور عمی جمع ہے اعمی کی، گویا منافقت کے نتیجہ میں ان لوگوں میں استعداد ہی ختم ہو گئی ہے۔ تمام قوی فیل ہو گئے ہیں۔ اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے آگے ایک اور مثال بیان کی گئی ہے۔

أَو کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِیہ ظُلُمَاتٌ وَ رَعدٌ وَ بَرقٌ یَجعَلُونَ أَصَابِعَہم فِی آذَانِہم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ المَوتِ وَ اللَّہ مُحِیطٌ بِالکَافِرِینَ
یا جیسا کہ بارش ہے آسمان سے جس میں تاریکیاں اور گرج اور بجلی ہو کہ ٹھونس لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے، ڈرتے ہوئے موت سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔
یہاں بہت سارے اندھیروں کا ذکر ہے ایک ابر کا اندھیرا، ایک بارش کا اندھیرا، ایک رات کا اندھیرا، یہ بہت سے اندھیرے ہیں۔
بجلی کی کڑک دن کو بھی ہو سکتی ہے، لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رات کو بجلی کا کوندنا اور چمکنا مراد ہے جیسا کہ کُلَّمَا أَضَاءَ لَہم مَّشَوا فِیہ سے ظاہر ہے کیونکہ بجلی کی چمک میں چلنا اور چمک نہ ہونے کی صورت میں نہ چل سکنا، یہ علامت رات کے چلنے کی ہے۔ رعد یہ کڑک کی آواز ہے۔ یہ آواز کہاں سے آتی ہے۔ اس کو چھوڑ دو یہ بادلوں کے ٹکراؤ سے یا اجزائے دخانیہ سے، دونوں صورتیں ممکن ہیں نیز رعد ایک فرشتے کا بھی نام ہے، یہ بارش، ابر، برق، رعد اور صورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انذار کی مثالیں ہیں۔ یَجعَلُونَ اَصَابِعہُم سے مراد انگلیوں کے پورے اور سرے ہیں کیونکہ ساری انگلی کان میں ڈالی نہیں جا سکتی لیکن مبالغہ مقصود ہے کہ ان کی حالت ایسی ہے کہ اگر ساری انگلی کان میں داخل کی جا سکتی ہے تو یہ داخل کر دیتے۔ موت کے ڈر سے یہ حالت ہوئی ہے کہ اوسان خطا ہو گئے ہیں۔ او کصیب کا عطف مثلھم پر ہے اور یہاں او شک کے لیے نہیں بلکہ تخییر کے لیے یعنی مقصود منافقین کا حال سمجھنا ہے۔ خواہ پہلی مثال سے سمجھو یا دوسری سے۔

يَكَادُ البَرقُ يَخطَفُ أَبصَارَہم
قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی بینائی کو اچک لے اور ختم کر دے۔
اس آیت میں کفار و منافقین کا دنیوی حال بیان کیا گیا ہے اور وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ ایک اور آیت میں ان کا اخروی حال بھی اسی طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
وَنَحشُرُہُم یَومَ القِیَامَۃِ عَلَی وُجُوہِہِم عُمیًا وَبُکمًا وَصُمًّا مَأوَاہُم جَہَنَّمُ کُلَّمَا خَبَت زِدنَاہُم سَعِیرًا۔ (بنی اسرائیل: 97)
اور ہم اٹھائیں گے ان کو قیامت کے روز ان کے منہ کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے کہ جب وہ بجھنے لگے گی تو ہم ان پر اس کو اور بھڑکائیں گے۔
گویا دنیا میں بھی ان پر حقائق پوشیدہ ہیں اور آخرت میں بھی ان پر حقائق پوشیدہ رہیں گے۔
کُلَّمَا أَضَاءَ لَہم مَّشَوا فِیہ
یہ منافقین ہیں کہ یہ اسلام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ جہاں فائدہ ملنے کی امید ہو تو آ جاتے ہیں اور اگر فائدہ ملنے کی امید نہ ہو تو دور بھاگتے ہیں۔ جیسے غزوہ احد میں ہوا کہ راستے سے ہی تقریباً تین سو منافقین بھاگ گئے، لیکن مال غنیمت کی تقسیم کے وقت پھر آ گئے۔

إِنَّ اللَّہ عَلَی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ
حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم سب کے لیے ہدایت ہے، لیکن منافقین نے اس ہدایت کے عوض گمراہی کو اپنا لیا تو وبال کے مستحق ہو گئے۔
یہاں کان میں انامل ڈالے جاتے ہیں تو یہ ذکر جہالت ہے یعنی راس الاصبع ڈالتے ہیں یعنی ان کی حالت ایسی ہے کہ ساری انگلی جا سکتی تو وہ بھی ڈال دیتے۔ بہرحال یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی ہدایت ان کے لیے بھی تھی، لیکن ان پر وبال ہے۔ اگلی آیت میں طریقہ ہدایت ہے۔

رکوع ۳

21. یَا أَیُّہا النَّاسُ اعبُدُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُم وَ الَّذِینَ مِن قَبلِکُم لَعَلَّکُم تَتَّقُونَ
22. الَّذِی جَعَلَ لَکُمُ الأَرضَ فِرَاشًا وَ السَّمَاءَ بِنَاءً وَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخرَجَ بِہ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزقًا لَّکُم فَلَا تَجعَلُوا لِلَّہ أَندَادًا وَ أَنتُم تَعلَمُونَ
23. وَ إِن کُنتُم فِی رَیبٍ مِّمَّا نَزَّلنَا عَلَی عَبدِنَا فَأتُوا بِسُورَۃ مِّن مِّثلِہ وَ ادعُوا شُہدَاءَکُم مِّن دُونِ اللَّہ إِن کُنتُم صَادِقِینَ
24. فَإِن لَّم تَفعَلُوا وَ لَن تَفعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِی وَقُودُہا النَّاسُ وَ الحِجَارَۃ أُعِدَّت لِلکَافِرِینَ
25. وَ بَشِّرِ الَّذِینَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَہم جَنَّاتٍ تَجرِی مِن تَحتِہا الأَنہارُ کُلَّمَا رُزِقُوا مِنہا مِن ثَمَرَۃ رِّزقًا قَالُوا ہذَا الَّذِی رُزِقنَا مِن قَبلُ وَ أُتُوا بِہ مُتَشَابِہا وَ لَہم فِیہا أَزوَاجٌ مُّطَہرَۃ وَ ہم فِیہا خَالِدُونَ
26. إِنَّ اللَّہ لَا یَستَحیِی أَن یَضرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَۃ فَمَا فَوقَہا فَأَمَّا الَّذِینَ آمَنُوا فَیَعلَمُونَ أَنَّہ الحَقُّ مِن رَّبِّہِم وَ أَمَّا الَّذِینَ کَفَرُوا فَیَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّہ بِہذَا مَثَلًا یُضِلُّ بِہ کَثِیرًا وَ یَہدِی بِہ کَثِیرًا وَ مَا یُضِلُّ بِہ إِلَّا الفَاسِقِینَ
27. الَّذِینَ یَنقُضُونَ عَہدَ اللَّہ مِن بَعدِ مِیثَاقِہ وَ یَقطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّہ بِہ أَن یُوصَلَ وَ یُفسِدُونَ فِی الأَرضِ أُولَـٰئِکَ ہمُ الخَاسِرُونَ
28. کَیفَ تَکفُرُونَ بِاللَّہ وَ کُنتُم أَموَاتًا فَأَحیَاکُم ثُمَّ یُمِیتُکُم ثُمَّ یُحیِیکُم ثُمَّ إِلَیہ تُرجَعُونَ
29. ہوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُم مَّا فِی الأَرضِ جَمِیعًا ثُمَّ استَوَی إِلَی السَّمَاءِ فَسَوَّاہنَّ سَبعَ سَمَاوَاتٍ وَ ہوَ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیمٌ

ترجمہ:

۲۱. اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔
۲۲. جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے سو کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے بھی ہو۔
۲۳. اور اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ

کے سوا جس قدر تمہارے حمایتی ہوں بلا لو اگر تم سچے ہو۔
۲۴.	بھلا اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔
۲۵.	اور ان لوگوں کو خوشخبری دے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کے لیے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب انہیں وہاں کا کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے ملا تھا اور انہیں ہم شکل پھل دیئے جائیں گے اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ عورتیں ہوں گی اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے۔
۲۶.	بے شک اللہ نہیں شرماتا اس بات سے کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے سو جو لوگ مومن ہیں وہ اسے اپنے رب کی طرف سے صحیح جانتے ہیں اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں اللہ کا اس مثال سے کیا مطلب ہے اللہ اس مثال سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے ہدایت کرتا ہے اور اس سے گمراہ تو بدکاروں ہی کو کیا کرتا ہے۔
۲۷.	جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے توڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔
۲۸.	تم اللہ کا کیونکر انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔
۲۹.	اللہ وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لیے پیدا کیا ہے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعبُدُوا

اس رکوع میں تذکیر بآلاء اللہ سے ہدایت کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس میں منافقین کی دوسری قسم جو قابل اصلاح ہے جن کا نور ایمان بالکل بجھا نہیں ہے۔ ان میں تھوڑی سی رمق باقی ہے، ان کی اصلاح کا طریقہ بھی اس رکوع میں مذکور ہے۔
اے لوگو! اعبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي الخ، عبادت کرو تم اپنے پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے (یعنی تمہارے آباء و اجداد) تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ وہ تمہارا پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت اور نازل کیا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالا پھلوں کو تمہارے کھانے کے لیے۔ نہ بناؤ اللہ کے لیے شریک حالانکہ تم جانتے بھی ہو اور اگر تم شک میں ہو اس چیز سے جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر تو لے آؤ کوئی سورت اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو بچو اس آگ سے کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔
یہ تو آپ نے سمجھ لیا کہ ربوبیت سبب ہے معبودیت کے لیے، ربوبیت میں سب سے بڑی نعمت اور پہلی نعمت خلق کی نعمت ہے۔ ایک شی جو عدم سے وجود میں لانا یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس لیے یہاں پر عبادت کا حکم دیا، لیکن اعبدو اللہ نہیں کہا، بلکہ اعبدوا ربکم کہا تو سبب عبادت بھی پہلے بیان کر دیا، عبادت کرو اپنے پروردگار کی۔ چونکہ یہاں بعض نعمتیں بھی مذکور ہوئی ہیں تو یہ تذکیر بآلاء اللہ ہے۔ پہلی نعمت الذی خلقکم ہے، نعمت خلق کا ذکر ہے والذین من قبلکم تم سے پہلے لوگوں کی بھی پرورش کی، اتنی بڑ نعمت کہ نیست سے ہست میں لے آئے۔ اس کی عبادت تمہارا فرض ہے۔ لعلکم تتقون تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ اس سے پہلے پڑھا کہ یہ کتاب ہدایت ہے متقین کے لیے اور متقی انسان اس طرح بنتا ہے متقی بن کر اس ہدایت کے مستحق ہوں گے جس کے لیے کتاب نازل کی گئی ہے۔ متقی بننا یہ بھی عبادت ہے اور تقویٰ خود عبادت ہے۔
یہاں پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر تقویٰ عبادت ہے تو پھر لعلکم تعبدون ہونا چاہیے۔ لعلکم تتقون کے بجائے۔ لعلکم تعبدون سے تکرار لازم آئے گا کہ عبادت کرتا کہ عبادت گزار بن جاؤ؟ اور اگر اعبدوا ربکم کے بجائے اتقوا ربکم کہا جاتا تو یہاں بھی تکرار ہے۔ یعنی عمل اور نتیجہ عمل دونوں ایک ہو جائیں گے تو اس سے کلام میں فائدہ نہیں ہو گا؟
جواب یہ ہے کہ عبادت صرف تقویٰ ہی نہیں عبادت کا ایک وسیع مفہوم اور متعدد مدلولات ہیں، لیکن یہاں عبادت سے مراد مبداء عبادت ہے اور تقویٰ منتہی عبادت ہے۔ تم عبادت کرو یعنی نسبت عبدیت اس کے ساتھ قائم کر لو۔ اس کے بعد نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ انتہائی مدارج عبادت کو پہنچ جائیں گے، قیام نسبت عبادت ہے اور انتہی میں تقویٰ کے اصل مقام تک پہنچ جاؤ گے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تم ابتداء کرو تاکہ انتہا کو پہنچ جاؤ۔ اس لیے تکرار نہیں اور فائدہ بھی ہے۔ یہ اعتراض عام طور پر مفسرین نے لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت علقمہ سے بالتصریح روایت ہے کہ جس آیت کی ابتداء یا ایھا الناس سے ہوتی ہے، وہ آیت مکی ہوتی ہے اور جس آیت کی ابتداء یا ایھا الذین اٰمنوا سے ہوتی ہے وہ مدنی ہوتی ہے۔ آیت مکیہ میں مخاطب مشرکین ہوتے ہیں اور آیت مدنیہ کے مخاطب مومنین مدینہ وغیرہم ہوتے ہیں، لیکن سورۃ بقرہ مدنیہ ہے اور یا ایھا الناس کی آیت بھی مدنیہ ہے۔ کسی نے انکار

بھی نہیں کیا ہے۔ اگرچہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مدنی سورت میں مکی آیت اور مکی سورت میں مدنی آیت آ جائے، لیکن یہ بالاتفاق مدنی ہے۔ گویا یہاں مفسرین کا قاعدہ مجروح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے بالعکس بھی ہے، یعنی سورۃ تحریم میں آتا ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُم وَأَهلِيكُم نَارًا الخ۔ یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے شروع ہوئی باوجودیکہ سورۃ تحریم مکی ہے تو اس سے بھی وہ قاعدہ مجروح ہو جاتا ہے۔
اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرت علقمہ نے یہ نہیں کہا کہ جہاں یا ایھا الناس ہو وہ آیت مکیہ ہو گی ورنہ مدنیہ ہو گی، بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ یا ایھا الناس کے مخاطب مشرکین مکہ ہوتے ہیں خواہ آیت مدنی ہو اور یا ایھا الذین اٰمنوا سے مومنین مراد ہیں (مشرکین مکہ جب ایمان لائے تھے تو پہلے ان سے خطاب تھا) تو یہاں پر یا ایھا الناس اس سے مخاطب وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان نہیں لائے ہیں، وہ مشرکین ہیں کہ لوٹ آؤ اور پروردگار کی نعمتوں کو دیکھو۔
لعل کا لفظ ترجی کے لیے ہوتا ہے، امید ہے مستقبل میں ایسا ہو گا تو ترجی بالنسبت الی اللہ کیسے جائز ہوئی۔ ہم تو اس لیے ترجی کرتے ہیں کہ ہمیں اصل واقعہ کا علم نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ تو مستقبل کا عالم ہے تو توقع کی کیا بات ہے۔ گویا اللہ کے کلام میں لعل صیغہ ترجی کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے؟
چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ لعل جب بھی اللہ کے کلام میں آئے تو اس سے مراد یقین ہی ہوتا ہے۔
قدریہ چونکہ تقدیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے بھی منکر ہیں کہ کسی کام کے ہو چکنے سے قبل اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات نہیں ہوتی کہ یہ کام کیسے ہو گا؟ ہو گا یا نہیں ہو گا۔ تو ان کے ہاں لفظ لعل یہاں بھی حقیقی معنی پر محمول ہے یعنی ترجی اور شک کے معنی میں ہے۔
وجہ تسمیۃ القدریۃ بالقدریۃ:
لانھم یثبتون القدر لانفسھم وینفونہ من اللہ۔
یعنی یہ لوگ صفت قدر کی نفی اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اور اپنے لیے اس کو ثابت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کو قدریہ کہا جاتا ہے۔
یہاں سے ایک آدمی پنڈی کے لیے چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس نے گوجرانوالہ ٹھہرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مجبور نہیں کیا۔ وہ اپنے اختیار سے ٹھہرا۔ اللہ کے علم نے اسے مجبور نہیں کیا۔ قدریہ علم کے منکر نہیں ہیں، مگر اس کی قدرت کے منکر ہیں۔ ہمارے ہاں تقدیر صرف علم الٰہی کا نام ہی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کا نام تقدیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل کسی کو نہیں بتاتا۔ اسی تفصیل علم کا نام تقدیر ہے۔
الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الأَرضَ فِرَاشًا
جس نے زمین کو بچھونا بنایا مانند فرش کے کہ جس میں تم سکونت کرتے ہو۔
نہ تو ایسا سخت بنایا پتھر کی طرح کہ جس پر سکونت کرنا مشکل ہو اور نہ اتنا نرم بنایا کہ اس میں دھنس جائے۔ فراشا یعنی سکونت کے قابل بنایا گیا ہے۔ زمین کو فرش بنانا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے پھر آسمان کو چھت بنانا بھی بہت بڑا احسان ہے۔ بہرحال آسمان و زمین کو اس طرح بنایا کہ تم آرام و سکون سے رہو اور یہ دونوں اپنے اپنے مقام سے ہلتے نہیں ہیں۔
چنانچہ ارشاد ہے:
إِنَّ اللَّهَ يُمسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ أَن تَزُولا۔ (فاطر: 41)
بیشک اللہ ہی تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ وہ ٹل جائیں اپنی جگہ سے۔
قدیم فلاسفہ کے مطابق ستارے آسمان میں مرکوز ہیں، لیکن قرآن کی ہدایات کی روشنی میں تارے آسمان سے نیچے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح الخ، اور ہم نے آراستہ کیا آسمان اول کو چراغوں سے، یعنی زمین کی طرف ساتویں اور سب سے نچلے آسمان کو آراستہ کیا ہے ستاروں سے اور جس چیز کے ذریعہ زینت دی جاتی ہے وہ چیز ہمیشہ سامنے لگتی ہے۔ اس لیے آسمان اوپر ہے اور تارے نیچے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آسمان ٹھوس جسم ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے کچھ طبقات ہوں۔ بہرحال اس کی تحقیقات ہمارے عقیدہ سے متعلق نہیں ہیں۔ زیادہ توجہ عقیدہ کی درستگی پر مرکوز رکھیں۔
باقی کسی آسمان کا سونے یا زبرجد کا ہونا کسی مستند روایت سے ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح زمین کے مختلف طبقات اور مختلف حصے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:
وَفِي الأَرضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ اور زمین میں پاس پاس کئی قسم کے ٹکڑے ہوتے ہیں (الرعد: 4)
وفی الارض آیات للمومنین اور زمین میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانھا وغرابیب سود۔ اور پہاڑوں میں سے حصے ہیں سفید اور سرخ مختلف رنگوں کے اور کالے سیاہ (الفاطر: 27) اور پھر زمین سے مختلف قسم کی چیزیں اگتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے والارض ذات الصدع اور (قسم ہے) زمین کی جو پھٹ جاتی ہے (نباتات سے) زمین

میں سب سے بڑی قوت انبات یعنی اگانے کی ہے اور پانی بھی زمین سے نکلتا ہے، جیسا کہ فرمان خداوندی ہے وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناہ فی الارض اور نازل کیا ہم نے آسمان سے پانی ایک اندازے کے ساتھ پھر ٹھہرا دیا ہم نے اس کو زمین میں تو یہی پانی پھر زمین سے نکلتا رہتا ہے۔ اس طرح زمین میں نشو و نما کی طاقت ہے۔ چیزیں اگنے کے بعد پھر بڑھتی رہتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:
مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ۔
مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ، اگیں جس سے سات بالیں، ہر بال میں ہوں سو دانے، یہ زمین کی نشو و نما کی مثال ہے۔
اسی طرح زمین سے تیل بھی نکلتا ہے۔ پہلے تیل نہیں نکلتا تھا لیکن اب نکلتا ہے۔ سمندروں کے درمیان سے اور سمندروں کی تہہ سے بھی تیل نکالتے ہیں۔ اس لیے دریا میں جو شور زمین ہے، وہ بھی بے فائدہ نہیں ہے۔ اسی طرح تمام معادن سونا چاندی سب زمین میں ہیں۔ پتا نہیں آپ کو زمین سے کیا کیا مل رہا ہے۔ عرب جو فاقہ کش قوم تھی اب ان کے پاس اتنی دولت ہے کہ امریکا برطانیہ یہ بڑی طاقتیں بھی ان کے آگے جھکی جاتی ہیں، لیکن عربوں کو سیاسی طور پر کھڑا نہیں ہونے دیتیں۔ سامراج انہیں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ تیل کے کنوؤں پر ان عربوں کے اپنے کارندے محافظ نہیں ہیں، بلکہ سب یورپ کے لوگ ہیں۔
عرب کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے، آسمان اور زمین کی تخلیق کے بعد حجاز میں اتنی دولت کبھی نہیں آئی تھی، اب یورپ کے تمام بنک ان کے سونے سے چلتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنا پیسہ وہاں سے نکال لیں تو ان کی تمام عیاشیاں بند ہو جائیں گی، ان لوگوں کا کپڑا وغیرہ تمام چیزیں یورپی ممالک کی ہوتی ہیں۔ بازاروں میں تمام چیزیں باہر کی ہوتی ہیں۔ غلہ بھی باہر سے آتا ہے اور یہ گاڑیاں بھی باہر سے منگواتے ہیں۔ تھوڑی سی استعمال کی اور اس کو چھوڑ کر نئی خرید لی۔ سامراج نے عربوں کو عیاشی میں مبتلا کر کے ان کی سیاسی نظر مقصد سے ہٹا رکھی ہے۔ ورنہ تمام دنیا عالم اسلام کے سامنے جھک جاتی۔ سب کچھ اللہ نے دیا۔ اسی لیے ارشاد ہے کہ:
وَالأرضَ مَدَدنَاہَا وَأَلقَینَا فِیہَا رَوَاسِیَ وَأَنبَتنَا فِیہَا مِن کُلِّ زَوجٍ بَہِیجٍ (۷) تَبصِرَۃً وَذِکرَی لِکُلِّ عَبدٍ مُنِیبٍ۔ (ق: 7-8)
اور زمین کو ہم نے بچھا دیا اور ڈال دیے اس میں مضبوط پہاڑ اور اگائیں اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں۔ بصیرت اور نصیحت ہے رجوع کرنے والے بندے کے لیے۔
بندوں کی وجہ سے یہ زمین زندہ ہے اور ایک جگہ ارشاد ہے:
وَالَّذِی نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنشَرنَا بِہِ بَلدَۃً مَیتًا کَذَلِکَ تُخرَجُونَ۔ (الزخرف: 11)
اور جس نے نازل کیا آسمان سے پانی ایک اندازے سے پھر زندہ کر دیا ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ بستی کو۔ اسی طرح تم دوبارہ نکالے جاؤ گے۔
یعنی پانی کے ذریعہ بلد میت یعنی بانجھ زمین کو زندہ کر دیا۔ الغرض زمین کو فرش بنانا اور آسمان کو (چھت) بنانا۔ صرف ان اجرام و اجسام کی تخلیق ہی نہیں کی، بلکہ انسان کی سکونت و نظام زندگی کے تمام تر وسائل ان میں فراہم کیے گئے ہیں، ودیعت کیے گئے ہیں۔
وَّاَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزقًا لَّکُم۔
اور آسمان سے پانی اتارا۔ پس اس کے ذریعہ پیدا کئے پھل جو کہ تمہارے واسطے رزق ہیں۔
اللہ تعالیٰ کے اتنے احسانات ہیں انسانوں پر، اسی طرح آسمانوں میں تارے ہیں، شمس و قمر کا نظام ہے ان کے خاص اثرات ہیں، جن سے کائنات کا سارا نظام چل رہا ہے۔ اگر سورج غروب نہ ہو تو سارا سال دن رہے اور حرج عظیم لاحق ہو۔ پھر موسم کے مطابق زمین میوے نکالتی ہے۔ اسی طرح گرمی اور سردی کا اعتدال باقی رکھا گیا ہے۔ تم لوگ روشنی حاصل کرتے ہو، یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔
فَلَا تَجعَلُوا لِلّٰہِ اَندَادًا الخ۔
پس شریک نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو۔
یہ نتیجہ ہے سابق کلام کا کہ جب اللہ تعالیٰ کے تم لوگوں پر بے پناہ احسانات ہیں تو اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔ اس کو اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے ایک مانو۔ مشرکین مکہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ کواکب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو کہا گیا کہ پھر ربوبیت میں کیوں شرک کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس کے ساتھ اس کی ذات میں یا صفات میں کوئی شریک نہیں۔
چنانچہ ارشاد باری ہے:
وَلَئِن سَأَلتَہُم مَن خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأرضَ وَسَخَّرَ الشَّمسَ وَالقَمَرَ لَیَقُولُنَّ اللَّہُ۔ (العنکبوت: 61)
اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو؟ اور مسخر کیا سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ ہی نے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب سبب عبادت خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو عبادت بھی اس کے ساتھ خاص ہونی چاہیے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ یہ دو آیتیں ہیں ایک کو اللہ تعالیٰ نے لعلکم تتقون پر ختم فرمایا اور دوسری کو وانتم تعلمون پر ختم فرمایا۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پانچ نعمتیں ذکر فرمائی ہیں جو اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے لیس لہ شریک ولا نظیر ولا ند یعنی اللہ تعالیٰ کا نہ تو کوئی شریک ہے اور نہ اس جیسا ہے اور نہ اس کا کوئی ہم پلہ ہے۔ (1) تمہارا خلق (2) تمہارے آباء و اجداد کا خلق (3) زمین کی پیدائش (4) آسمان کی پیدائش (5) آسمان سے پانی برسانا اور زمین میں چیزیں اگانا اسی کا کام ہے۔ نعمت نمبر 1 و 2 چونکہ دونوں ایک ہی جنس سے ہیں تو ان کو ایک آیت میں جمع کیا اور نعمت نمبر 3، 4، 5 یعنی خلق سماء، خلق ارض اور انزل ماء من السماء واخراج الثمرات من الارض یہ تینوں نعمتیں ایک جنس کی ہیں، لہٰذا ان تینوں کو ایک آیت میں جمع فرمایا (2) پہلی دو نعمتیں روحانی ہیں اور بعد کی تینوں نعمتیں جسمانی و حسنی ہیں (3) پہلی دونوں نعمتوں کا تعلق روح و نفس دونوں کے ساتھ ہے جبکہ بعد کی تینوں نعمتیں صرف نفس سے متعلق ہیں۔ پھر آخری تینوں کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے زمین پھر آسمان پھر آسمان و زمین دونوں مرکب یعنی پہلے مفردات کے فوائد بیان ہوئے پھر مرکب کے۔ المفرد مقدم علی المرکب طبعا یعنی طبعی طور پر مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔ پھر زمین کو مقدم ذکر کیا کیونکہ زمین اقرب ہے بنسبت آسمان کے تو اقرب کو مقدم ذکر فرمایا۔

زمین گول ہے یا نہیں:

بعض لوگوں نے فراشا سے استدلال فرمایا ہے کہ زمین گول نہیں ہے کیونکہ فراش کا معنی ہے بچھونا جس کو بچھایا جاتا ہے اور جو چیز بچھائے جائے تو چپٹی ہوتی ہے گول نہیں ہوتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمین کا کروی شکل کا ہونا فراش ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کرہ جب بہت بڑا ہو تو اس کی سطح چھوٹے بچھونے کی طرح ہوتی ہے اور زمین کی کروی ہونے پر شواہد کثیر ہیں اور قرآن کریم میں کہیں کروی ہونے کا انکار نہیں ہے۔ اب ہوائی جہاز پوری زمین میں جا سکتے ہیں۔ فیجی، فلپائن سے جا کر امریکہ سے مل جاتے ہیں تو ایک جگہ سے روانہ ہو کر پھر اسی جگہ پہنچ جانا کرہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ غروب و طلوع کا اختلاف اور اوقات نماز سحر وغیرہ کا اختلاف یہ سب علامات ہیں زمین کے کرہ ہونے کی تو اختلاف مطالع اس وجہ سے ہے۔

شبہ و جواب شبہ:

اب سوال یہ ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے یا ابر سے۔ بظاہر قرآن کریم میں دونوں طرح کی آیات موجود ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں اور اس جیسی دیگر آیات میں تو یہ مذکور ہے کہ بارش آسمان سے برستی ہے اور ایک ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَأَرسَلنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسقَينَاكُمُوهُ (الحجر: 22)

اور بھیجا کرتے ہیں ہم ہوائیں بھری ہوئی (بخارات سے) پھر نازل کیا کرتے ہیں ہم آسمان سے پانی، پھر وہ پانی ہم تم کو پلاتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ أَأَنتُم أَنزَلتُمُوهُ مِنَ المُزنِ أَم نَحنُ المُنزِلُونَ۔ کیا تم نے اس کو اتارا بادل سے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں؟ (الواقعہ: 69)

اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس آیت میں من ابتدائیہ کے لیے ہے یعنی پانی کی ابتدا آسمان سے ہے یا مزن سے ہے۔ الجواب، مفسرین نے ان آیات میں تطبیق یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک نفس مطر کی ابتدا ہے کہ مطر کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ اور دوسرا مطر کی قضا اور مطر کے حکم کا فیصلہ کہاں سے ہوا؟ چنانچہ یہ مطر من تحت العرش ہے۔ آسمان اور تحت العرش سے پانی نازل فرمایا یعنی اس کا حکم عرش سے آیا تو مطر با اعتبار حکم و قضا کے من السماء ہے اور نفس مطر من السحاب ہے، لہٰذا اشکال رفع ہو گیا اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بوئنگ طیارہ جو تقریباً 35، 37 ہزار فٹ بلندی پر ہوتا ہے۔ یہ بادلوں کے اوپر ہوتا ہے۔ جب موسم صاف ہو تو آسمان نیل گوں نظر آتا ہے تو اوپر بارش نہیں ہوتی اور پتا بھی نہیں چلتا۔ لہٰذا بارش مزن (بادل) سے ہوتی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلے وانزلنا من السماء ماء والی آیت صادق آتی ہے کہ آسمان سے بارش برسنے کے بعد جب زمین میں پانی ٹھہرا تو پھر بخارات بن کر اوپر چڑھ گیا اور بادلوں سے برسنے لگا تو من المزن والی آیت بھی درست ہے۔ گویا مختلف اعتباروں سے دونوں آیتیں درست ہیں۔ (لولا الا اعتبارا بطلت العبارات) اور پہلی آیت میں تمہارے خلق کو مقدم کیا ہے کیونکہ وہ بنسبت آباء و اجداد کے خلق کے اقرب ہے۔

وَ إِن كُنتُم فِي رَيبٍ مِّمَّا نَزَّلنَا عَلَى عَبدِنَا فَأتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثلِهِ

اور اگر تم ہو شک میں اس کلام کی بابت جو نازل کیا ہم نے اپنے بندے پر تو تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ کفار یہ کہہ سکتے ہیں کہ جی ہم اللہ کی عبادت کریں گے، لیکن جس وحی کی بنیاد پر ہمیں دعوت دی جا رہی ہے اس وحی کی صداقت و حقانیت میں ہمیں شک ہے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا ارشاد فرمایا کہ اگر اس کتاب کے کلام خداوندی ہونے میں تمہیں شک ہے تو پھر اس کی کوئی نظیر و مثال پیش کرو۔

شبہ اولی:

کفار کو جو شک قرآن کریم کی حقانیت میں ہو رہا تھا تو ممکن ہے کہ اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ قرآن کریم تورات و انجیل کی طرح دفعۃً نازل نہیں ہوا، بلکہ موقع کی ضرورت کے پیش نظر تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ اس وجہ سے کفار نے شک کیا ہو کہ اگر یہ کلام الٰہی ہوتا تو دفعۃً نازل ہو جاتا جیسا کہ تورات، انجیل سے اللہ تعالیٰ نے معاملہ فرمایا۔

شبہ ثانیہ:

اور ان کے شک کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جیسے فصحاء و بلغاء و شعراء کلام کو تالیف کر کے دفعتاً پیش کرتے تھے اور تھوڑا تھوڑا تالیف نہ کرتے تھے۔ قرآن کریم بھی حسب موقع تھوڑا تھوڑا اترتا گیا۔ انہوں نے گویا حضور ﷺ کو قیاس کیا شعراء و بلغاء پر کہ حضور ﷺ اپنے پاس سے کلام تھوڑا تھوڑا تالیف کر کے پیش کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اگر تمہیں شک ہو تو اس کی مثال پیش کرو۔ اس کے مضامین جیسی کوئی ایک چھوٹی سی سورت پیش کرو اور یہاں پر انزلنا نہیں فرمایا بلکہ نزلنا باب تفعیل کو استعمال فرمایا تاکہ معلوم ہو کر قرآن نجماً نجماً نازل ہوا ہے۔

قرآن کریم کی اعجازی شان:

آپ ﷺ کے زمانہ میں شعراء کا دور دورہ تھا۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں حکیموں اور طبیبوں کا دور تھا، حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادوگروں کا راج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ نبی کے دور میں جس فن کے ماہر تھے ان پر حجت تمام ہو جائے تاکہ ان کو نبوت و رسالت پر دلائل کی دنیا میں قائل کیا جا سکے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا عصا نصیب فرمایا کہ میدان میں اژدھا بن گیا۔ تمام جادوگر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور ان کا جادو اس لاٹھی کے آگے ماند پڑ گیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ مادر زاد نابینا بچوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بینا کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کر کے اللہ کے حکم سے اٹھا لیتے تھے۔ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا لوگوں کو اللہ کے حکم سے اچھا کر دیتے تھے، جبکہ کوڑھ کے بیمار اور مادر زاد نابینا کو حکیم لاعلاج قرار دے چکے تھے، اسی طرح سرور دو عالم حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں بڑے بڑے شاعر، بڑے بڑے بلغاء و فصحاء موجود تھے، اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن عظیم کا معجزہ نصیب فرمایا جس کے آنے کے بعد فصحاء، بلیغوں کی بلاغت اور شعراء کی شاعری کے بازار ٹھنڈے پڑ گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چیلنج کرنے پر نہ تو کوئی سورت پیش کر سکے اور نہ آیت۔ اعجاز باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کا عمنی ہے عاجز کر دینا۔ کفار کو چیلنج کیا گیا کہ تم اپنے معین و مددگار اکٹھے کرو پھر قرآن کی کوئی مثل تیار کرو۔ شہداء شہید کی جمع ہے، شہید ماخوذ ہے شہود سے، یہ لوگ اپنے معبودین کو یہ سمجھتے تھے کہ جب بھی پکارا جائے تو وہ پہنچ جاتے ہیں۔ علم اور قدرت دونوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ وہ لوگ مشکل میں یا عزی و یالات کہتے تھے۔ آج بھی تکلیف میں کوئی کسی کا نام لیتا ہے تو کوئی کسی کا، اور سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس علم محیط ہے، ہماری آواز کو سنتے ہیں، ان کا عقیدہ بھی مشترکہ ہے، بعض آدمی جب غلطی پر ہوتے ہیں تو دلائل پیش کرنے کے لیے اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ واپس نہیں لوٹ سکتے۔

مشرکین کہتے تھے کہ یہ گواہ ہیں اللہ کے پاس، تو شہید معنی گواہ کے بھی ہو گا اور فرمایا کہ ایک سورت قصیر بنا لو۔ اگر تم اس عقیدہ میں سچے ہو کہ تمہارے معبود قادر ہیں یا مشکل کشا ہیں یا استعانت ان سے جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر عبدنا کہا ہے رسولنا نہیں کہا ہے۔ باوجودیکہ یہاں رسولنا کہنا بظاہر زیادہ مناسب تھا کہ نزول وحی رسول پر ہوئی ہے۔ ایک شخص جب صفت نبوت کے ساتھ موصوف ہو تو تنزیل و رسالت میں تو مناسبت ظاہر ہے، لیکن عبدیت و رسالت میں بظاہر کوئی ربط نہیں ہے؟

یہاں عبدیت کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے عبدنا کہا ہے کہ عبد ہونا نچلا مقام نہیں ہے۔ چنانچہ متعدد مقامات میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی شان صفت عبدیت سے بیان فرمائی ہے۔ سورۃ کہف کی پہلی آیت ہے:

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَنزَلَ عَلَی عَبدِہِ الکِتَابَ وَلَم یَجعَل لَہُ عِوَجَا۔

اسی طرح سورۃ فرقان کی پہلی آیت ہے:

تَبَارَکَ الَّذِی نَزَّلَ الفُرقَانَ عَلَی عَبدِہِ لِیَکُونَ لِلعَالَمِینَ نَذِیرًا۔

اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

سُبحَانَ الَّذِی أَسرَی بِعَبدِہِ لَیلا مِنَ المَسجِدِ الحَرَامِ الخ۔

ان تمام جگہوں میں صفت عبدیت کو ملحوظ رکھا گیا۔

مسئلہ نقل کلام العباد، کلام اللہ ہے یا نہیں؟

قرآن کریم میں بسا اوقات عباد کے کلام کو نقل کیا گیا ہے۔ قال فرعون وغیرہ نقل کیا ہے تو وہ آیات جس میں اللہ نے کسی عبد کے کلام کو نقل کیا۔ کیا اس کی نظیر بھی پیش نہیں کر سکتے کہ وہ کلام اللہ ہے۔ اب فاتحہ میں الحمد للہ رب العالمین الخ پڑھی تو یہ بندہ کہتا ہے تو سورۃ الفاتحہ ہو قول علی لسان العباد یعنی کلام العبد ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں جو قصص وارد ہیں تو

اس کی نظیر کیوں پیش نہیں کی جا سکتی۔
اصل میں دوسرے کے کلام کو نقل کرنے کے دو طریق ہیں۔ ایک روایت باللفظ ہے، ایک روایت بالمعنی ہے، جیسے احادیث میں ہوتا ہے۔ روایت باللفظ میں ہمیشہ وہی الفاظ رکھے جاتے ہیں اور روایت بالمعنی میں الفاظ اپنے اور مراد دوسرے کی ہوتی ہے۔
اللہ نے قرآن کریم میں جہاں عباد کے کلام کو نقل کیا ہے۔ وہاں الفاظ اس کے اپنے ہیں تو یہ روایت بالمعنی ہے کیونکہ فرعون کی زبان عربی نہیں تھی، لیکن سب عربی میں نقل کیا فرعون نے موسیٰ سے کہا وما رب العالمین اور پھر اس کے جوابات ان رسولکم الذی ارسل الیکم الخ تو یہ عربی میں نہیں کہا تھا۔ یہ روایت بالمعنی ہے اور اللہ کا کلام ہے۔ اس لیے اس کی مثل نہیں پیش کر سکتے۔ اس لیے یہ تحدی عام تحدی ہے، عام چیلنج ہے۔
یہاں سورۃ بقرہ میں ایک سورت کا چیلنج کیا گیا ہے اور سورۃ یونس میں بھی سورۃ کا چیلنج کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
قُل فَأتُوا بِسُورَةٍ مِثلِہِ وَادعُوا مَنِ استَطَعتُم مِن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُم صَادِقِينَ۔ (یونس: 38)
کہہ دیجیے کہ تم لے آؤ کوئی سورت ویسی ہی اور بلا لو جنہیں تم بلا سکو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے۔
اسی طرح سورۃ ہود میں دس سورتوں کا چیلنج کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:
قُل فَأتُوا بِعَشرِ سُوَرٍ مِثلِہِ مُفتَرَيَاتٍ الایۃ (ہود: 13)
کہہ دیجیے تو لے آؤ تم بھی دس سورتیں ویسی گھڑی ہوئی۔
اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل میں پوری کتاب کا چیلنج کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:
قُل لَئِنِ اجتَمَعَتِ الإنسُ وَالجِنُّ عَلَى أَن يَأتُوا بِمِثلِ ہَذَا القُرآنِ لا يَأتُونَ بِمِثلِہِ وَلَو كَانَ بَعضُہُم لِبَعضٍ ظَہِيرًا۔ (بنی اسرائیل: 88)
(اے نبی) آپ کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جنات اس قرآن کی مثل لانے پر متفق ہو جائیں تو اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ ان کے بعض بعض کے مددگار ہوں۔
اس آیت میں پورے قرآن کی مثل کا چیلنج کیا گیا ہے۔ یہ کل چار مقامات ہیں۔ ان چار مقامات کی تحدی اور چیلنج میں کوئی معارضہ یا تضاد نہیں ہے۔ شاید پہلے پورے قرآن کی مثل کا چیلنج کیا گیا ہو۔ جب یہ مثل پیش کرنے سے عاجز رہے تو پھر دس سورتوں کا چیلنج کیا گیا۔ پھر ایک سورت اور بعض سورت کا بھی چیلنج کیا گیا۔ گویا تنزل ہے من الاعلی الی الاسفل اور یہ طریقہ کار خصم و دشمن کے لیے انتہائی ذلت و پسپائی کا ہے۔ یہ ارخاء عنان ہے کہ نہ پورے قرآن کی مثل پیش کر سکیں، نہ کوئی سورت، نہ کوئی آیت۔

رکوع ۳

21۔ يَا أَيُّہَا النَّاسُ اعبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُم وَ الَّذِينَ مِن قَبلِكُم لَعَلَّكُم تَتَّقُونَ
22۔ الَّذِى جَعَلَ لَكُمُ الأَرضَ فِرَاشًا وَ السَّمَاءَ بِنَاءً وَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخرَجَ بِہِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزقًا لَّكُم فَلَا تَجعَلُوا لِلَّہِ أَندَادًا وَ أَنتُم تَعلَمُونَ
23۔ وَ إِن كُنتُم فِى رَيبٍ مِّمَّا نَزَّلنَا عَلَى عَبدِنَا فَأتُوا بِسُورَۃٍ مِّن مِّثلِہِ وَ ادعُوا شُہَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللہِ إِن كُنتُم صَادِقِينَ
24۔ فَإِن لَّم تَفعَلُوا وَ لَن تَفعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِى وَقُودُہَا النَّاسُ وَ الحِجَارَۃُ أُعِدَّت لِلكَافِرِينَ
25۔ وَ بَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَہُم جَنَّاتٍ تَجرِى مِن تَحتِہَا الأَنہَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنہَا مِن ثَمَرَۃٍ رِّزقًا قَالُوا ہَذَا الَّذِى رُزِقنَا مِن قَبلُ وَ أُتُوا بِہِ مُتَشَابِہًا وَ لَہُم فِيہَا أَزوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ وَ ہُم فِيہَا خَالِدُونَ
26۔ إِنَّ اللہَ لَا يَستَحيِى أَن يَضرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَۃً فَمَا فَوقَہَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعلَمُونَ أَنَّہُ الحَقُّ مِن رَّبِّہِم وَ أَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّہُ بِہَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِہِ كَثِيرًا وَ يَہدِى بِہِ كَثِيرًا وَ مَا يُضِلُّ بِہِ إِلَّا الفَاسِقِينَ
27۔ الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَہدَ اللَّہِ مِن بَعدِ مِيثَاقِہِ وَ يَقطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّہُ بِہِ أَن يُوصَلَ وَ يُفسِدُونَ فِى الأَرضِ أُولَئِكَ ہُمُ الخَاسِرُونَ
28۔ كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللَّہِ وَ كُنتُم أَموَاتًا فَأَحيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحيِيكُم ثُمَّ إِلَيہِ تُرجَعُونَ
29۔ ہُوَ الَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى الأَرضِ جَمِيعًا ثُمَّ استَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاہُنَّ سَبعَ سَمَاوَاتٍ وَ ہُوَ بِكُلِّ شَىءٍ عَلِيمٌ

ترجمہ:

۲۱. اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

۲۲. جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے سو کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے بھی ہو۔
۲۳. اور اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جس قدر تمہارے حمایتی ہوں بلا لو اگر تم سچے ہو۔
۲۴. بھلا اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔
۲۵. اور ان لوگوں کو خوشخبری دے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کے لیے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب انہیں وہاں کا کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے ملا تھا اور انہیں ہم شکل پھل دیئے جائیں گے اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ عورتیں ہوں گی اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے۔
۲۶. بے شک اللہ نہیں شرماتا اس بات سے کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے سو جو لوگ مومن ہیں وہ اسے اپنے رب کی طرف سے صحیح جانتے ہیں اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں اللہ کا اس مثال سے کیا مطلب ہے اللہ اس مثال سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے ہدایت کرتا ہے اور اس سے گمراہ تو بدکاروں ہی کو کیا کرتا ہے۔
۲۷. جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے توڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔
۲۸. تم اللہ کا کیونکر انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔
۲۹. اللہ وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لیے پیدا کیا ہے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔

افادات محمود

فَإِن لَّم تَفعَلُوا وَ لَن تَفعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِی وَقُودُہا النَّاسُ وَ الحِجَارَۃ أُعِدَّت لِلکَافِرِینَ
پس اگر تم (سورت پیش) نہ کر سکو اور ہرگز (پیش) کر بھی نہیں سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔
یہاں فاتقوا کا جملہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ تم متقین میں شامل ہو جاؤ گے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ جب شروع میں فرمایا کہ فان لم تفعلوا تو کوئی یہ سوچ سکتا تھا کہ اگر مجھ کو مہلت مل گئی اور تیاری کا موقع مل گیا تو ہم مثل پیش کر دیں گے۔ پھر اس وہم کو بھی دور فرمایا کہ تم اس معاملہ میں جتنی کوشش کرو گے لا حاصل ہو گی، خواہ کتنا ہی طویل زمانہ تم کو مل جائے، لیکن ہرگز اس کی مثل پیش نہیں کر سکو گے۔ ان جملہ شرطیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس میں امکان مقدم شرط نہیں ہے مقدم ہو یا نہ ہو، لیکن جملہ شرطیہ میں اصل میں تلازم بین الشرط والجزاء کو دیکھا جاتا ہے۔ جیسے ان کان زید حمارا کان ناھقا تو تلازم بین الشرط والجزاء درست ہے یہ جملہ صادقہ ہے اور مقدم کا امکان نہیں ہے۔ یہاں بھی فان لم تفعلوا میں مقدم کا امکان نہیں ہے یعنی مثل پیش کرنے کا امکان نہیں ہے تو یہ ان کا فائدہ ہوا اور آگے ولن تفعلوا فرما کر مایوس کر دیا کہ یہ کام تو تم سے ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ البتہ تقویٰ کی فکرو کرو۔ ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہونے کی فکر کرو اور اس آگ سے بچنے کی فکر کرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور یہ چیلنج عربی زبان میں ہے کہ عربی زبان میں اس کی مثل پیش کرو۔ کسی اور زبان کو چیلنج نہیں ہے۔ وقود وہ چیز جس سے آگ روشن ہوتی ہے اور والحجارۃ سے مراد یا تو وہ پتھر ہیں جن سے بت تراشتے گئے تھے یا گندھک نما پتھر جن سے آگ خوب تیز ہوتی ہے اور شاید اس حکم میں جنات بھی شامل ہوں۔ ان کو اللہ کے قہر و غضب سے ڈرایا گیا ہو، لیکن پہلے مخاطب انسان ہیں کیونکہ خطاب یا ایھا الناس سے شروع ہوا ہے:
أُعِدَّت لِلكٰفِرِینَ۔ تیار کی گئی ہے کفار کے لیے۔

الجنۃ والنار مخلوقتان جنت اور جہنم پیدا کیے جا چکے ہیں:
اعدت ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ تیار ہے اور جنت و جہنم پیدا کیے جا چکے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ قیامت کے دن پیدا کیے جائیں گے۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت مسلمانوں کا ہے، کیونکہ تحقق وقوع کی تاویل نہیں کر سکتے۔ ہمارا یہی عقیدہ ہے، تاویل کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کوئی نص بظاہر اصول مذہب کے موافق ہے۔ اس لیے

ظاہر ہر عمل کرنا بہتر ہے۔ جہنم ایک جگہ ہے وہاں کے عذاب کی شکلیں اور صورتیں انسان کے اعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔
اسی طرح جنت ایک جگہ ہے، وہ نعمتیں مومن کے اعمال صالحہ سے پیدا ہوتی ہیں، البتہ ہر شخص کا حصہ الاٹ ہے اور اعمال صالحہ کرتے کرتے انسان اور جنت میں ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن خدانخواستہ اگر انسان نے کفر کیا اور اس کفر پر خاتمہ ہو گیا تو یہ سب کچھ چٹ یعنی صاف ہو جاتا ہے اور وہ شخص جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح برے اعمال سے انسان جہنم کے قریب تر ہو جاتا ہے، لیکن ایمان قبول کر کے آخر میں جنت میں چلا جاتا ہے۔ پھر احادیث کے ذریعہ معلوم ہوا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو گا، اس کو جہنم سے نکال دیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔
اسی طرح حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو جنت کے قریب کرتے کرتے پھر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جنت کی نعمتوں کے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:
وَ بَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَہم جَنَّاتٍ تَجرِی۔ الآیہ:
اور خوشخبری سنائیے ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے ہیں اور اعمال صالحہ کرتے ہیں کہ ان کے لیے جنتیں ہیں۔
آٹھ جنتیں ہیں۔ (1) جنت الفردوس (2) جنت عدن (3) جنت الماوی (4) جنت دار الخلد (5) جنت دار السلام (6) جنت دار المقامۃ (7) علیین (8) جنت النعیم۔ آٹھ جنتوں سے مراد جنت کے آٹھ طبقات ہیں۔
جبکہ جہنم کے سات طبقات ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا کہ ان جنتوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یعنی سیلاب نہ ہو گا، مکان نہ گریں گے۔ وہ نہریں نقصان دہ نہیں ہوں گی۔
كُلَّمَا رُزِقُوا مِنہا مِن ثَمَرَۃ رِّزقًا قَالُوا ہٰذَا الَّذِی رُزِقنَا مِن قَبلُ وَ أُتُوا بِہ مُتَشَابِہا
جب بھی دیا جائے گا ان کو اس جنت میں سے کوئی پھل بطور رزق کے تو کہیں گے کہ یہ وہی تو ہے جو اس سے قبل ہم کو دیا گیا تھا اور دیئے جائیں گے ملا جلا یعنی پہلے رزق کے ہم رنگ و ہم صورت پھل دیے جائیں گے۔
یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ لفظ کلما دلالت کرتا ہے تمام افراد رزق پر اور تمام مرات رزق کو شامل ہے یعنی جو بھی چیز جس وقت بھی دی جائے گی۔ تو وہ لوگ کہیں گے کہ یہ پہلی کی طرح ہے۔ جیسا کہ طلاق میں لفظ کلما میں تعمیم ہوتی ہے ہر عورت اور ہر نکاح اس لفظ میں شامل ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جنت میں جب پہلی بار بالکل ابتداء میں جنتیوں کو گوشت یا پھل وغیرہ ملیں گے تو اس وقت یہ کیسے کہیں گے ھذا الذی رزقنا من قبل، کیونکہ اس سے پہلے تو ان کو کوئی چیز ملی نہیں ہو گی؟ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ من قبل سے مراد اس صورت میں دنیا کی نعمتیں ہوں گی، کیونکہ جیسے دنیا میں کھجوریں، انگور، انار، سیب وغیرہ پھل اور گوشت کے انواع ہیں تو جنت میں بھی کم و کیف کی تبدیلی کے ساتھ یہی چیزیں ہوں گی۔
مذکورہ جواب پر بھی یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب جنت کی نعمتوں کی مثالیں دنیا میں موجود ہیں اور شکل و صورت میں جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کی طرح ہوں گی تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہو گا؟ مالا عین رات ولا اذن سمعت الحدیث اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مفسرین نے تو من قبل کو عام کر دیا اور مطلب یہ ہو گا ای من قبل سواء کان فی الجنۃ او فی الدنیا یعنی قبلیت جنت کے پہلے پھلوں کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے اور دنیا کی نعمتوں کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ من قبل سے مراد جنت ہی کے پہلے پھل مراد ہیں اور جب اہل جنت کو پھل اور دیگر نعمتیں ملیں گی تو وہ پہلے پھلوں اور نعمتوں سے جو ان کو مل چکی ہیں مشابہ ہوں گی۔ تشابہت کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔
انہار اربعہ فی الجنۃ:
انہار جنت، جنت میں جو نہریں ہیں وہ چار قسم کی ذکر کی گئی ہیں، پانی کی نہریں، شہد کی نہریں و انہار من عسل مصفی، دودھ کی نہریں اور شراب کی نہریں۔ واضح رہے جنت کی شراب میں نشہ نہیں ہو گا۔
شرابی اعتراض کریں گے کہ پھر مزہ ہی کیا ہوا، لیکن دنیا کے شرابی آخرت میں محروم ہوں گے من لبسہ فی الدنیا لم یلبسہ فی الاخرۃ (الترغیب) یعنی جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہن لیا، آخرت میں اس کو نصیب نہ ہو گا۔ اگرچہ حقیقت میں وہ جنت میں چلا جائے، لیکن ولباسھم فیھا حریر نہیں ہوں گے۔ ونزعنا ما فی صدورھم من غل الایۃ، اور ہم ان کے سینوں سے کینہ نکال باہر کریں گے (الحجر: 47) تو شراب جس کو نہ ملے گی وہ بھی قانع ہو گا اور ایک غریب آدمی جس کو روٹی مل جائے تو وہ بڑے وڈیروں کی روٹی کی طرف نظر نہیں کرتا، باقی تشتھی الانفس ہے تو اس کا نفس چاہت نہیں کرے گا۔
وَ لَہم فِیہا أَزوَاجٌ مُّطَہرَۃ۔ عورتوں میں جھگڑا نہیں ہو گا جبکہ یہ بڑی صفت ہے۔ عورت کے بارے میں فرمایا:
یا معشر النساء تصدقن واکثرن الاستغفار فانی رایتکن اکثر اھل النار فقالت امرۃ من ھن وما لنا یا رسول اللہ اکثر اھل النار؟ قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیر۔ الخ (بخاری)
اے عورتوں کے گروہ صدقہ کیا کرو اور کثرت استغفار کیا کرو۔ بیشک میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ جہنم میں زیادہ تم ہی ہو۔
ایک عورت ان میں سے بولی اے اللہ رسول ایسا کیوں ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اس وجہ سے کہ تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور رشتہ داروں کی ناشکری کرتی ہو۔

لو احسنت الی احدھن دھرا اگر تو ساری زندگی ان پر احسان کرے اور پھر ذرا برابر کوئی کمی کی بات ہو گئی تو کہتی ہے ما رایت خیرا منک قط یعنی میں نے آپ سے کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔ (بخاری)
سارے احسان ایک دن میں بھول جائے گی۔ وہاں (جنت) کی عورتیں لڑیں گی نہیں۔
مطہرہ یعنی پاک ہوں گی نجاستوں سے حیض سے نفاس سے۔ یہاں تک کہ بلغم بھی نہ ہو گا۔ ناک کی رطوبت بھی نہیں ہو گی۔ فضلات بھی نہ ہوں گی، بول و براز نہ ہو گا، ایک عجیب زندگی ہو گی۔ ادھر ادھر بھاگنا نہ پڑے گا، کوئی چیز نفرت کی نہ ہو گی کہ کھانا ایک ڈکار سے ہضم ہو جائے گا۔ چنانچہ دنیا کے ہر شخص کو عورت ملے گی تو جنت میں بھی مردوں سے زیادہ ہوں گی کہ برابر ہوں گی۔ اب اگر کسی عورت کے یکے بعد دیگرے متعدد شوہر ہوں تو وہ پہلے والے کو ملے گی یا آخر والے کو۔
راجح یہ ہے کہ آخر والے کی ہو گی۔ حال ہی میں یہ سوال ہوا تھا کہ ایک عورت چار شوہر رکھ سکتی ہے؟ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ اس سے یہ نقصان ہو گا کہ لوگوں کے نسب خلط ملط ہو جائیں گے۔ ایک بچے کے متعدد باپ ہوں گے تو وہ کس کا شمار ہو گا؟ یہ یورپ والوں کی بات ہے۔ اس طرح تو حکمت تمدن بالکل نہ رہے گی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورتوں کی پیدائش زیادہ ہے اس لیے تعدد ازواج کا حکم دیا گیا ہے۔ عورتوں کی کثرت بہت زیادہ ہے۔ تناسب اسی اعتبار سے ہو گا، غیر شادی شدہ کو غیر شادی شدہ مل جائے گی۔
وّ هُم فِیہَا خٰلِدُونَ۔ خلود کے بغیر کوئی نعمت بڑی نعمت نہیں ہو سکتی ہے۔ آج نعمت ہے، کل چھن گئی۔ آج کی حسرت عمر بھر قائم رہے گی۔ اس لیے اس حسرت کو دور کرنے کے لیے خلود کی بشارت دے دی کہ عدم نعمت کا خطرہ نہ رکھو۔
علم الاشیاء الثلاثۃ ضروری المبداء و المعاد و المعاش:
محققین نے لکھا ہے کہ ایک انسان کو تین چیزیں دریافت کرنی چاہئیں۔ اول مبداء کہ میں کہاں سے آیا، کیا تھا۔ دوم معاش کہ آج میری زندگی کہاں سے چل رہی ہے۔ سوم معاد کہ میری انتہا کہاں ہے۔ تین چیزوں کا علم انسان کے لیے ضروری ہے۔ اس آیت میں تینوں چیزیں یاد دلائی ہیں۔ خلقکم تو مبداء عدم ہے کہ عدم سے وجود میں لائے۔ معاش کا ذکر جعل لکم الارض فراشا اور رزقا لکم ہے۔ پھر معاد کا بتلایا، معاد دو فرقوں کا الگ الگ ہے فاتقوا النار التی الخ معاد الکفار ہے۔ و بشر الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت ان لھم جنت تا خلدون معاد المومنین ہے۔
جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس شبہ کو رد کر دیا کہ یہ قرآن منزل من اللہ نہیں ہے تو ایک شبہ اور تھا مشرکین کا کہ قرآن کو کیسے اللہ کا کلام مانیں کہ اس میں بڑی حقیر چیزوں کو پیش کیا جاتا ہے اور کوئی بڑا آدمی ان چیزوں کا ذکر نہیں کرتا، جیسے مچھر، مکھی وان یسلبھم الذباب شیئا لا یتستنقذوہ منہ، اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس کو اس سے نہیں چھڑا سکتے۔ (الحج: 73)
اور کوئی تو ان کا نام بھی نہیں لیتا اگر اللہ تعالیٰ بزرگوں کا بزرگ ہے وہ کیوں کر ذکر کرے گا۔ لہٰذا یہ منزل من اللہ نہیں ہے؟

إِنَّ اللَّہَ لَا یَستَحیِی أَن یَضرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَۃً فَمَا فَوقَہا فَأَمَّا الَّذِینَ آمَنُوا فَیَعلَمُونَ أَنَّہ الحَقُّ مِن رَّبِّہِم وَ أَمَّا الَّذِینَ کَفَرُوا فَیَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّہ بِہٰذَا مَثَلًا یُضِلُّ بِہ کَثِیرًا وَ یَہدِی بِہ کَثِیرًا وَ مَا یُضِلُّ بِہ إِلَّا الفَاسِقِینَ
اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَستَحیٖٓ اَن یَّضرِبَ مَثَلًا الایۃ: اللہ تعالیٰ نہیں حیا کرتے، اللہ نہیں شرماتے کہ اللہ مچھر سے بیان کرے یا جو مچھر سے اوپر ہے، پس وہ لوگ جو مومن ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ رب کی طرف سے حق ہے اور کافر کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا۔ اللہ ایسی مثال دے کر بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور نہیں گمراہ کرتا مگر گمراہوں کو جو عہد کو توڑتے ہیں، یعنی توڑتے ہیں ان چیزوں کو جن کو جوڑنے کا حکم ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ زیاں کار ہیں اور تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو کہ تم کو زندہ کیا پھر مار کر زندہ کرے گا وہ اللہ کہ جس نے تمام آسمان و زمین کو پیدا کیا۔
مچھر کی مثال دینے سے اللہ نہیں شرماتا فما فوقھا مچھر سے اوپر کے کیا معنی ہیں۔ یعنی مچھر سے جسامت میں بڑا مراد ہے جیسے مکڑی اور مجھی تو عنکبوت اور ذباب بھی بعوضۃ سے فوق ہیں اور اللہ مثال دیتے ہیں مچھر کی یا جو فوقھا ہو یا اس سے اصغر ہو یعنی مچھر سے بھی بڑھ کر چھوٹا ہو چھوٹے پن میں جیسے جناح بعوضۃ یعنی مچھر کے پر کے برابر۔ جیسے حدیث میں ہے:
لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما اسقی اللہ کافرا منھا شربۃ ماء۔ (تفسیر ابن کثیر)
اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ نافرمان کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا، لیکن لوگ دنیا کے کتنے دلدادہ ہیں؟ معلوم ہوا کہ کروڑ پتی ہونا بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ مچھر کے پر کے ساتھ مثال حقارت کے لیے دی ہے۔
عرب میں بعوضہ سے چھوٹے پن کی مثالیں عام دی جاتی ہیں۔

ما البق وما الشحم ما رجل الجراد
یعنی پسو کچھ نہیں، چربی کچھ نہیں، ٹڈی کی ٹانگ کچھ نہیں، یہ ساری مثالیں تحقیر کے لیے ہیں، جیسے اردو میں مشہور ہے کہ: کیا پدی کا پدی کا شوربا۔ مثالیں ہمیشہ سمجھانے کے لیے دی جاتی ہیں، جیسے حدیث میں ارشاد ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو گا تو اسے جہنم سے نکال دیا جائے گا۔ تمثیل میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ مثال اور ممثل لہ میں جہت جامعہ درست ہے یا نہیں۔ مومن اس مثال کو حقیقت جان کر مومن رہتا ہے اور کافر بھی اس مثال کو مانتے ہیں، لیکن کفر کر جاتے ہیں۔
فَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا اور وَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا
دونوں مقابل ہیں اکثر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان والے کم اور کفار زیادہ ہیں، جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہے مِنۡهُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَكۡثَرُهُمُ الۡفَاسِقُوۡنَ۔ ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔ (آل عمران: 110) ایک اور جگہ ارشاد ہے:
إِلا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُم (ص: 24)
مگر جو لوگ ایمان دار ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے اور تھوڑے ہی ہیں ایسے لوگ۔
حقیقت یہ ہے کہ نیک لوگ ظاہری طور پر تھوڑے اور گناہگار زیادہ ہوتے ہیں، لیکن نیک تھوڑے ہونے کے باوجود زیادہ کار آمد ہوتے ہیں اور برے لوگ زیادہ ہونے کے باوجود ان کی کثرت مفید نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے:
ان الكرام كثير في البلاد وان قلوا كما غيرهم قلوا وان كثروا۔
معزز اور شریف لوگ شہروں میں زیادہ (غالب) ہوتے ہیں اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہوں جیسا کہ برے لوگ حقیقت میں تھوڑے ہوتے ہیں اگرچہ تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہوں۔
انسان کے وزن کو دیکھو رؤس (سروں) کو شمار نہ کرو ووٹ میں کافر زیادہ ہیں رؤس (سروں) کو شمار کرنا یہود کی حماقت ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک زہار میں سے صرف ایک جنتی ہے اور باقی جہنمی ہیں تو رؤس کو شمار کرو، ورنہ کفار کو غلبہ ہو گا۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا ۙ وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا۔ میں لف نشر غیر مرتب ہے کیونکہ یضل بہ کثیرا کا تعلق واما الذین کفروا سے ہے جو کہ موخر ہے اور ویھدی بہ کثیرا کا تعلق فاما الذین اٰمنوا سے ہے جو کہ مقدم ہے۔ بہرحال یہ قرآن کے دعوت کے مختلف انداز ہیں۔
وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِيۡنَ۔ الفاسق الخارج عن حد العقل والشرع
یعنی فاسق وہ ہے جو حد شرع اور حد عقل دونوں کو پھلانگ جائے۔ ان میں حد شرع سمجھنے کی استعداد باقی نہ رہے۔
فاسق جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟
پہلا سوال تو یہ ہے کہ فاسق مسلمان رہتا ہے یا کافر ہو جاتا ہے؟ فاسق ایک تو وہ ہے جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہو یا صغائر پر اصرار و دوام کرتا ہو اور توبہ بھی نہ کی ہو، لیکن اس کے دل میں ایمان ہو۔ یہ فاسق اہل سنت والجماعت کے نزدیک (ھو المومن) مومن ہے۔ معتزلہ کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہے، لیکن درمیان میں ہے۔ لیس بمومن ولا کافر یعنی نہ مومن ہے اور نہ کافر ہے۔ گویا معتزلہ کے ہاں تین درجے ہیں۔ (1) مسلم (2) کافر (3) فاسق۔ خوارج کے نزدیک ایسا شخص داخل فی الکفر ہے اور معتزلہ کے ہاں اذا خرج من الاسلام فیدخلہ فی النار ولا یصلی علیہ ولا یدفن فی مقابر المسلمین یعنی جب وہ اسلام سے خارج ہو گیا تو پھر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ہم اہل سنت والجماعت کے دلائل بہت زیادہ اور قوی ہیں۔
الَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ الایہ:
جب ایک شخص نے کلمہ پڑھا تو گویا اس نے عہد کر لیا۔ منافقین بھی اس عہد و پیمان میں شامل تھے اور کہتے تھے کہ نشهد انک لرسول اللہ۔ پھر اس کو توڑتے تھے۔ وَ يَقۡطَعُوۡنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ یعنی اللہ نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ توڑتے ہیں۔ مخالفین کو لڑائی پر اکساتے ہیں غلط پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔
اُولٰٓـئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ یہ خسران اور ٹوٹے میں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پھر انہیں بآلاء اللہ تسلیم کراتے ہیں کہ تم کیسے کفر کرتے ہو جب تم اموات تھے، عدم میں تھے، تم میں حیات نہیں تھی، ہم نے تمہیں حیات دی، پھر موت کے بعد حیات دیں گے۔
عدم در اصل مستور (پوشیدگی) ہوتا ہے۔ اس جہان میں عدم اصل سے وجود میں آ گیا۔ لہذا موت کے بعد موت کا آنا ہے۔ التعقیب مع الوصل ہے، لیکن حیواۃ کے بعد بھی جو موت آتی ہے اس میں فاصلہ ہوتا ہے۔ موت بھی نعمت ہے کہ یہ جو حیات دنیا ہے کچھ نہیں ہے۔ البتہ بعد کے مقامات اچھے ہیں اور حیات دنیاوی قطع کیے بغیر وہ دیے نہیں جا سکتے۔ اس لیے بطور انعام ذکر کیا۔
حیات برزخی اور حاضر و ناظر کا مسئلہ:
ثُمَّ يُمِيۡتُکُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡکُمۡ یہاں موت کے بعد بھی حیات ہے، لیکن فاصلہ ہے۔ پھر کافی دن کے بعد تم لوٹائے جاؤ گے۔ موت کے بعد

لوٹتے ہیں اور جو لوگ اس حیات کو حیات برزخی پر محمول کرتے ہیں وہ اس حیات کا انکار کرتے ہیں، لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہاں حیات برزخی مراد ہے کیونکہ احادیث دلالت کرتی ہیں، حیات برزخ پر کہ وہاں قبر میں منکر نکیر کا سوال ہو گا۔ پھر پوچھا جائے گا من ربک، فیقول ربی اللہ اور بعض روایات میں ہے ما تقول فی ھذا الرجل کہ حضور ﷺ کی صورت پیش کر دی جائے گی۔ الغرض قبر میں جاتے ہی فوراً آپ کی زیارت ہو جائے گی۔ یہ بڑی بشارت ہے۔ اس سے حاضر و ناظر ہونا لازم نہ آئے گا۔ اب تو ٹیلی ویژن نے اس کو رد کر دیا ہے۔ صدر اور وزیر اعظم ہزاروں جگہ نظر آتے ہیں لیکن حاضر ناظر نہیں ہیں۔ کیا اللہ کے ہاں ایسا کیوں ممکن نہیں ہے کہ ہر قبر میں ایک سیٹ لگا دیا جائے۔ قبر میں انسان کو ایک گونہ حیات حاصل ہو جاتی ہے، بلکہ ہمارے نزدیک عذاب قبر کی تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں و عذاب القبر لعصاۃ من المومنین حق اور مومنین کو نعمتوں کا استلذاذ ہوتا ہے اس لیے اگر حیات نہ مانیں گے تو ادراک اتم کیوں کر ہو گا۔ کافرین میں بھی یک گونہ حیات ولو حیات الضعیفۃ ضروری ہے۔ عذاب قبر تواتر سے ثابت ہے۔

اقسام الحیاۃ الاربعۃ:

اسی موت اور بعد کی حیات کے درمیانی عرصہ کو قبر کہا جاتا ہے۔ قبر صرف گڑھا نہیں ہے۔ (1) اب روح کا جسد سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہو گا۔ کافر کے لیے ہے کہ صرف زخم برداشت کر لے۔ یہ حیات اضعف ہے۔

ولو بجزء من البدن مومن کے کہ ادراک الم واستلذاذ بھی ہوتا ہے۔ حیات ضعیف ہے حیات برزخ میں۔ (2) اس سے فوق حیات شہداء کی ہے جو کہ حیات متوسط ہے۔ جس سے بدن بھی محفوظ رہتا ہے۔ (3) اس سے فوق حیات الانبیاء حیات الاقوی ہے۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کا صرف بدن ہی محفوظ نہیں ہے، بلکہ حیات بھی ہیں۔ کیونکہ بدن کا محفوظ ہونا تابع حیات ہے۔ (4) اس سے فوق حیات دنیویہ ہے یہ محافظ ہے جب تک انسان زندہ ہو تو گلے گا سڑے گا نہیں۔

ان صلوتکم معروضۃ علی قالوا لکن بلیت و رمت۔

یعنی جب آپ کا جسد اطہر مٹی میں بوسیدہ ہو چکا ہو گا تو اعمال کیسے پیش ہوں گے؟ پھر آپ نے فرمایا ان اللہ حرم الخ رواہ ابو داؤد۔ اس لیے بات عرض صلوۃ کی ہے تو تحفظ جسد ضروری ہے۔ جسد میں شعور و ادراک نہ ہو تو پھر صحابہ کا مراد کیسے بنے گا۔ حدیث کے سیاق و سباق کو دیکھو۔ یہ درجات ہیں۔

دو باتیں بطور عقیدہ یاد رکھو:

دو باتیں بطور عقیدہ کے ہیں۔ اول یہ کہ حضرات انبیاء پر موت طاری ہوتی ہے۔ انبیاء قدیم نہیں ہیں۔ انک میت وانھم میتون کہ جسے تم موت کہتے ہو کہ اس میں دوران خون بند ہو جاتا ہے یہی معروف موت ہے۔ یہ موت پیغمبروں پر لازما آتی ہے۔ باقی حیات انبیاء ایک علمی تحقیق ہے۔ حضرت نانوتوی نے آب حیات میں تحقیقات سے کہا ہے کہ انبیاء کی حیات و وفات کا دوسروں سے کیا فرق ہے۔ جو یہ عقیدہ نہ رکھے وہ گمراہ ہے۔ دوم برزخ میں حیات ہوتی ہے۔ کسی کی ضعیف کسی کی اضعف کسی کی قوی اور کسی کی اقوی الخ کما ذکرنا اور یہ حیات کیسے آتی ہے کیسے آئی۔ جزء بدن مراد ہے یا کل بدن مراد ہے۔ رد اللہ علی روحی مراد ہے۔ جسد مثالی ہے یا عنصری ہے۔ یہ سب تحقیقات علمیہ ہیں۔ یہ سب تحقیقات علیین و سجین سے قائم ہیں۔ اس میں تم بھی آزاد ہو اور عوام بھی آزاد ہیں۔ جو لوگ سرے سے موت کو نہیں مانتے، یہ بھی گمراہی ہے اور موت کو ماننے کے بعد جو لوگ پتھر کی مثل کہتے ہیں۔ یہ پتھری لوگ ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الأَرضِ جَمِيعًا۔

اللہ نے التذکیر بآلاء اللہ کے ضمن میں فرمایا کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے پیدا کیا تمہارے لیے (لکم کا لام انتفاع کے لیے ہے) وہ جو کہ زمین میں ہے سارا کا سارا۔ پھر آپ متوجہ ہوئے آسمان کی طرف پھر بنایا آسمانوں کو سات آسمان۔ یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش بلکہ مافی الارض الجمادات والنباتات والحیوانات کو پہلے پیدا کیا تو ترتیب خلق یہ ہے۔ آسمانوں کو بعد میں پیدا کیا ہے۔ چنانچہ دوسری آیات میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خلق سماء مقدم ہے اور خلق ارض موخر ہے۔ آپ دیکھیں اس طرح بھی صریح آیتیں ہیں۔ سورۃ نازعات میں ہے:

أَأَنتُم أَشَدُّ خَلقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا (٢٧) رَفَعَ سَمكَهَا فَسَوَّاهَا (نازعات: 27- 28)

تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمان کی تخلیق جس کو اللہ نے بنایا۔

وَأَغطَشَ لَيلَهَا وَأَخرَجَ ضُحَاهَا (٢٩) وَالأَرضَ بَعدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا (نازعات: 29- 30)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو پہلے بنایا اس کے بعد ارض کو پیدا کیا اور پھیلایا۔ یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش بعد میں ہوئی ہے۔ ان آیات کے درمیان مطابقت کیسے ہو گی؟

بعض لوگ تطبیق یوں دیتے ہیں کہ خلق الارض مقدم ہے علی خلق السماء۔ ایک دحاح الارض ہے، وہ موخر ہے خلق آسمان سے یعنی زمین کو پہلے مختصر پیدا کیا۔ سوال یہ ہے کہ یہاں مَّا فِي الأَرضِ جَمِيعًا ہے کہ جبال بھی ہیں، نباتات بھی ہیں کہ ما فی

الارض ہے۔ اسۡتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ ہے تو پھر دحوا الارض کی تطبیق کیسے ہے کیونکہ انسان وغیرہ والارض کے بعد ہی تو ہوں گے۔ تو اگر نفس ارض ہوتا تو یہ توجیہ صحیح ہوتی، لیکن یہاں ما فی الارض ہے۔

قبل الدحو جبال یا انہار:

پہلے ان کی اجمالی صورت تھی، اس کے جبال بھی مختصر تھے۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ تھا تو تمام اعضاء چھوٹے چھوٹے تھے، کبھی کبھی کوئی چیز ظاہر ہوتی ہے، لیکن اجمالا تمام اعضاء ہوتے ہیں، اس طرح زمین کے اندر جو چیزیں ہیں من النباتات والجبال والانہار یہ ساری چیزیں اس میں اجمالا تھیں، لیکن یہ سب تفصیل کے ساتھ نہ تھے، پھر آسمان پیدا کیا گیا ہے۔ پھر انہار سمندر وغیرہ پھیل گئے تو جیسے دحو الارض وخلق الارض کا فرق ہے۔ اس طرح مافی الارض اجمالًا و تفصیلًا کا فرق کر لیں تو درست ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے خلق سے قبل ایک عرش تھا اور ایک پانی تھا جیسے حدیث کی روایت میں پڑھا ہو گا کہ وکان عرشہ علی الماء قبل خلق السموات والارض ہے۔ اس کے بعد پانی میں تموج آیا، جنبش آئی اور اس حرکت سے حرارت پیدا ہوئی۔ حرارت سے دھواں پیدا ہوا، پھر وہ دھواں اوپر کی طرف چڑھا اور یہ مادہ دھوئیں کا آسمان بنا۔ چنانچہ اس آیت میں بھی ثم استوی الی السماء وھی دخان ہے۔ اشارہ ملتا ہے کہ اس کے بعد پانی میں کچھ تبحر ہوا، سردی پیدا ہوئی۔ تحجر یعنی سخت ہونا شروع ہوا اور وہ پانی جو متحجر ہو گیا وہ زمین کا مادہ بنا۔ دھواں آسمان کا مادہ بنا اور سخت پانی زمین کا مادہ بنا۔ مادہ زمین کا پہلے تھا اور آسمان کا مادہ بعد میں پیدا ہوا۔ پھر زمین کے کچھ اقلیم بنے۔ چنانچہ اس روایت میں اور دوسری روایات کے اندر بھی تفسیر ہے کہ زمین کی ابتدائی پیدائش مقدم ہے اور خلق سماوات موخر ہے۔

کوے کی حلت و حرمت کی خبر پر تبصرہ:

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مذہبی منافرت ملک میں بہت بڑھ چکی ہے اور یہ لوگ نئے نئے مسئلے پیدا کر رہے ہیں۔ اب پھر دیوبندی اور بریلوی کے مسئلے کو پیدا کرنے کے لیے حکومت کے ایماء پر یہ حرکت کی گئی ہے۔ ایسی حرکت کرنے والے صرف دیوبندی و بریلوی اختلاف کے شوشے چھوڑتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے ان لوگوں پر، کوے کے علاوہ اور بہت سی چیزوں پر ائمہ کا اختلاف ہے۔ وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً مینڈک ہے، جب ہم حلت و حرمت کے بارے میں بڑے بڑے اختلافات کو برداشت کیے ہوئے ہیں تو کوے کے حلال و حرام کا کون سا مسئلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ کوا ان کا، حلوہ ہمارا۔ پھر الطیبت للطیبین پڑھتے ہیں۔ اس کوے میں بھی اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف مکرو کہتے ہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال ہے۔ امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے، اگر ان کے اختلاف سے آپ کو دکھ نہیں ہے، یعنی حلال و حرام جو خلط ملط کرتا ہے، اس کے بارے میں امام ابو یوسف کا قول ہے کہ مکرو ہے جیسے دجاجۃ المخلاۃ یعنی باہر آزاد پھرنے والی مرغی کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کو اتنا بڑا بنا کر جذبات کو ابھارنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بہت سی چیزیں حلال ہوتی ہیں لیکن مستعمل نہیں ہوتیں۔ اس لیے یہ حرام کہلاتے ہیں۔ جیسے سوسمار ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے خالد بن ولید نے کھایا ہے لیکن آپ نہیں کھائیں گے۔ کوا حلال بھی ہو لیکن شکل مردار ہے، باقی کوے کی سرخ چونچ ہو تو وہ حلال ہے، لیکن اس کو بھی کسی نے نہیں کھایا ہے۔

بہر حال خلق سماوات والارض فی ستۃ ایام ہوا ہے (اور جہاں ہے والارض بعد ذالک دحھا تو دحو الارض یہ بعد میں ہے اور خلق الارض پہلے ہے)

مقصد بیان خلق سماء و ارض نہیں، بلکہ تعارض دور کرنا ہے:

باقی چھ دن میں جو کچھ ہے وہ پیدا کیا ہے، لیکن ہم ان باتوں پر زور نہیں دیتے۔ آپ لوگ ان باتوں پر زیادہ زور نہیں دیتے جو عقیدے سے متعلق ہیں۔ آپ علمی تحقیقات پر زور دیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ سے آسمان و زمین کی پیدائش کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ یہاں تفصیل بیان کرنے سے مقصود قرآن کی دو آیات کے ظاہری تعارض کو دور کرنا ہے اور اس کو ہم نے دور کر دیا۔

ارض و سماوات سبعہ یعنی سات زمین اور سات آسمان:

آسمان کے طبقات سبعہ ہیں۔ سمٰوات بصیغہ جمع اور ارض بصیغہ مفرد قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں، لیکن زمینیں بھی سات ہیں۔ ومن الارض مثلھن جب اللہ نے فرما دیا تو سات زمینیں ہی ہیں۔ جیسے ایک حدیث بالکل مشابہ ہے کہ ہر زمین میں اپنی اپنی مخلوق ہے اور وہاں پیغمبر بھی آتے ہیں۔ وادمھم کا دمکم ومحمد ہم کمحمدکم ہیں تو وہ قوم کہاں بستی ہے۔ ان کا آدم اور ہے ہمارا اور ہے۔ مولانا نانوتوی نے اس حدیث کے سلسلے میں بہت بڑی تفصیل بیان کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمینیں الگ الگ ہیں کہ سبعہ اقلیم پر محمول کر لیں اور سات اقالیم پیدا کی ہیں تو زمین کے جو اقلیم ہیں وہ مراد ہیں۔ کیونکہ فی الواقع زمین ایک ہے، اس کے حصص سات ہیں، بخلاف آسمانوں کے کہ آسمان فی الواقع سات ہیں سات طبقات ہیں اور انہیں علم ہیئت اور

علماء یونان نے اس پر استقامت ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ نو ہیں۔ ہر ایک میں ایک ایک سیارہ ہے، سماء الدنیا قمر، عطارد، مریخ، شمس، زہرا، زحل، مشتری ہے اور ایک فلک ثوابت ہے کہ باقی تمام تارے اس میں ہیں اور نمبر 9 فلک الافلاک اور فلک اطلس بھی کہتے ہیں۔ اس میں کو کب نہیں ہیں۔ پھر ان کی حرکات بھی الگ الگ ہیں، لیکن اسلام سے ان کو کوئی تائید حاصل نہیں ہوتی۔ پھر حرکت یومیہ فلک الافلاک سے پیدا ہوتی ہے، یہ بڑی تفصیل علم ہیئت میں آتی ہے یہ ان کا ذہنی منصوبہ ہے جس پر یورپ کے انتظام متفرع ہیں۔

تکلفاً اسلام میں بھی سات آسمان ہو سکتے ہیں:

اسلام میں سات آسمان کا تذکرہ تو ہے لیکن اسلام میں وسع کرسیہ السموات بھی ہے کہ کرسی آسمان کے اوپر ہے اور عرش بھی ہے۔ اس لیے علمائے ہیئت یونان سے تطبیق کر کے کہتے ہیں کہ اس طرح بھی 9 بنتے ہیں، یعنی کرسی کو آٹھواں آسمان اور عرش کو فلک الافلاک قرار دیتے ہیں لیکن یہ بھی تکلف ہے۔ تمام علماء نے بطلیموس کی ہیئت کو پڑھ کر مطابقت دینے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں آسمان قدیم ہیں اور قرآن کے نزدیک اذا السماء انشقت۔ ہے اور اسلام کے مطابق آسمان سے آگے بھی جا سکتے ہیں۔ آپ ﷺ ساتویں آسمان پر ابراہیم، پانچویں پر موسی، پھر پہلے پر آدم اور دوسرے انبیاء سے ملے ہیں۔ ایک ہی روایت ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ ساتوں سے گزر گئے تھے، اس لیے جو تصور علمائے یونان نے لیا ہے وہ غیر اسلامی تصور ہے۔ زبردستی تاویل کیوں کرتے ہیں۔ یہ تطبیق دے کر اسلام کی خدمت ہیں کی، بلکہ آج وہی خرابی پیدا کر رہے ہیں کہ وہاں سے پتھر توڑ کر لائے ہیں۔ اسی وجہ سے تو ہمارے عقائد خراب ہو گئے۔ لہٰذا تطبیق کی یہی صورت ہے جو ہم نے بیان کر دی کہ خلق ارض اجمالا مقدم ہے اور تفصیلاً موخر ہے۔

خلق العالم فی ستۃ ایام:

باقی پیدائش چھ دن میں ہے تو احادیث میں ترتیب و تفصیل ہے۔ ابتدا اتوار سے ہو گی یکشنبہ کے دن آسمان کا مادہ دخان اور زمین کا مادہ الماء المتحجر یہ دونوں پیدا کیے۔ دو شنبہ یعنی سوموار کے دن زمین کو سات حصص میں تقسیم کر دیا۔ سہ شنبہ کے دن پہاڑوں کو زمین پر قائم کیا۔ والجبال ارسھا چار شنبہ کو خلق نباتات ہوا ہے اور اس میں گویا حیوانات و انسان کے رزق کا انتظام ہے۔ پنج شنبہ کو آسمان بنایا اور سات حصص میں تقسیم کر دیا پھر جمعہ کے دن فرق کواکب کیا، اشکال بنائے۔ سبت یعنی ہفتہ کا دن خالی کر دیا، کواکب کو چھٹے دن پیدا کیا چھٹے دن اس میں شمس بھی ہے، یہ دن رات کس سے پیدا ہوئے طلوع و غروب سے تو یہ چھ دن میں پیدا کیا۔ سوال یہ ہے کہ دن کہاں سے آئے جبکہ کواکب نہیں آئے تھے، دن گردش شمسی سے پیدا ہوئے ہیں تو ستۃ ایام کیوں آیا جبکہ لیل و نہار نہیں تھے۔

بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہاں پر حقیقۃً ایام مراد نہیں ہیں، تقدیراً مراد ہیں۔ یعنی ایام کا اندازہ لگایا گیا ہے، واقع میں دن رات نہ تھے، اتنی مدت مراد ہے جتنی ایک یوم کی ہوتی ہے۔ گویا کہ چھ دنوں کی مدت میں آسمان و زمین کا خلق ہوا یعنی اندازے کے اعتبار سے۔ اگر آج کے ایام پر تقسیم کر دیا جائے تو چھ دن بنتے ہیں۔ بعض کے نزدیک رات اور دن جیسے تابع ہیں حرکت شمس کے تو قبل الشمس کچھ اور حوادث ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ کچھ اور حوادث اور چیزوں کی حرکتیں پیدا فرمائی ہوں اور ان کے ساتھ وقت کا نظام وابستہ کہ وقت حرکت کی مقدار ہے۔ ان حوادث کے ساتھ فرق یوم و لیل کیا ہو جیسے آج ہمارا مشاہدہ طلوع و غروب سے متعلق ہے۔ آج کل اس تقدیر پر یعنی اندازہ پر بھی بات درست ہے۔ جیسے آج کل قطب شمالی کے نزدیک چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات ہے۔ ایک دن ایک سال کا ہے تو وہاں نماز بتقدیر الایام پڑھیں گے۔ ورنہ تو سال میں پانچ نمازیں پڑھیں گے۔

وہاں عام لوگ رات دن اندازہ سے طے کرتے ہیں، ورنہ چھ ماہ روزہ کیسے رکھیں گے۔ بالایام المقدر آج وہاں تقدیر ہے تو اس زمانے میں بھی ایسا ہی ہو گا۔ اس لیے جواب اول موزوں معلوم ہوتا ہے۔ بعض علاقوں میں 23 گھنٹے کی رات اور ایک گھنٹے کا دن ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوا کہ ادھر غروب ہے اور ادھر صبح صادق ہو گئی۔ عشاء کا وقت بھی نہیں ملتا۔ وہاں بھی تقدیر ایام ہے۔ یہ بات خط استواء سے 60، 62 درجہ جانب شمال کو ہے۔ وہاں بھی انسان آباد ہے۔ آج کل ایسے ذرائع ہیں کہ بحر منجمد میں بھی رہائش ممکن ہے۔ جیسے یہاں شدید گرمی میں ایئر کنڈیشنڈ لگا کر رہتے ہیں، وہاں ہیٹر لگا کر رہ سکتے ہیں۔

اب وقت کے تقرر کا سبب صلوۃ ہے لیکن ہمیشہ ایسے نہیں ہو سکتا کہ وہاں بھی پانچ اوقات ہوں، اس لیے وہاں پر فقہاء کے نزدیک تقدیر الاوقات ہو گی۔

رکوع ۴

30. وَ إِذ قَالَ رَبُّکَ لِلمَلَایکَۃِ إِنِّی جَاعِلٌ فِی الأَرضِ خَلِیفَۃ قَالُوا أَتَجعَلُ فِیہا مَن یُفسِدُ فِیہا وَ یَسفِکُ الدِّمَاءَ وَ نَحنُ نُسَبِّحُ بِحَمدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ إِنِّی أَعلَمُ مَا لَا تَعلَمُونَ
31. وَ عَلَّمَ آدَمَ الأَسمَاءَ کُلَّہا ثُمَّ عَرَضَہم عَلَی المَلَایکَۃِ فَقَالَ أَنبِیونِی بِأَسمَاءِ ہؤُلَاءِ إِن کُنتُم صَادِقِینَ
32. قَالُوا سُبحَانَکَ لَا عِلمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمتَنَا إِنَّکَ أَنتَ العَلِیمُ الحَکِیمُ
33. قَالَ یَا آدَمُ أَنبِیہم بِأَسمَایِہم فَلَمَّا أَنبَأَہم بِأَسمَایِہم قَالَ أَلَم أَقُل لَّکُم إِنِّی أَعلَمُ غَیبَ السَّمَاوَاتِ وَ الأَرضِ وَ أَعلَمُ مَا تُبدُونَ وَ مَا کُنتُم تَکتُمُونَ
34. وَ إِذ قُلنَا لِلمَلَایکَۃِ اسجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبلِیسَ أَبَی وَ استَکبَرَ وَ کَانَ مِنَ الکَافِرِینَ
35. وَ قُلنَا یَا آدَمُ اسکُن أَنتَ وَ زَوجُکَ الجَنَّۃَ وَ کُلَا مِنہا رَغَدًا حَیثُ شِیتُمَا وَ لَا تَقرَبَا ہذِہ الشَّجَرَۃ فَتَکُونَا مِنَ الظَّالِمِینَ
36. فَأَزَلَّہمَا الشَّیطَانُ عَنہا فَأَخرَجَہمَا مِمَّا کَانَا فِیہِ وَ قُلنَا اہبِطُوا بَعضُکُم لِبَعضٍ عَدُوٌّ وَ لَکُم فِی الأَرضِ مُستَقَرٌّ وَ مَتَاعٌ إِلَی حِینٍ
37. فَتَلَقَّی آدَمُ مِن رَّبِّہِ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیہِ إِنَّہ ہوَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ
38. قُلنَا اہبِطُوا مِنہا جَمِیعًا فَإِمَّا یَأتِیَنَّکُم مِّنِّی ہدًی فَمَن تَبِعَ ہدَایَ فَلَا خَوفٌ عَلَیہِم وَ لَا ہم یَحزَنُونَ
39. وَ الَّذِینَ کَفَرُوا وَ کَذَّبُوا بِآیَاتِنَا أُولَیکَ أَصحَابُ النَّارِ ہم فِیہا خَالِدُونَ

ترجمہ:

۳۰. اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔
۳۱. اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔
۳۲. انہوں نے کہا تو پاک ہے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتایا ہے بے شک تو بڑے علم والا حکمت والا ہے۔
۳۳. فرمایا اے آدم ان چیزوں کے نام بتا دو پھر جب آدم نے انہیں ان کے نام بتا دیئے فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہوں۔
۳۴. اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔
۳۵. اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا کر رہو اور اس میں جو چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ پھر ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔
۳۶. پھر شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگایا پھر انہیں اس عزت و راحت سے نکالا کہ جس میں تھے اور ہم نے کہا تم سب اترو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور سامان ایک وقت معین تک۔
۳۷. پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کیے پھر اس کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔
۳۸. ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری ہدایت پر چلیں گے ان پرنہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
۳۹. اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رہی گے۔

افادات محمود

وَاِذ قَالَ رَبُّکَ لِلمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃً۔
اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃً کہ میں بنانے والا ہوں ایک نائب۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ نائب بنانا چاہتے ہیں دنیا میں جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ حالانکہ ہم تسبیح پڑھتے ہیں، تیری حمد کے ساتھ اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں پر پیش کیا۔ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ فرشتوں نے کہا کہ تو پاک ہے، نہیں ہے ہمارے لیے مگر جو کہ آپ نے بتلایا ہے، بیشک تو بڑی حکمتوں والا اور علیم ہے اور فرمایا

جب آدم سے کہ آپ بتا دیں ان چیزوں کے نام ان کو، انہوں نے بتائے ان چیزوں کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور جانتا ہوں وہ جو کہ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

یہاں خطاب فرشتوں سے ہے کہ انسان پیدا نہیں ہوتے تھے تو ذوی العقول کی دو جنسیں تھیں۔ ملک اور جن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ بناؤں گا، اس رکوع کا خلاصہ یہ ہے کہ نظام عالم کے لیے خلیفہ کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اذا کنتم ثلاث فامرو یعنی ایک امام کے بغیر یعنی اجتماعی نظام کے لیے ایک امیر بنایا جائے، انتشار ہو گا۔ ہر آدمی اپنا اپنا فیصلہ کرے گا۔

قَالُوٓا اَتَجعَلُ فِیہَا الایۃ۔ فرشتوں نے یہ کہا کہ آپ ایسے آدمی کو خلیفہ بنائیں گے جو انتشار کرے گا اور اشارہ کر دیا کہ امارت امن کے لیے ہوتی ہے۔ آج کی حکومتیں بھی قیام امن کے لیے ہوتی ہیں۔ جس حکومت میں قیام امن نہ ہو وہ حکومت کہلانے کے مستحق نہیں ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ہمارے عہد میں امن نہیں ہے تو امام کا تقرر اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرمایا کہ وہ امن قائم کرے، لیکن یہ تو خون بہائے گا۔ یہ کیسے خلیفہ بنائیں گے، جو چیز خلافت کی صفت سے منافی تھی یعنی فساد فی الارض اور سفک الدماء ہے اپنے متعلق بتایا کہ ہم تو اللہ کی تسبیح و تحمید و تقدیس بیان کرتے ہیں۔

لا یَعصُونَ اللَّہَ مَا أَمَرَہُم وَیَفعَلُونَ مَا یُؤمَرُونَ۔ وہ نہیں نافرمانی کرتے اللہ کی جو وہ انہیں حکم دے اور وہ کرتے ہیں وہی جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ (التحریم: 6)

کہ ہم کبھی عصیان نہیں کرتے کہ ہمارے ہاں فساد نہیں ہے۔

اصل میں فرشتوں کو خلیفہ بننے کا شوق پیدا ہوا کہ دوسرا کیوں بنا رہے ہو، ہم موجود ہیں۔ شاید آدم کی جبلت ظاہر کر دی گئی تھی کہ قوت ملکیہ، قوت شہویہ، قوت غضبیہ بھی اس میں تھی۔ جتنے نزاعات ہیں تو وہ زن، زر، زمین کی وجہ سے ہیں۔ تمام انسان ان چیزوں کی وجہ سے لڑتے ہیں دنیا میں ان چیزوں کے باعث فسادات ہوتے ہیں کہ آدم میں قوت شہویہ ہے اور منقسم ہے۔ دو قسموں کی طرف شھوۃ البطن وشھوۃ الفرج۔ قوت غضبیہ بھی ہے یعنی اشتعال سے حملہ کر کے خون بہا دیا۔ آدم کی جبلت تھی، وہ فرشتوں پر ظاہر کر دی گئی تھی، اس میں ملکیت بھی ہو گی اس پر اعتراض نہیں کیا گیا، قوی ثلثہ میں سے صرف دو پر اعتراض لازم تھا کہ فرشتے اصل الملکیہ ہیں اور تنقیدی صفت جو پکڑی ہے وہ صفت نقض امن ہے۔ یہ خلافت کے خلاف ہے، یہ بھی امیدوار ہیں اور انتخابات میں امیدوار اپنے منتخب کرنے والے کے سامنے دو باتیں ضرور کہتا ہے۔ ایک اپنے استحقاق کے دلائل دیتا ہے اور دوسرے کی نا اہلی کا ذکر کرتا ہے کہ میں ہوں اور وہ نہیں ہے۔ اپنے لیے اہلیت کی صفات پیش کرتا ہے اور دوسروں کی نا اہلی کی صفات ذکر کرتا ہے، لیکن یہاں سوال انتخاب کرنے والی قوت کے سامنے کیا ہے کہ انتخابی قوت خدا ہے۔ فرشتے بھی آج کل کے الیکشن کی طرح کرتے ہیں کہ ہم تو امن میں ہیں کہ نہ غضب ہے، نہ شہوت ہے۔ باقی طلب خلافت شہوت نہیں ہے، الیکشن لڑنے کا طریقہ آ گیا ہے کہ مخالف کی صفات پکڑو، لیکن یہ عوام تو نہیں تھی کہ عوام کو روٹی، کپڑا مکان کا دھوکا دکھاتے ہیں کہ یہاں انتخاب کرانے والی طاقت غلط ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ ہیں جس کے قول فعل میں ذرا برابر کسی غلطی کا امکان نہیں ہے، لہٰذا اس نے یہ کہہ کر کنوینسگ کو ختم کر دیا کہ میں نے ٹھیک کر دیا ہے، تم نہیں جانتے۔ اب آدم کو پیدا کر دیا، فیصلہ ہو گیا اور فرشتوں کو زمین کی خلافت کے لیے نا اہل قرار دے دیا۔ آدم کو اہل قرار دیا۔ اب اللہ فرشتوں پر حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وعلم آدم الاسماء کہ آدم کو اسماء کی تعلیم دی۔ یہ تعلیم معنوی ہے، یہ اللہ نے اس کی فطرت میں ڈال دی ہے۔ اگرچہ افہام و تفہیم سے نہیں ڈالی، مگر اللہ کو علم ہے کہ یہ آدم کی ضرورت ہے قوۃ شھویہ کی وجہ سے کھائے اور پیے۔ اس مقصد کے لیے وہ زمین میں کاشت کرے گا۔ پھر روٹی پکار کر کھائے تو تمام اعمال جیسے گندم صاف کرنا، پیسنا، آگ، پھر روٹی پکے گی تو گویا آدم کھانے وغیرہ کے محتاج تھے، یہ ساری فطرتیں تھیں اس لیے اسے آلات کاشت کا نام بتلا دیا۔ اب فرشتوں کو کیا علم کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

ثُمَّ عَرَضَہُم عَلَی المَلٰٓئِکَۃِ۔ کہ اگر تم سچے ہو کہ خلافت کے لائق ہو تو پھر ان چیزوں کے نام بتلاؤ، لوگوں کے نظام اور ان کی ضروریات کا کفیل بننا پڑے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے الامام ضامن یعنی امام ذمہ دار ہے۔ یہاں امام سے مسجد کا امام مراد ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، لیکن عام معنی میں بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جناب عمر فاروق نے فرمایا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی مر جائے لو مات الکلب جوعا علی شطر الفرات لکان عمر مسؤلا یوم القیامۃ۔ اگر ایک حکمران ضروریات کے وقت کام نہیں آتا تو وہ مستحق خلافت نہیں ہے۔ خلیفہ وقت صرف انسانوں کا ذمہ دار نہیں ہوتا بلکہ اپنی محکومہ و مملوکہ زمین میں بسنے والی تمام مخلوق کا ضامن ہوتا ہے۔

قَالُوا سُبحٰنَکَ کہ تیری ذات پاک ہے ہر عیب سے یعنی ہم میں عیب ہے، ہمیں علم نہیں، صرف تحمید و تسبیح کا علم ہے۔

اِنَّکَ اَنتَ العَلِیمُ الحَکِیمُ۔ اب جت قائم کرتے ہیں فرشتوں پر کہ اللہ کا انتخاب صحیح ہوا ہے۔ آدم سے پوچھا تو فرفر بتا دیا، پھر فرمایا کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم لائق نہیں ہو۔

خلافت سے مراد ساری خلافت مراد ہے۔ میں نے متعلقہ وزیر سے بات کی تھی۔ میں نے کہا کہ تربیلا بند میں جو بجٹ برباد ہوا، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ تو جب نظام خلافت ظاہر نہ ہو تو ہر شی بغاوت کرتی ہے۔ ظالم حکمران کے خلا ہر چیز باغی ہو جاتی ہے۔ یہ دریائے سندھ میں جو سیلاب ہے یہ بھی ظلم کے خلاف بغاوت ہے، جیسے عمر نے دریائے فرات پر جا کر لاٹھی مار کر اس کو ٹھہرا دیا اور آپﷺ تشریف لے گئے کہ پہاڑ پر زلزلہ آ گیا۔ آپﷺ نے فرمایا ٹھہر فانما علیک نبی وصدیق و شہید۔ اس طرح حضرت فاروق اعظم کے دور میں زلزلہ آیا۔ آپ نے زمین سے فرمایا کہ میں تیری پیٹھ پر انصاف نہیں کرتا؟
جب ایک خلیفہ فی الواقع خلافت کا مستحق ہوتا ہے تو ہر چیز اس کی موافقت کرتی ہے، جس طرح حضرت عمرو بن العاص نے حضرت فاروق اعظم کے فرمان کے مطابق دریا میں رقعہ پھینکا تھا۔ اب دریا تو خدا چلاتا ہے لیکن بظاہر اس نے خلیفہ وقت کی اطاعت کی، تو بچے بھی خدا عطا کرتا ہے لیکن بغیر شادی کے نہیں، لیکن اپنی قدرت دکھانے کے لیے یہ کیا ہے کہ آدم کو بغیر والدین کے پیدا کر دیا، انسان کو جب حکومت ملے گی تو لازما فساد کریں گے۔
ایک حکومت ہے ایک خلافت ہے:
ایک حکومت کرنا ہے اور ایک ہے نائب ہو کر حکومت کرنا۔ حاکم علی الاطلاق اگر ہو گا تو ضرور فساد ہو گا۔ فرشتوں نے اس کو اصل حاکمیت پر محمول کیا لکن الانسان من حیث خلیفۃ ہو تو پھر اس میں یہ فساد نہ ہو گا۔ وہ حاکم نہیں ہے۔ ان الحکم الا للہ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے تو انسان میں بحیثیت الانسان فساد ہے، لیکن جب خلیفہ من عنداللہ ہوں گے تو پھر فساد نہ ہو گا کہ اپنی قوی کو آزادانہ استعمال نہیں کرتا۔ پھر کیوں فساد ہو گا، اللہ نے بتایا ہے کہ اس نے مطلق حکمران نہیں بنایا ہے، آج جتنی حکومتیں ہیں، وہ حکمران خلیفہ عنداللہ نہیں ہیں۔ یہ اپنے مزاج سے خود حکومت کرتے ہیں، اس لیے تمام مسلمان اور کافر حکومتوں میں گڑبڑ ہے۔ خدا کسی کی حکومت نہیں چلاتا خواہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ آج خلیفہ نہیں، اسی لیے سفک دماء ہے۔ اس لیے فرشتوں نے صحیح کہا ہے۔ اب بھی میں کہتا ہوں کہ ایک آدمی اگر خدا کے احکام کو مضبوطی سے تھامے اور حقیقی معنی میں اپنا حکم استعمال نہ کرے تو کوئی فساد نہ ہو گا۔ اسی حیثیت سے دار الخلافہ نہیں ہے، لہذا دار الحکومت کہا کرو دار الخلافہ نہ کہا کرو۔ جب خلافت نہیں ہے تو دار الخلافہ کیوں ہو۔
علماء اگر فرشتے بن جائیں تو وہ حکومت و خلافت کے اہل نہیں ہیں:
ایک اور بات ہے، کیا اس وقت خلافت کی صورت نظر آتی ہے؟ میں آپ کو بتاؤں کہ فرشتے حکومت کرنے کے اہل نہیں تھے، رہا نماز پڑھنا تو وہ تحمید و تقدیس کے ماہر تھے، اس لیے آپ جو علماء ہیں کہ تہجد و نماز ہی پڑھتے ہیں، لیکن لوگوں کی ضرورتوں سے جاہل ہیں، قریبی گھر میں آگ لگ جائے تو آپ کہیں گے کہ اے اللہ فضل کر دے، لیکن بالٹی بھر کر پانی نہیں ڈالیں گے کہ تمہارے قوی مضمحل ہیں۔ تم میں سمجھ نہیں ہے، جب تک تم لوگوں کی ضروریات کے کام نہیں کر سکتے، تم کبھی خلافت نہیں چلا سکتے، میں تمہاری توہین نہیں کرتا، تمہارا مقام بہت اونچا ہے، مجھے تمہارے خیمے جنت میں ابھی نظر آ رہے ہیں، جب فرشتے رد کر دیے گئے تو تم بھی رد کر دیے جاؤ گے۔ تم لوگوں کی ضروریات پوری کرو، انگریزی خواں لوگوں کی ضروریات جانتے ہیں، دنیاوی علوم کو جانتے ہیں، لیکن خداوند کے احکام کو نہیں لے سکتے۔ وہ حاکم بنے تو شریک خدا بنے، لیکن خلیفہ خدا نہیں بنے گا، اب یا تو وہ خدا سے جڑ جائیں تو خلافت کا نظام قائم ہو، اب یا تو تم مسجد سے باہر نکلو، یا ان کو مسجد میں لے آؤ، تم مسجد میں رہو اور وہ باہر رہیں تو نظام خلافت نہ چل سکے گا۔ یہ معنی نہیں کہ بالکل ان کی طرح باہر نکل جاؤ، بلکہ معنی یہ ہے کہ ان کے مصائب دور کرو۔ تمہارے یہ علوم کہ تم نماز روزہ کے فساد کو جانتے ہو، کیا تم اور بھی کچھ جانتے ہو، پیغمبروں کے پاس بھی دونوں قسم کے علم تھے۔ حضرت نوح کشتی سازی کے ماہر تھے، لیکن پیغمبر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے من حیث الانسان نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:
وَاصنَعِ الفُلکَ بِأَعیُنِنَا
اور بنا کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے (ھود: 37) حضرت داؤد کو زرہ سازی سکھائی چنانچہ ارشاد ہے:
وَعَلَّمنَاهُ صَنعَةَ لَبُوسٍ لَکُم
اور سکھا دیا تھا ہم نے اس کو بنانا زرہ کا تمہارے لیے (انبیاء: 80)
حضرت یوسفؑ جیسے نبی تھے، ویسے علم الحساب کے ماہر بھی تھے۔
قَالَ اجعَلنِی عَلَی خَزَائِنِ الأَرضِ إِنِّی حَفِیظٌ عَلِیمٌ۔
اس (یوسف) نے کہا مجھے مقرر کیجیے ملک کے خزانوں پر بیشک میں بڑا محافظ صاحب علم ہوں۔ (یوسف: 55)
یہاں خزانہ صرف حساب سے مل سکتا ہے ایک امین نہیں، بد دیانت ہے، وہ بھی وزارت خزانہ کا اہل نہیں ہے، تم بھی دنیا کے لوگوں سے تعلق رکھو۔ ان کے دکھوں کا علاج کرو اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرو۔ آپ خلیفہ بن گئے، استحقاق ثابت ہو گیا، مقابلہ کے امتحان میں آپ کا جد امجد جیت گیا اور فرشتے شکست کھا گئے۔ اب فرشتوں پر جب آپ کی برتری ثابت ہو گئی تو فرمایا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو۔

فَسَجَدُوٓا اِلَّآ اِبلِیسَ۔
لیکن ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا تھا۔ (اللہ کے علم میں)
سجدہ غیر اللہ کسی بھی ملت میں ثابت نہیں ہے:
غیر اللہ کو سجدہ یہ کسی بھی دین اور ملت میں جائز نہیں ہے۔ یہ عبادت و توحید کا مسئلہ ہے شرک فی العبادۃ سے اجتناب ضروری ہے، ہر ملت میں سجدہ اور عبادت صرف اللہ کے لیے رہا ہے۔ بغیر توحید کے کوئی دین نہیں آیا ہے۔ یہاں سجدہ سے مطلق تعظیم مراد ہے اور عبادت سے بھی انتہائی تعظیم مراد ہے اور انتہائی تعظیم معبود حقیقی کے سات خاص ہے۔ کما ذکرنا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو جب سجدہ مطلق تعظیم ہے تو یہاں بھی یہی مراد ہے۔
اب فرشتوں کا انسان کے بارے میں عیب جوئی کرنا غیبت نہیں ہے۔ یہ جبلت کا تذکرہ ہے، بعض کے نزدیک سجدہ اور عبادت صرف اللہ کی ہے اور آدم بمنزلہ کعبہ کے ہے۔ ہم کعبہ کی نماز نہیں پڑھتے، لیکن عبادت کا مرکز ہو کر بھی شرف و کرامت کا مستحق ضرور ہے۔ واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس ہے۔ عبادت بیت کی نہیں، بلکہ رب البیت کی ہے۔ فلیعبدوا رب ھذا البیت۔ تو یہاں سجدہ تو اللہ کا ہے، مرکز اور قبلہ آدم تھا، جیسے کعبہ معبود نہیں، اسی طرح آدم بھی معبود نہیں ہے۔
اِلَّآ اِبلِیسَ:
اب سوال یہ ہے کہ ابلیس فی الواقع فرشتوں میں سے نہیں تھا۔
کَانَ مِنَ الجِنِّ فَفَسَقَ عَن اَمرِ رَبِّہٖ۔
وہ تھا جنوں میں سے پس اس نے اپنے رب کے حکم کی سرتابی کی۔ (الکہف: 50)
جب یہ اللہ کے حکم سے نکل گیا تو شیطان بن گیا، اللہ نے حکم دیا تھا فرشتوں کو مگر یہ تو جن تھا، اس کو سجدہ کا حکم نہیں تھا۔ وہ تو مامور بالسجدہ بھی نہیں تھا، اس لیے عذاب کیونکر ہوا؟ عام مفسرین یہ توجیہ کرتے ہیں کہ جن عام ملائکہ سے نہیں تھا، لیکن اختلاط بالملائکہ ضرور تھا۔ یہاں فرشتوں کی جماعت سے خطاب تھا، جیسا کہ میں اس جلسے سے خطاب کر رہا ہوں۔ اس جلسے میں ایک ایسا شخص بھی ہے کہ یہاں پر اس کا داخلہ نہیں ہے اور میں یہاں پر کسی وجہ سے کہوں کہ سب کھڑے ہو جاؤ، جو بھی جلسہ میں ہے، سب کھڑے ہو گئے، ایک آدمی نہ کھڑا ہوا، اس کا نام بھی رجسٹر میں نہیں ہے، داخلہ بھی نہیں لیا، کوئی غیر تھا۔ اس نے بات نہیں مانی تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس دن طالب علموں سے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ تو ایک کمبخت کھڑا ہوا جو مجلس کے لوگوں سے خطاب تھا، لیکن حکایت میں صرف طالب علم سے تعبیر کیا کہ الحکم للاکثر، اگر اکثریت فرشتے تھے تو مجلس سے اللہ کا خطاب تھا، حکایت میں صرف فرشتوں کا تذکرہ ہے، خطاب میں ابلیس بھی سجدہ میں شامل تھا کہ اسجدوا لادم ہے، لانہ شامل فی جلسۃ الملائکۃ، والخطاب یشملہ کما یشمل الملائکۃ جب قصہ یہ بیان کر دیا تو اس میں فرشتوں کا ذکر کیا کہ خطاب للمجلس تھا للملائکہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ عصیان کا مرتکب ہوا، اس لیے لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ جو اس جہان میں ہوا وہ حسد کا گناہ ہے کہ آدم کو مقام خلافت کیوں دیا گیا۔ اس کو مسجود کیوں بنایا گیا کہ:
والحسد والکبر اولی المعاصی من عصیان اللہ۔ یعنی حسد اور تکبر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سے پہلی نافرمانیاں ہیں۔
قَالَ اَنَا خَیرٌ مِنہُ خَلَقتَنِی مِن نَارٍ وَخَلَقتَہُ مِن طِینٍ۔
کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔ (الاعراف: 12)
اب شیطان پیچھے ہے۔ شیاطین الانس غالب آ گئے شیاطین الجن پر۔
وَقُلنَا یٰٓاٰدَمُ اسکُن الایۃ۔
اور ہم نے کہا کہ آدم رہو تم اور تمہاری زوجہ جنت میں (وہ ان کی پسلی سے پیدا ہوئی، لیکن خلقت معہودہ کی طرح نہیں من جنبہ الایسر پیدا ہوئیں) اور تم کھاؤ میری جنت سے وسعت کے ساتھ، کوئی پابندی نہیں ہے۔ جہاں سے چاہو کھاؤ، پابندی صرف ایک ہے کہ اس درخت کے قریب مت جاؤ، اگر تم قریب گئے تو فَتَکُونَا مِنَ الظّٰلِمِینَ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔
شجرہ سے کیا مراد ہے اس میں بھی کلام ہے مشہور یہ ہے کہ گندم مراد ہے۔
تعریف الشجر:
الشجرۃ الحنطۃ
شجرہ کہتے ہیں کہ ینبت من الارض و یقوم علی الساق (جو زمین سے آگے اور تناور ہو) جو زمین پر پھیل جائے تو وہ شجرہ نہیں ہے۔ جیسے کدو اور تربوز وغیرہ، اگرچہ قرآن میں ہے:
وَاَنبَتنَا عَلَیہِ شَجَرَۃً مِن یَقطِینٍ۔ (الصفت: 146)
ہم نے اگایا اس پر کدو کا درخت۔
یہاں کدو کو شجرہ کہا گیا، لیکن وہ یقطین حضرت یونسؑ پر ایک لمبی ساق تھی، پھر اوپر بیل کو پھیلا دیا تاکہ آدمی اس کے

نیچے آ جائے، اس بیل کا ساق بھی موجود تھا اس لیے اسے شجرہ کہا گیا ہے۔
فَاَزَلَّہُمَا الشَّیطٰنُ۔
شیطان نے ان کو پھسلایا پھر ان دونوں کو نکال دیا جنت کی راحت و آرام سے اور ہم نے کہا کہ اتر جاؤ بعض تمہارے بعض کے لیے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور رہنا ہے۔ دوام نہیں ہے۔ ایک وقت تک رہو گے پھر آدمؑ نے کچھ کلمات اللہ سے حاصل کیے، اللہ نے القاء کیا اور انہوں نے وصول کیا۔ وہ کلمات پڑھ کر توبہ کرو بیشک وہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے، پس اگر آ جائے میری طرف سے ہدایت الخ۔
جنت سے نکالنا یہ بھی ایک حیلہ اور نعمت ہے:
حضرت آدمؑ پہلے جنت میں گئے، اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں فرمایا تھا انی جاعل فی الارض خلیفۃ (میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں) آدم کو جنت میں جانے اور جنت میں رہنے کے لیے پیدا تو نہیں کیا ہے، ورنہ خلیفہ جنت میں ہو گا اور رعایا دنیا میں ہو گی۔ آدم کی فضیلت پر یہ دلیل قائم کی۔ اس لیے وہاں لے جا کر پھر جنات و ملائکہ کو بتلایا کہ ان کی کیا عظمت ہے۔ اب یہاں جنت میں سے نکالنا بھی تھا، انہیں ہے جا نکالنا کیسے ہوتا، نکلنے کا بہانہ ضروری تھا دو طرفہ بہانہ بنایا گیا۔ ادھر آدم پر الزام لگایا گیا کہ تم نے خود ظلم کیا ہے۔ جب انسان اپنی غلطی میں خود ماخوذ ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ کلمات سکھائے گئے کہ اقرار کرو کہ زیادتی آدمی کی اپنی تھی۔ انہوں نے خوشی سے نکلنا قبول کیا کیونکہ وہ دلیل سے شکست کھا گئے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ شیطان کی شیطنت و اضلال اور آدم کے لیے مشکلات پیدا کرنا اور ایک مقام سے گرانا اور تقبیح حال میں ظاہر کرا دینا۔ یہ بھی تو بتا دیا تھا کہ انہ لکم عدو مبین بیشک وہ تمہارا ہے کھلا ہوا۔ گویا شیطان کی نفرت اور ان کے اضلال کا اقرار ابتدا میں آدم و حوا یعنی دادی دادا کے دل میں ڈال دی گئی تاکہ آدم کا ورثہ بھی یہی ہو۔ بہرحال ایک ہی بات سے دونوں فائدے حاصل ہو گئے۔ حضرت آدم بھی جنت سے باہر آ گئے اور شیطان کی عداوت کا تصور بھی ذہن نشین ہو گیا۔
اب سوال یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء معصوم ہیں، قبل النبوۃ بھی اور بعد میں بھی معصوم ہوتے ہیں۔
عن الخطاء والعصیان والظلم۔
غلطی، نافرمانی اور ظلم سے۔
یہاں نبی نے کیسے ظلم کیا کہ یہاں فَتَکُونَا مِنَ الظّٰلِمِینَ کہا گیا ہے۔ یہاں شجرہ کھا کر ظالم بن گئے اور دوسری جگہ ارشاد ہے:
وَعَصَی آدَمُ رَبَّہُ فَغَوَی۔
اور نافرمانی کی آدمؑ نے اپنے رب کی پس وہ بھٹک گئے۔ (طہٰ: 121)
خلاصہ سوال یہ ہے کہ حضرات انبیاء (علیہم السلام) جب معصوم ہوتے ہیں تو پھر ان کی طرف عصیان وغیرہ کے الفاظ کی نسبت کیوں ہوئی، اس کے متعدد جوابات ہیں۔
(1) ایک جواب جو عام ہے، یہ ہے کہ جیسے دوسرے انبیاء (علیہم السلام) میں سے بعض کی طرف ظاہرا جھوٹ کی نسبت کی گئی ہے یا عصیان کی یا ظلم کی تو اسی طرح حضرت آدم کی طرف بھی عصیان کی نسبت کی گئی۔ چنانچہ حدیث میں کذبات ثلاثہ کا تذکرہ ہے کہ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے تین بار جھوٹ بولنے کا ذکر ملتا ہے۔
(1) جب فرعون مصر کے پاس گئے تو حضرت سارہ جو حضرت ابراہیم کی بیوی ہیں کے متعلق فرمایا کہ ھذہ اختی فی اللہ یہ اللہ کے لیے میری بہن ہے۔ (2) جب قوم نے لہو و لعب کی طرف حضرت ابراہیم کو دعوت دی اور ساتھ لے جانا چاہا تو حضرت ابراہیم نے ستاروں کی طرف دیکھا فَنَظَرَ نَظرَۃً فِی النُّجُومِ (۸۸) فَقَالَ إِنِّی سَقِیمٌ۔ پس اس نے غور سے دیکھا ایک بار ستاروں میں پھر کہا بیشک میں تو بیمار ہوں۔ (صافات: 88- 89)
(3) جب حضرت ابراہیم نے بتوں کی گردنیں اڑائیں اور لوگوں نے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تو فرمایا کہ ان بتوں میں سے جو بڑا ہے، اسی نے کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:
قَالُوا أَأَنتَ فَعَلتَ ہٰذَا بِآلِہَتِنَا یَا إِبرَاہِیمُ (۶۲) قَالَ بَل فَعَلَہُ کَبِیرُہُم ہٰذَا فَاسأَلُوہُم إِن کَانُوا یَنطِقُونَ۔ (الانبیاء: 62- 63)
وہ بولے کیا تو نے ہی یہ کام کیا ہے ہمارے معبودوں سے اے ابراہیم۔ اس نے کہا (نہیں) بلکہ یہ کیا ہو گا ان کے سب سے بڑے (بت) نے، پس پوچھو ان سے اگر یہ بولتے ہوں۔
حضرت ابراہیم نے گردنیں مارنے کا کام بت کی طرف منسوب فرمایا، حالانکہ آپ نے یہ کام خود سرانجام دیا تھا، ان تینوں باتوں پر حدیث میں کذب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ نے قبطی اور اسرائیلی کو چھڑاتے قبطی کو مکا مار دیا تو وہ مرگیا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:
ہٰذَا مِن عَمَلِ الشَّیطَانِ إِنَّہُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِینٌ (۱۵) قَالَ رَبِّ إِنِّی ظَلَمتُ نَفسِی فَاغفِر لِی فَغَفَرَ لَہُ۔ (القصص: 15- 16)
یہ تو شیطانی حرکت ہے بلا شبہ وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح، بولا اے میرے رب بیشک میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر پس معاف کر مجھ کو سو معاف کر دیا اللہ نے اس کو۔

یہ تمام باتیں خواہ حضرت ابراہیمؑ سے متعلق ہوں یا حضرت موسیٰ سے یا کسی اور نبی سے یہ معصیت ہے ہی نہیں۔ معصیت یہ ہے کہ بالارادہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے۔
(2) یہ باتیں صورۃً معصیت تھیں، لیکن حقیقت میں یہاں کوئی معصیت نہیں تھی، بلکہ خلاف اولی بات ہوئی ہو گی اور خلاف اولی بات بھی حضرات انبیاء (علیہم السلام) کے بلند و بالا مرتبہ کے شایان شان نہ تھی۔ جیسا کہ مشہور ہے حسنات الابرار سیات المقربین (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ ہیں) جیسے ایک دیہاتی شخص آ جائے اور آداب سے واقف نہ ہو تو اس کی غلطی پر بھی اس کو انعام دیا جاتا ہے، لیکن کبھی کبھی سزا بھی ہو جاتی ہے۔ دوسری جانب آداب جاننے والوں اور مقرب لوگوں کو ایسی کسی غلطی کی اجازت نہیں ہوتی۔ بہرحال یہ خلاف اولی باتی ہیں جن پر بظاہر معصیت کا اطلاق کیا گیا۔ یہ باتیں حقیقت میں معصیت نہیں ہیں۔
(3) اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی غلطی اجتہادی غلطی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَلَا تَقرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ تو یہ اشارہ حسیہ تھا۔ حضرت آدمؑ یہ سمجھے کہ مشار الیہ مخصوص شخصی ہے اور شجرہ ممنوعہ صرف اس درخت کو خیال فرمایا جو مشار الیہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مراد تھی ولا تقربا من نوع هذه الشجرة شخصی درخت کو سمجھ کر دوسرے درختوں سے کھا لیا تو اپنے خیال میں حضرت آدمؑ نے اللہ کے حکم کو پورا فرمایا کہ اس درخت کو چھوڑ کر دوسرے سے کھا لیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تخصیص نوعی کی اور حضرت آدم نے تخصیص شخصی مراد لی، لیکن حضرات انبیاء (علیہم السلام) کا اصل مقام یہ ہے کہ وہ ایسے امور میں زیادہ احتیاط کریں۔ اگر اس حکم کو تخصیص نوعی پر محمول فرما دیتے تو اس صورت میں زیادہ احتیاط ہوتی، گویا خلاف احتیاط کو وعصی آدم ربہ سے تعبیر فرمایا۔
(4) اور چوتھا جواب یہ ہے کہ شیطان کا انداز گفتگو ایسا تھا کہ اس سے حضرت آدمؑ جلدی دھوکا میں پڑ گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھا کر شیطان نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو ہمیشہ رہنے کا نسخہ بتلا رہا ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے:
وَقَاسَمَہُمَا اِنِّی لَکُمَا لَمِنَ النَّاصِحِینَ۔ فَدَلاہُمَا بِغُرُورٍ۔
اور قسم کھائی ان کے سامنے کہ میں تو تمہارے لیے البتہ نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں پس اس نے مائل کر دیا ان دونوں کو دھوکہ سے۔ (الاعراف: 21۔ 22)
یعنی میاں بیوی دونوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھائیں اور شیطان سے قبل کسی نے اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھائی تھی اور نہ حضرت آدم نے کسی سے جھوٹ سنا تھا۔ اس سادہ لوح آدمی سے شیطان نے یہ دوسرا فراڈ کیا۔ پھر بھی حضرت آدمؑ نے مخصوص نوعی کو مخصوص شخصی پر محمول فرمایا تو یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔
جنت سے نکلنا بھی ایک نعمت ہے:
اصل بات یہ ہے کہ یہ حضرت آدم کو جنت سے باہر نکالنے کے اسباب تھے۔ اگر ہمارے بابا وہاں رہتے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری نہ رہتا۔ جنت توالد و تناسل کی جگہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے حضرت حوا بھی جنت میں معتاد طریقہ پر پیدا نہیں ہوئی تھیں اور جمعہ کا دن چونکہ مقدس دن ہے، لہٰذا حضرت آدم کو جنت سے جمعہ کے دن نکالا گیا۔ حضرت آدم کے اس اخراج کو اللہ تعالیٰ نے بطور انعام ذکر فرمایا ہے اور انسانوں پر اس کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت آدم کو شیطان نے وسوسہ کیسے ڈالا تھا؟ اس کے بھی متعدد جوابات ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جیسا کہ نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان بنی آدم کی رگوں میں خون کی طرح چلتا پھرتا ہے اور وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ یہ وسوسہ جنت کے باہر سے ڈالا گیا یا اندر داخل ہو کر، تو بظاہر دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ اس میں کوئی شرعی استبعاد نہیں ہے، بلکہ اس بحث میں پڑنا فضول ہے۔ اصل مقصد حضرت آدم کو زمین کا خلیفہ بنانا تھا اور اصول ہے کہ کل شیئ یرجع الی اصلہ۔ اس وجہ سے حضرت آدم کو زمین پر اتارا گیا۔ جنت میں رہتے ہوئے یہ مقصد پورا ہو نہیں سکتا تھا تو وہ زمین پر اتر گئے۔ وہ اصلی فطرت سلیمہ پر قائم تھے، جیسا کہ حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ:
ما من مولد الا یولد علی الفطرة فابواه یهودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔ (بخاری)
یعنی ہر بچہ دین اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، گویا جن لوگوں کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ اولاد آدم نہیں ہیں۔
جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ ابن آدم نہیں:
نوح نے دیکھا کہ میرا بیٹا مر رہا ہے، تو اسے فرمایا:
یَا بُنَیَّ ارکَب مَعَنَا ولا تَکُن مَعَ الکَافِرِینَ۔ (ہود: 42)
اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہونا۔
اس کے غرق ہونے کے وقت فرمایا:
رَبِّ إِنَّ ابنِی مِن أَہلِی وَإِنَّ وَعدَکَ الحَقُّ وَأَنتَ أَحکَمُ الحَاکِمِینَ۔

اے میرے رب بلا شبہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔ (ہود: 45)
آپ نے صراحتاً بچانے کے متعلق نہیں کہا، بلکہ اشارۃً کہا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:
قَالَ یَا نُوحُ إِنَّہُ لَیسَ مِن أَہلِکَ إِنَّہُ عَمَلٌ غَیرُ صَالِحٍ (الایۃ)
کہا اللہ تعالیٰ نے اے نوح وہ تو تیرے اہل میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس کے عمل نیک نہیں (ہود: 46)
انہیں بتایا گیا کہ یہ تمہارا اہل نہیں ہے۔ اس لیے اگر نبی کا بیٹا بھی غیر صالح عمل کرتا ہو تو نبی کے ساتھ اس کا تعلق کٹ جاتا ہے۔ مزید برآں انہیں مزید سوال کرنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ پھر نوحؑ نے توبہ کی۔ معلوم ہوا کہ نبی کی اولاد کا جسمانی رشتہ روحانی رشتہ کے منقطع ہونے کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اس لیے فطرت مسخ ہو جانے کے بعد وہ اولاد آدم نہ رہیں گے۔
دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے متلاشی ہوتے ہیں، ان کا معاملہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ پریشانیاں آئیں گی، لیکن ہدایت جس کو مل جائے اور وہ اس کو حاصل کر لے وہ بالآخر کامران ہو گا۔ رہے گمراہ لوگ جن کی فطرت مسخ ہو گئی جب انہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی تو پھر وہ ہدایت پر نہیں آئیں گے۔

رکوع ۵ ، ۶

40. یَا بَنِی إِسرَاییلَ اذکُرُوا نِعمَتِیَ الَّتِی أَنعَمتُ عَلَیکُم وَ أَوفُوا بِعَہدِی أُوفِ بِعَہدِکُم وَ إِیَّایَ فَارہبُونِ
41. وَ آمِنُوا بِمَا أَنزَلتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُم وَ لَا تَکُونُوا أَوَّلَ کَافِرٍ بِہ وَ لَا تَشتَرُوا بِآیَاتِی ثَمَنًا قَلِیلًا وَ إِیَّایَ فَاتَّقُونِ
42. وَ لَا تَلبِسُوا الحَقَّ بِالبَاطِلِ وَ تَکتُمُوا الحَقَّ وَ أَنتُم تَعلَمُونَ
43. وَ أَقِیمُوا الصَّلَاۃَ وَ آتُوا الزَّکَاۃَ وَ ارکَعُوا مَعَ الرَّاکِعِینَ
44. أَتَأمُرُونَ النَّاسَ بِالبِرِّ وَ تَنسَونَ أَنفُسَکُم وَ أَنتُم تَتلُونَ الکِتَابَ أَفَلَا تَعقِلُونَ
45. وَ استَعِینُوا بِالصَّبرِ وَ الصَّلَاۃِ وَ إِنَّہا لَکَبِیرَۃٌ إِلَّا عَلَی الخَاشِعِینَ
46. الَّذِینَ یَظُنُّونَ أَنَّہم مُّلَاقُو رَبِّہِم وَ أَنَّہم إِلَیہ رَاجِعُونَ.....ع۵
47. یَا بَنِی إِسرَاییلَ اذکُرُوا نِعمَتِیَ الَّتِی أَنعَمتُ عَلَیکُم وَ أَنِّی فَضَّلتُکُم عَلَی العَالَمِینَ
48. وَ اتَّقُوا یَومًا لَّا تَجزِی نَفسٌ عَن نَّفسٍ شَیئا وَ لَا یُقبَلُ مِنہا شَفَاعَۃ وَ لَا یُؤخَذُ مِنہا عَدلٌ وَ لَا ہم یُنصَرُونَ
49. وَ إِذ نَجَّینَاکُم مِّن آلِ فِرعَونَ یَسُومُونَکُم سُوءَ العَذَابِ یُذَبِّحُونَ أَبنَاءَکُم وَ یَستَحیُونَ نِسَاءَکُم وَ فِی ذَلِکُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّکُم عَظِیمٌ
50. وَ إِذ فَرَقنَا بِکُمُ البَحرَ فَأَنجَینَاکُم وَ أَغرَقنَا آلَ فِرعَونَ وَ أَنتُم تَنظُرُونَ
51. وَ إِذ وَاعَدنَا مُوسَی أَربَعِینَ لَیلَۃ ثُمَّ اتَّخَذتُمُ العِجلَ مِن بَعدِہ وَ أَنتُم ظَالِمُونَ
52. ثُمَّ عَفَونَا عَنکُم مِّن بَعدِ ذَلِکَ لَعَلَّکُم تَشکُرُونَ
53. وَ إِذ آتَینَا مُوسَی الکِتَابَ وَ الفُرقَانَ لَعَلَّکُم تَہتَدُونَ
54. وَ إِذ قَالَ مُوسَی لِقَومِہ یَا قَومِ إِنَّکُم ظَلَمتُم أَنفُسَکُم بِاتِّخَاذِکُمُ العِجلَ فَتُوبُوا إِلَی بَارِیکُم فَاقتُلُوا أَنفُسَکُم ذَلِکُم خَیرٌ لَّکُم عِندَ بَارِیکُم فَتَابَ عَلَیکُم إِنَّہ ہوَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ
55. وَ إِذ قُلتُم یَا مُوسَی لَن نُّؤمِنَ لَکَ حَتَّی نَرَی اللَّہ جَہرَۃ فَأَخَذَتکُمُ الصَّاعِقَۃ وَ أَنتُم تَنظُرُونَ
56. ثُمَّ بَعَثنَاکُم مِّن بَعدِ مَوتِکُم لَعَلَّکُم تَشکُرُونَ
57. وَ ظَلَّلنَا عَلَیکُمُ الغَمَامَ وَ أَنزَلنَا عَلَیکُمُ المَنَّ وَ السَّلوَی کُلُوا مِن طَیِّبَاتِ مَا رَزَقنَاکُم وَ مَا ظَلَمُونَا وَ لَکِن کَانُوا أَنفُسَہم یَظلِمُونَ
58. وَ إِذ قُلنَا ادخُلُوا ہذِہ القَریَۃ فَکُلُوا مِنہا حَیثُ شِیتُم رَغَدًا وَ ادخُلُوا البَابَ سُجَّدًا وَ قُولُوا حِطَّۃ نَّغفِر لَکُم خَطَایَاکُم وَ سَنَزِیدُ المُحسِنِینَ
59. فَبَدَّلَ الَّذِینَ ظَلَمُوا قَولًا غَیرَ الَّذِی قِیلَ لَہم فَأَنزَلنَا عَلَی الَّذِینَ ظَلَمُوا رِجزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا کَانُوا یَفسُقُونَ

ترجمہ:

۴۰. اے بنی اسرائیل میرے احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔
۴۱. اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی تصدیق کرتی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے اور تم ہی سب سے

پہلے اس کے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرو۔
.۴۲ اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔
.۴۳ اور نماز قائم کرو اور کو دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔
.۴۴ کیا لوگوں کو تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پھر کیوں نہیں سمجھتے۔
.۴۵ اور صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز مشکل ہے مگر ان پر جو عاجزی کرنے والے ہیں۔
.۴۶ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ضرور اپنے رب سے ملنا ہے اور ہمیں اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔
.۴۷ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی تھیں اور میں نے تمہیں جہان پر فضیلت دی تھی۔
.۴۸ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کے لیے کوئی سفارش قبول ہو گی اور نہ اس کی طرف سے بدلہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔
.۴۹ اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی و ہ تمہیں بری طرح عذاب دیا کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔
.۵۰ اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا پھر تمہیں تو بچا لیا اور تمہارے دیکھتے دیکھتے فرعونیوں کو ڈبو دیا۔
.۵۱ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر اس کے بعد تم نے بچھڑا بنا لیا حالانکہ تم ظالم تھے۔
.۵۲ پھر اس کے بعد بھی ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔
.۵۳ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور قانون فیصل دیا تاکہ تم ہدایت پاؤ۔
.۵۴ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم بے شک تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا سو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو پھر اپنے آپ کو قتل کرو تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک یہی بہتر ہے پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی بے شک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔
.۵۵ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تیرا یقین نہیں کریں گے جب تک کہ روبرو اللہ کو دیکھ نہ لیں تب تمہیں بجلی نے دیکھتے ہی دیکھتے آ لیا۔
.۵۶ پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد زندہ کر اٹھایا تاکہ تم شکر کرو۔
.۵۷ اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر من اور سلویٰ اتارا جو کچھ ہم نے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔
.۵۸ اور جب ہم نے کہا اس شہر میں داخل ہو جاؤ پھر اس میں جہاں سے چاہو بے تکلفی سے کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہتے جاؤ بخش دے تو ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ بھی دیں گے۔
.۵۹ پھر ظالموں نے بدل ڈالا کلمہ سوائے اس کے جو انہیں کہا گیا تھا سو ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔

افادات محمود

یٰبَنِیٓ اِسرَاءِیلَ اذکُرُوا الایۃ:
اس رکوع میں بنی اسرائیل کو اسلام کی طرف دعوت دی جاتی ہے طریقہ تذکیر بآلاء اللہ کیا ہے۔ اس رکوع میں بنی اسرائیل کے ضلال و گمراہی کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔
اے اسرائیل کے بیٹو یاد کرو میری اسی نعمت کو جو میں نے تم پر کی اور پورا کرو میرے عہد کو۔ میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی درآنحالیکہ وہ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو تمہارے سامنے ہیں اور تم پہلے کافر نہ بنو اس کتاب کے ساتھ اور میری آیتوں کو بیچ کر تم اس کے ساتھ ثمن قلیل (قلیل مال) حاصل نہ کرو اور مجھی سے ڈرتے رہو اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ جان بوجھ کر، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ کیا تم لوگوں کو حکم کرتے ہو، نیکی کا اور بھول جاتے ہو اپنے بارے میں کیا تم سمجھتے نہیں اور بالصبر والصلوۃ سے مدد لیا کرو اور بیشک نماز بہت بڑا بوجھ ہے مگر سوائے خاشعین کے، خاشعین وہ ہیں جو یقین رکھتے ہیں پروردگار سے ملنے کا۔

بنی اسرائیل کون تھے:
یہاں بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ اسرائیل کے بیٹے کون تھے؟ اسرائیل در اصل حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے ہیں اور ہر ایک بیٹے سے بہت بڑی نسل چلی اور یوں بارہ قبیلے ہو گئے۔ چنانچہ ان بارہ قبیلوں کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔
بنی اسرائیل سے خطاب کی وجہ:
بنی اسرائیل کے لفظ میں ہی دعوت موجود ہے۔ لفظ بنی اسرائیل کا مفہوم یہ ہے کہ تم تو بہت بڑے پیغمبر کے بیٹے ہو، اپنے خاندان کا کچھ خیال رکھو۔ اپنے اجداد کے طریق پر چلو۔ ہمیشہ کسی اچھے خاندان کا بیٹا جب گمراہ ہو جاتا ہے تو اسے خاندان کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ اس لیے انہیں اسرائیل کے بیٹوں کی حیثیت سے اللہ نے مخاطب کیا ہے کہ اس میں بھی دعوت ہے اور اگر انہیں خاندان کا پاس نہیں ہے تو پھر آگے دوسری دعوت دی ہے۔ اللہ نے انہیں اپنا احسان جتلایا اذکُرُوا نِعمَتِیَ الَّتِیَ اَنعَمتُ عَلَیکُم کہ میرا احسان تو دیکھو۔ اگر باپ کا خیال نہیں کرتے تو میرا تو کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایک تو عام ہیں جو ہر انسان کے ساتھ ہیں۔ جیسے اعبدوا ربکم الذی خلقکم میں تھیں۔ یہ انعامات عام ہیں جو کسی فرد یا خاندان کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔
بعض انعامات خالص اور خاص بھی ہیں کہ جو عام لوگوں کے سوا کسی خاص خاندان اور کسی خاص طبقہ یا فرد کے ساتھ مختص ہوں اور انعامات خاصہ دعوت و تبلیغ کی طرف زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو دعوت دے رہے ہیں، اس لیے انعامات خاصہ کا ذکر کیا گیا۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا نِعمَتِیَ الَّتِیَ اَنعَمتُ عَلَیکُم وہ نعمت جو دوسرے انسانوں کو چھوڑ کر خاص تم پر نازل کی گئی ہے۔ اس لیے الَّتِیَ اَنعَمتُ عَلَیکُم کی قید لگائی ہے۔
یہاں لفظ نعمت مفرد ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی نعمت ہے لیکن اس سے مراد جنس نعمت ہے شخصی نعمت نہیں ہے۔ اس نعمت میں بہت سے افراد شامل ہیں اس لیے فرمایا کہ اس نعمت کو ہی یاد کرو۔ قرآن نے جا بجا ان نعمتوں کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ جیسے فرعون سے نجات دلائی۔
وَاِذ نَجَّینٰکُم مِّن اٰلِ فِرعَونَ۔
اور یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی۔
کسی ظالم سے اگر کوئی نجات دلا دے تو یہ اس کا بڑا احسان ہوتا ہے۔ ظالموں نے آپ کو گھیرا ہوا ہے۔ جو شخص ظالم سے آپ کو نجا دلائے، سب سے بڑا محسن تو یہی ہے۔ الانسان عبدالاحسان یعنی انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے۔ وہ محسن کے احسانات کے سامنے مجبوراً جھک جاتا ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کے ساتھ بہت سے احسانات کیے۔ ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔
(1) یوں ہوا کہ دریا کو پھاڑ کر بنی اسرائیل کو بچایا جبکہ راستہ کوئی نہ تھا تو بارہ راستے بنائے۔ ہر قبیلہ کے لیے الگ راستہ بنایا۔
(2) اللہ تعالیٰ نے ان پر من و سلویٰ اتارا۔ وانزلنا علیکم المن والسلوی۔
(3) ایک پتھر سے اللہ نے بارہ چشمے جاری کیے۔ جب انہوں نے پانی مانگا تو حضرت موسیٰ کو پتھر پر عصا مارنے کا حکم صادر فرمایا۔
فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا۔
پس جاری ہو گئے اس میں سے بارہ چشمے۔
(4) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پے در پے ہزاروں پیغمبر بھیجے، بلکہ یعقوبؑ کے بعد جناب نبی کریمﷺ کے آنے تک حضرت ابراہیم کی ذریت میں جتنے پیغمبر آئے، سب بنی اسرائیل سے آئے۔
(5) پھر حضورﷺ کو بنی اسماعیل میں بھیجا گیا۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحاق کے بیٹے تھے اور اسحاق و اسماعیل دونوں بھائی تھے۔ یہ دونوں ابراہیم کے بیٹے تھے، اسحاق ان میں پیغمبر تھے اور یہ اسماعیل کے بھائی تھے، ہزاروں پیغمبر بنی اسرائیل کے تھے۔
(6) تمام کتابیں تورات، انجیل، زبور اور بڑے بڑے صحیفے موسیٰؑ کو دیے گئے۔ بنی اسرائیل میں اتنی نعمتیں نازل ہوئیں لا تعدو لا تحصی۔
عہد اللہ و عہد الیہود:
فرمایا وَاَوفُوا بِعَہدِیَ میرا عہد پورا کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے جو عہد لیا تھا وہ عہد تمہیں پورا کرنا چاہیے۔ انسان کو اپنے عہد کی پاس داری کرنی چاہیے۔ جبکہ تم میرے احسانات کا کفران کرتے ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے ان العہد کان مسؤلا بیشک وعدہ کے متعلق جواب دہی ہو گی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:
وَاِذ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلا تَكتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِم وَاشتَرَوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلا فَبِئسَ مَا يَشتَرُونَ۔ (آل عمران: 187)

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے اقرار لیا جنہیں کتاب دی گئی تھی کہ تم ضرور بیان کرنا اسے لوگوں کے لیے اور اس کو نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور لی انہوں نے اس کے عوض تھوڑی قیمت۔ پس بہت برا ہے جو کچھ وہ لیتے ہیں۔

میثاق اور عہد ہم معنی الفاظ ہیں یعنی یہود سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد و میثاق لیا تھا۔ ان کی کتاب میں حضور ﷺ کی صفات و علامات مذکور ہیں۔ پھر اہل کتاب کا ذکر اور یہود و نصاریٰ کا صراحتاً ذکر فرمایا ہے تاکہ یہود یہ نہ سمجھیں کہ یہاں نہ تو ان کا ذکر ہے، نہ ان سے کوئی مطالبہ۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے میثاق کا بھی تذکرہ واضح طور پر ہوا ہے۔

وَلَقَد أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِى إِسرَائِيلَ وَبَعَثنَا مِنهُمُ اثنَى عَشَرَ نَقِيبًا۔

اور لے چکا ہے اللہ تعالیٰ عہد بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے تھے ان میں سے بارہ سردار۔ (المائدہ: 12)

اسی طرح بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے میثاق کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَإِذ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيتُكُم مِن كِتَابٍ وَحِكمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُم رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُم لَتُؤمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ۔

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول جو تصدیق کرے اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ (آل عمران: 81)

یہ میثاق نبیین سے لیا گیا۔ اس میثاق کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء (علیہم السلام) حضور کی بعثت کے وقت موجود ہوں گے، بلکہ انبیاء (علیہم السلام) اپنی اپنی امتوں کے نمائندے تھے، لہٰذا ان سے عہد لے کر ان آنے والی نسلوں کے لیے یہ عہد لازم قرار دے دیا گیا کہ جو لوگ انبیاء کی امتوں سے ہوں گے وہ اس عہد کی پاسداری کریں گے۔ اس آیت کے آخرت میں ارشاد ہے کہ قال اءقررتم کیا تم نے (اس وعدے کا) اقرار کیا؟ تو ان سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ اقررنا یعنی ہم نے آپ سے وعدہ کا اقرار کر لیا ہے۔ قانون یہ ہے کہ المرا یوخذ علی اقرارہ یعنی انسان اپنے اقرار پر ماخوذ ہوتا ہے۔ بہرحال مندرجہ بالا آیات میں یہ عہد واضح ہے کہ جب ایسا رسول آ جائے جو تمہاری کتاب کی تائید کرے اور اس کی تصدیق کرے تو تم اس کو تسلیم کرو گے۔ اب اس وعدہ کو پورا کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے بزرگوں اور بڑوں سے لیا تھا۔ اوف بعھدکم میں نے جو وعدہ آپ لوگوں سے کیا ہے اسے پورا کروں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ترغیبی انداز ہے، جیسے دنیا کے حکمران کہتے ہیں کہ ہمارا ساتھ دو، ہم تمہیں وزیر بنائیں گے، لیکن لوگ تو وعدہ خلافی کر جاتے ہیں۔ وہ عہد پورا نہیں کرتے، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، یہ بہر طور سچا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَن أَصدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا۔

اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ (النساء: 87)

وَمَن أَصدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلا۔

(اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ (النساء: 122)

إِنَّ اللَّهَ لا يُخلِفُ المِيعَادَ۔

بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ (آل عمران: 9)

یہود کے اسلام میں داخل نہ ہونے کی وجوہ:

مذکورہ بالا جملہ میں اللہ تعالیٰ کے عہد کا ذکر ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس عہد کو پورا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا عہد یہ تھا کہ اہل کتاب جب اسلام قبول کریں گے اور نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں گے تو ان کو دوہرا اجر ملے گا، آگے اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

یہود اس وجہ سے مسلمان نہیں ہو رہے تھے کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اگر ہم نے رسول خدا ﷺ کے دامن کو پکڑ لیا اور آپ سے وابستہ ہو گئے تو ہماری جو ریاست قائم ہے اور جو ہمارا مقام و رتبہ ہے، یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا لوگ نئے دین کو حجت سمجھیں گے، یہ لوگ اہل مشہور تھے، ان کے لیے تحفے تحائف نذر و نیاز وغیرہ آتے تھے۔ ان تحفے تحائف اور نذر و نیاز کے بند ہونے کا قوی اندیشہ تھا، پھر اب اگر یہ لوگ تورات و انجیل کے نام پر فیصلے کرنا چھوڑ دیں تو یہ لوگ تورات کے حکم کے عوض جو بھاری رقمیں لوگوں سے وصول کرتے تھے اور فتویٰ فروشی کا کام کرتے تھے وہ بھی بند ہو جائے گا۔

قرآن پر ایمان لانے کے بعد تورات و انجیل کے نام پر فیصلہ کرنا جائز نہ ہو گا۔ گویا حضور ﷺ کی اتباع میں ان لوگوں کو یہ خطرات درپیش تھے، پھر بھی اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری عزت و آبرو کو قائم رکھوں گا۔ اسلام لانے کے بعد تمہارا رتبہ اور درجہ اسی طرح قائم رہے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَرَحمَتِي وَسِعَت كُلَّ شَيءٍ فَسَأَكتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ ہُم بِآيَاتِنَا يُؤمِنُونَ (۱۵۶) الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكتُوبًا عِندَہُم فِي التَّورَاةِ وَالإِنجِيلِ يَأمُرُہُم بِالمَعرُوفِ وَيَنہَاہُم عَنِ المُنكَرِ وَيُحِلُّ لَہُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيہِمُ الخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنہُم إِصرَہُم وَالأَغلالَ الَّتِي كَانَت عَلَيہِم فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ ہُمُ المُفلِحُونَ۔ (الاعراف:

(157 -156

اور میری رحمت گھیرے ہوئے ہے ہر چیز کو پس میں اسے لکھ دوں گا ان کے لیے جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو لوگ کہ ہماری آیتوں پر یقین کرتے ہیں جو لوگ کہ پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے وہ پاتے ہیں جسے لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں وہ حکم کرتا ہے انہیں نیک کام کا اور روکتا ہے انہیں برے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کا بوجھ اور قیدیں جو پڑی تھیں ان پر، پس جو لوگ ایمان لائے اس پر اور اس کی حمایت کی اور اس کی مدد کی اور پیروی کی انہوں نے اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب کو تسلی دی گئی کہ تمہاری عظمت بھی قائم رہے گی اور تمہیں اجر بھی دگنا ملے گا۔ حضور ﷺ کی اتباع میں جو خطرات درپیش تھے ان کا بھی ازالہ کر دیا اور فرمایا وَاِيَّایَ فَاتَّقُونِ۔ یعنی مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ وایای جب مقدم ہوا تو اس نے تخصیص کا مفہوم دیا۔ دنیا میں تمہارے لیے جو منفعتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ نفع بخش اور فائدہ مند چیز مجھے خوش کرنا ہے۔ ورنہ دنیا کی کوئی منفعت کام نہیں آئے گی، ہر منفعت کا بدل ہو سکتا ہے، لیکن جس کو اللہ چھوڑ دے اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے:

لکل شیئ اذا فارقتہ عوض۔۔ ولیس للہ ان فارقتہ من عوض۔

یعنی دنیا کی کوئی بھی چیز اگر آپ کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی بدل ہو سکتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے تیرا رشتہ و تعلق ٹوٹ گیا تو اس کا پھر کوئی بدل نہیں ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ:

الَّذِينَ آتَيْنَاہُمُ الكِتَابَ مِن قَبلِہِ ہُم بِہِ يُؤمِنُونَ (۵۲) وَإِذَا يُتلَى عَلَيہِم قَالُوا آمَنَّا بِہِ إِنَّہُ الحَقُّ مِن رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبلِہِ مُسلِمِينَ (۵۳) أُولَئِكَ يُؤتَونَ أَجرَہُم مَرَّتَينِ بِمَا صَبَرُوا۔ (القصص: 52 تا 54)

اور وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب اس سے پہلے وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب پڑھ کر سنایا جاتا ہے ان کو تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر بیشک وہ سچی کتاب ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم تو تھے اس سے پہلے ہی حکم ماننے والے، انہی لوگوں کو دیا جائے گا، ان کا اجر دو بار۔ اس کے عوض جو انہوں نے صبر کیا۔

اس طرح صحیح مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک ان میں رجل امن بنبیہ ثم امن بمحمد ﷺ، یعنی ایک وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لائے اور حضرت محمد ﷺ پر بھی ایمان لائے۔ اہل کتاب کے لیے ایمان لانے سے مراد صرف اعتقادی ایمان نہیں ہے، بلکہ اعتقادی ایمان کے ساتھ ساتھ عملاً ایمان لانا مقصود ہے۔ جیسا کہ ہمارا ایمان سابقہ انبیاء پر اعتقاداً ہے، عملاً نہیں ہے اور اجمالاً ہے تفصیلاً نہیں ہے۔ کیونکہ ایک نبی پر ایمان لانے کے بعد دوسرے نبی پر ایمان لانا بڑا مشکل ہے۔ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے، اس مشکل کے باعث ان کو دو گنا اجر ملے گا۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی ماننا کتنا مشکل ہے، اس سے اندازہ کیجیے کہ ایک پیر سے دوسرے پیر کی طرف منتقل ہونا مشکل ہے۔ اہل کتاب حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا اس سے کہیں مشکل تر ہے۔ سیاسی پارٹیوں سے بھی نکلنا اور دوسری پارٹی کی طرف منتقل ہونا پہلے مشکل ہوتا تھا، لیکن آج کل بہت آسان ہے۔

وَاٰمِنُوا بِمَآ اَنزَلتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم الایۃ:

اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو میں نے نازل کی، تصدیق کرتی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے۔

یہاں پر وہ وعدہ یاد دلایا گیا ہے کہ ان سے وعدہ لیا گیا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی نئی کتاب اور نیا رسول آ جائے تو تم اس کی اتباع کرو گے۔

وَلَا تَكُونُوٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِہٖ ۠ وَلَا تَشتَرُوا بِاٰيٰتِی ثَمَنًا قَلِيلًا وَاِيَّایَ فَاتَّقُونِ۔

اور نہ بنو تم ہی سب سے اول منکر اس کے اور نہ لو میری آیتوں پر دام تھوڑے اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

اَوَّلَ كَافِرٍ سے کیا مراد ہے؟

سورۃ بقرہ مدنی سورۃ ہے اس میں مذکورہ احکام کے مخاطب مدینے والے اور پھر تمام انسان ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم 13 سال مکہ مکرمہ میں نازل ہوتا رہا اور جیسا کہ معلوم ہے کہ اکثر اہل مکہ قرآن کریم کا انکار ہی کرتے تھے تو اَوَّلَ كَافِرٍ کا مصداق تو وہی ہیں۔ مدینہ کے اہل کتاب تو بظاہر اول کافر کا مصداق نہیں بن سکتے۔ گویا وہ تو اَوَّلَ كَافِرٍ کے مصداق ہونے سے عاجز ہیں۔ عاجز کو ایسے کام سے روکنا جو پہلے سے اس کے بس میں نہ ہو یہ تکلیف بما لا یطاق (طاقت سے بڑھ کر) ہے جو جائز نہیں ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کسی کو کہا جائے آسمان کی طرف نہ اڑنا، اور چاند پر مکان نہ بنانا۔

(1) اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ کفر سے مراد خاص اہل کتاب کا کفر ہے، مطلق کفر مراد نہیں ہے۔

(2) دوسرا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حقیقت میں اَوَّلَ کَافِرٍ مشرکین مکہ تھے، لیکن اہل کتاب نہ ہونے اور ان پڑھ یعنی علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے کفر کی وہ اہمیت نہ تھی۔ اس وجہ سے ان کے کفر کو نظر انداز کیا گیا اہل کتاب کا کفر باوجود علم اور سمجھ بوجھ کے تھا۔ یہ ایک خطرناک جسارت تھی، اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی، لہذا فرمایا کہ تم اے اہل کتاب پہلے منکر نہ بننا۔

(3) اور تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار مکہ کا کفر تو تمام کتابوں سے متعلق تھا، وہ کسی کتاب کو نہیں مانتے تھے اور اہل کتاب سابقہ کتابوں کو تو کسی حد تک مانتے تھے، لیکن قرآن کا انکار کر بیٹھے تو ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کے پہلے منکر نہ بننا۔
وَلَا تَشتَرُوا بِاٰیٰتِی ثَمَنًا قَلِیلًا الخ۔

یہاں پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بیع میں ثمن و قیمت ہمیشہ مشتری کی طرف سے ہوتی ہے اور مشتری کی طرف سے ادا کی جاتی ہے، ثمن دیتا ہے لیتا نہیں اور اس آیت میں بائع کو مشتری بتایا گیا ہے اور ثمن قلیل کو بمنزلہ قیمت کے بنایا گیا یعنی آیات دے رہے ہیں اور ثمن قلیل لے رہے ہیں اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ثمن لے کر تحریف کرتے تھے تو یہ عجیب مشتری ہے کہ ثمن لیتا ہے دیتا نہیں ہے، اگر یہاں لفظ بیع ہوتا تو بات صاف ہوتی۔

(1) اس اشکال کا پہلا اور حقیقی جواب تو یہ ہے کہ بیع و شرا کا فرق ایک موخر اصطلاح ہے، ورنہ بیع و شرا دونوں لفظ مترادف ہیں اور ایک دوسرے پر ان دونوں کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ امام راغب لکھتے ہیں ویقال للبیع الشراء وللشراء البیع یعنی بیع شراء کا اور شراء پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:
وَشَرَوهُ بِثَمَنٍ بَخسٍ دَرَاہِمَ مَعدُودَۃٍ۔
اور اس کو بیچ ڈالا تھوڑی قیمت یعنی گنتی کے درہموں کے عوض۔ (یوسف: 20)

گویا یہاں شروہ، باعوہ کے معنی میں ہے۔ اسی طرح ایک حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یا یبیعن احدکم علی بیع اخیہ یعنی ہرگز تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے۔ ای لا یشتری یعنی جب ایک آدمی کوئی چیز خرید رہا ہو تو جب تک وہ خرید نہ لے یا چھوڑ نہ دے، دوسرا آدمی اس کے خرید سے متعلق کوئی بات نہ کرے۔ یہاں بیع شراء کے معنی میں ہے۔

(2) دوسرا جواب یہ ہے کہ ثمن اورمبیع میں سے ہر ایک کی طرف ثمن اور مبیع کی نسبت ہو سکتی ہے اور یہ نسبت عرف کے مطابق ہو گی کہ واحد البدلین میں سے عرف میں کون سا چمن ہے اور کون سا مبیع ہے۔

(3) تیسرا جواب یہ ہے کہ جب بیع و شراء باب افتعال سے ہوں تو خریدنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں یعنی اشتراء و ابتیاع اور جب مجرد ہوں جیسے باع و شری تو پھر بیچنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر سورۃ یوسف کی آیت و شروہ سے معلوم ہوا۔

دوسرا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ ثمن قلیل پر فروخت نہ کرو تو اگر مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جائے تو کیا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ اگر زیادہ ثمن ملے تو بیچتے رہو۔ اسی طرح اس نوعیت کا شبہ وَلَا تَکُونُوا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ اول کافر نہ بنو تو کیا دوسرے نمبر (العیاذ باللہ) کافر بن سکتے ہو۔

الجواب: ہمارے احناف کے ہاں تو مفہوم مخالف معتبر ہی نہیں ہے، لہذا یہ دونوں سوال پیدا ہی نہیں ہوتے، البتہ جن کے ہاں مفہوم مخالف معتبر ہے ان کی طرف سے ہم یہ جواب دیتے ہیں۔ (1) پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا اعتبار وہاں ہوتا ہے جہاں آیت منطوق اور عبارۃ النص نہ ہو جبکہ یہاں مفہوم مخالف دلالۃ النص سے پیدا ہوتا ہے اور عبارت النص کا مسئلہ یہ ہے کہ جب دلالۃ النص اور عبارۃ النص میں تقابل ہو تو ترجیح عبارۃ النص کو ہوتی ہے لہذا یہ حمل علی القلیل ہے اور مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔ (2) دوسرا جواب یہ ہے کہ خواہ قرآن کریم کا انداز خطاب کا ہو یا انسانوں کو کوئی دعوت دی جا رہی ہو تو بعض افراد حکم سے خارج ہوتے ہیں۔ منکر پر بعض عمل کرنے والوں کو حکم سے خارج کرنے سے کیا مقصد۔ در اصل منکر کی قباحت و شناعت کو واضح کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح بعض منبہات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ثمن کے ساتھ قلیل کی جو قید ہے وہ اسی قبیل سے ہے اور یہی جواب دوسرے شبہ کا بھی دیا جا سکتا ہے کہ اول کافر کی جو نفی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے اتنے احسانات و نعمتوں کے باوجود تم کافر نہ بنو اور کفر میں پہل نہ کرو۔ اسی طرح سورۃ آل عمران کی آیت کا حل ہے کہ فرمایا کہ سود و ربوا اضعافا مضاعفا نہ کھاؤ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کئی بار دگنا کر کے سود کھانا منع ہے اور ایک بار یا دو بار دگنا کر کے کھانا جائز ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں سود کا جو نقشہ اور شکل تھی، قرآن کریم نے وہ نقشہ کھینچا ہے، ورنہ ایک بار سود ہو تب بھی حرام ہے اور دو بار ہو تو پھر بھی حرام ہے، اسی طرح سورۃ لقمان میں ہے:
خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِغَیرِ عَمَدٍ تَرَونَہَا۔ پیدا کیے اس نے آسمان بغیر ستونوں کے کہ تم دیکھتے ہو ان کو (لقمان: 10)

یہاں پر یہ بھی مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ اگر ستون کے ساتھ آسمان ہوتے تو کیا پھر اس کا احسان نہ ہوتا، اگر اللہ تعالیٰ ستون لگا بھی لیتے تو اتنی بڑی چھت کو ستونوں کے سہارے سے کھڑا کرنا بھی غیر معمولی بات ہے، لیکن بغیر ستون کے ہونا

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مظہر اتم ہے۔
وَاِیَّایَ فَاتَّقُونِ:
بسا اوقات طلبہ کے ذہنوں میں اس نوعیت کے سوالات ابھرتے ہیں کہ پہلے فرمایا تھا فارھبون اور اب فرمایا جا رہا ہے فاتقون ترجمہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔ صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں؟ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ مترادف الفاظ استعمال حسن لفظی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور اس میں ایک گنا تفنن و لذت ہے۔
(2) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اصطلاحی فرق ہے، کیونکہ یہود متقی اور پرہیزگار کے لیے ر، ھ،ب استعمال کرتے تھے اور متقی کو راھب کہتے تھے، لیکن مسلمان متقی کہتے ہیں۔ ایک جگہ یہود کی اصطلاح کے مطابق فارھبون کہا اور دوسری جگہ مسلمانوں اور عربوں کی اصطلاح کے مطابق فاتقون استعمال کیا گیا۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جس دین پر ہوتا ہے اس دین کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ دوسروں کی اصطلاحات کو استعمال کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ بہرحال یہاں بنی اسرائیل کو دو طریقوں سے دعوت دی گئی ہے، ایک تو ان سے ایفائے عہد کا مطالبہ کیا گیا ہے، دوسرا ان سے یہ کہا گیا کہ دلیل کامل کا اتباع کرو اور آباء و اجداد کی رسوم کو چھوڑ دو۔

وَلَا تَلبِسُوا الحَقَّ بِالبَاطِلِ الخ:
یعنی خلط ملط نہ کرو اور تاویل باطل نہ کرو کیونکہ حق کو باطل سے خلط کرنے کا گناہ بہت زیادہ ہے۔ آج کل ملحدین اور زنادقہ یہی کچھ کر رہے ہیں اور فرق باطلہ بھی۔ وَاَنتُم تَعلَمُونَ یعنی تم جانتے بھی ہو، اگر کسی شخص کو اجتہاد میں خطایا غلطی ہو جاتی ہے تو درگزر کر دی جاتی ہے، لیکن عمداً غلطی کرے تو معافی کے قابل نہیں، مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ:
ویل لمن لا یعلم مرة و ویل لمن یعلم ولا یعمل سبع مرات۔
یعنی جو شخص نہ جانتا ہو تو اس کے لیے ایک بار ہلاکت ہے اور جو جاننے کے باوجود عمل نہ کرے تو اس کے لیے سات بار ہلاکت ہے۔
اس حدیث میں علماء کے لیے بڑی ترہیب ہے، یہودی جان بوجھ کر گناہ کرتے تھے، اس لیے ان کو سات گنا زیادہ عذاب ہو گا، وہ اگر تلبیس نہ کرتے تو انہیں لازما اسلام قبول کرنا پڑتا۔ وہ علماء بھی یہود کے راستے پر گامزن ہوں گے جو جانتے بوجھتے دین حق کو چھپاتے اور دین کے حقائق کا انکار کرتے یا دین حق پر عمل سے گریز کرتے ہیں۔
وَاَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ
یہاں صریح دعوت ہے یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو، وَارکَعُوا مَعَ الرّٰکِعِینَ جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا کرو۔ یہاں نماز کی فرضیت کو الگ بیان کیا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو الگ بیان کیا۔
اہل کتاب کی ضلالت کی دوسری وجہ:
اہل کتاب کی ضلالت کی پہلی وجہ تو تحریف کتاب تھی، دوسری وجہ دوسروں کو نیکی کی تلقین اور خود عمل نہ کرنا ہے۔
چنانچہ ارشاد فرمایا:
اَتَامُرُونَ النَّاسَ بِالبِرِّ الخ
کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو جبکہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو۔ یعنی یہ بہت بڑی قباحت ہے کہ تمہارا فعل کچھ ہے اور علم کچھ ہے۔ جیسا کہ سورۃ صف پارہ 28 میں ارشاد ہے:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لا تَفعَلُونَ (٢) كَبُرَ مَقتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لا تَفعَلُونَ۔ (الصف: 2- 3)
اے ایمان والو کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، سخت ناپسند ہے اللہ کے ہاں کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں ہو۔
قول اور عمل کے تضاد سے متعلق بہت حدیثیں آئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایسے لوگوں کے ہونٹ (بمقراض النار) آگ کی قینچی سے کاٹے جائیں گے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو خطبے دیتے تھے، وعظ کرتے تھے، لیکن خود عمل نہ کرتے تھے۔ بہرحال قول و عمل کا تضاد بذات خود ایک بڑا گناہ ہے، لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ اگر انسان خود عامل نہ ہو تو کسی اور کو بھی ترغیب نہ دے۔ یعنی یہ معنی نہیں کہ اگر خود عمل نہ کرے تو دوسروں کو بھی نہ کہے۔
کیونکہ اس صورت میں وہ امر بالبر (نیکی کا حکم دینا) سے محروم ہو جائے گا حالانکہ وہ امر بالبر کا شرعاً مکلف ہے اور امر بالبر پر عمل کرنا چاہیے باقی کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب اپنا عمل ہی درست نہیں تو دوسروں کو کیونکر کہا جا سکتا ہے؟
کیونکہ جتنی وعیدات ہیں وہ اس بارے میں ہیں کہ خود عمل بھی نہ کرے اور کسی کو ترغیب بھی نہ دے۔ یا خود بھی برا عمل کرے اور دوسروں کو بھی شامل کر لے، لیکن امر بالبر یعنی نیکی اور بھلائی کا حکم تو بہرحال کرتے رہنا چاہیے، اس آیت میں دعوت کی نفی نہیں ہے۔ ہاں دعوی کرنے کو شدت سے رد کیا گیا ہے۔ اگر اس امر و ترغیب میں کوئی مشکل اور رکاوٹ پیش

آتی ہے تو آگے اس کا علاج بتلایا جا رہا ہے۔
امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں درپیش مصائب کا علاج اور صبر کا پہلا مطلب:
وَاستَعِینُوا بِالصَّبرِ وَالصَّلٰوۃِ الخ۔
اور مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعہ۔
بعض مفسرین کے نزدیک یہاں صبر سے مراد صوم (روزہ) ہے تو حاصل یہ ہوا کہ مدد حاصل کرو صوم و صلوۃ کے ذریعہ، یعنی یہ دونوں چیزیں اختیار کر لو تو تمام اعمال آسان ہو جائیں گے۔ ایک روزے رکھو اور دوسرے نماز پڑھو، روزہ بھی تمام گناہوں سے بچنے کا ایک سبب ہے کیونکہ روزہ کے ذریعہ اکل و شرب، شھوۃ البطن اور شھوۃ الفرج (کھانے پینے، پیٹ کی چاہت اور شرمگاہ کی چاہت) پر کنٹرول ہو جاتا ہے اور قوت غضبیہ پر بھی کنٹرول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:
واذا کان صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احدا و قاتلہ فلیقل انی امرا صائم (بخاری)
جب تم میں سے کوئی شخص روزہ سے ہو تو گالی گلوچ بھی نہ کرے اور سخت کلامی بھی نہ کرے۔ اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے جھگڑے تو کہے کہ میں روزہ سے ہوں۔
لڑائی جھگڑے کے وقت انی صائم کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اجتنب من الاکل والشرب و البعال والکفر والفسوق والعصیان، یعنی میں روزہ کی حالت میں کھانے پینے اور ہم بستری سے بچتا ہوں۔ اس طرح کفر، فسق اور نافرمانی کی باتوں سے بھی بچتا ہوں۔ لہٰذا وہ کسی کو فحش اور سخت جواب نہیں دیتا، اسی طرح نماز بھی برائیوں سے بچاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
إِنَّ الصَّلاۃَ تَنہَی عَنِ الفَحشَاءِ وَالمُنکَرِ (العنکبوت: 45)
بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری باتوں سے۔
لہٰذا بندہ اپنی بندگی کا اقرار کرتا رہے۔ وہ اپنا دل اللہ تعالیٰ سے جوڑے رکھے اور اگر انسانی کمزوری کی وجہ سے گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔
صبر کا دوسرا مطلب:
اگر صبر سے مراد صوم نہ لیا جائے، بلکہ مطلق صبر لیا جائے تو بھی درست ہے۔ کیونکہ امر بالبر میں مختلف مشکلات پیش آتی ہیں اور صبر کے بغیر وہ کام سرانجام دینا اگر نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ مالایمان؟ یعنی ایمان کیا ہے؟ تو فرمایا الصبر والسخاوۃ یعنی ایمان صبر اور سخاوت کا نام ہے۔ سخی سے مراد وہ شخص ہے جو بخل فی الاحسان نہ کرے، امر بالبر ایک مشکل کام ہے اور یہ کام صبر کی مدد اور سہارے کے بغیر سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ صبر سے پتا چلتا ہے کہ فلاں آدمی استقامت پر قائم ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ الایمان نصفان نصف فی الصبر و نصف فی الشکر، یعنی ایمان کے دو حصے ہیں ایک حصہ صبر یعنی مشکلات اور آزمائشوں پر صبر اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر۔
صلوۃ سے کیا مراد ہے:
صلوۃ سے مراد یہاں صرف فرض نماز ہی نہیں ہے، بلکہ نوافل بھی اسی میں شامل ہیں۔ نمازیں اخروی منافع کے ساتھ ساتھ دنیوی کاموں کے لیے بھی اکسیر ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے جو طریقہ صلوۃ حاجت کا تعلیم فرمایا ہے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:
عن عبداللہ ابن ابی اوفی قال قال رسول اللہ ﷺ من کانت لہ الی اللہ حاجۃ او الی احد من بنی ادم فلیتوضاء بحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین ثم یثنی علی اللہ و یصلی علی النبی ﷺ ثم لیقل لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العالمین، اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لا تدع لنا ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا حاجۃ ہی لک رضی الا قضیتھا یا ارحم الرحمین۔ (ترمذی۔ ج 1)
حضرت عبداللہ بن ابی اوفی راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ یا کسی شخص کی طرف کوئی حاجت ہو تو اسے چاہیے کہ وضو کرے اور اچھی طرح (پورے آداب کے ساتھ) وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے اور نبی ﷺ پر درود بھیج کر یہ دعا پڑھے (دعا کا ترجمہ) نہیں ہے کوئی معبود سوا چشم پوشی اور بخشش کرنے والے اللہ پاک کے، اللہ جو مالک ہے عرش عظیم کا اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں کو مانگتا ہوں جن پر رحمت ہوتی ہے اور جو تیری بخشش کا سبب ہوتی ہیں اور مانگتا ہوں اپنا حصہ ہر نیکی سے اور بچنا چاہتا ہوں ہر گناہ سے اے اللہ میرے کسی گناہ کو بے بخشے ہوئے اور کسی غم کو بے دور کیے ہوئے اور کسی حاجت کو جو تیرے نزدیک پسند ہو بے پورا کئے ہوئے نہ چھوڑ۔ اے بہت رحم کرنے والوں سے رحم کرنے والے۔ (دعا ختم ہوئی)
تو جب کوئی مشکل پیش آ جائے تو نماز کی طرف جاؤ۔ وَاستَعِینُوا بِالصَّبرِ وَالصَّلٰوۃِ چنانچہ ابو داؤد نے سنن میں ایک روایت نقل

کی ہے:
عن حذیفۃ قال کان النبیﷺ اذا احزبہ امر فزع الی الصلوۃ۔
یعنی حضورﷺ کو جب کوئی مشکل کام پیش آتا تو آپ نماز کی طرف جلدی فرماتے تھے۔
صرف یہ نہیں، بلکہ میں آپ کو بتا دوں کہ نسائی و ابن ماجہ میں صہیب رومی سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا:
کان الانبیاء یفزعون الی الصلوۃ۔
حضرات انبیاء مشکل کے وقت نماز کی طرف دوڑتے تھے۔
جیسے صلوۃ کسوف فزع ہی تو ہے۔ خسوف قمر ہوا تو نماز ہے، قحط ہے تو صلوۃ استسقاء پڑھی، گویا صلوۃ ہی تمام مشکلات کا مرجع ہے۔ اس لیے فرمایا کہ صلوۃ سے مدد طلب کرو۔ وَاستَعِینُوا بِالصَّبرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ یہ بھی بتلایا کہ امر بالصبر میں مشکلات آئیں گے، ان کو برداشت کرو۔
جو آدمی نماز نہیں پڑھتا، اس کے لیے یہ اتنی مشکل ہے کہ کھینچ کر لاؤ، گھسیٹ کر لاؤ، مسجد کے دروازے پر لے آؤ، تب بھی اس کے لیے نماز ناقابل برداشت ہے، لیکن ایک شخص نمازی ہے، اس کے لیے اتنی آسانی ہے کہ نماز کا وقت آئے تم زنجیروں سے باندھ دو، لیکن اسے قرار نہیں آئے گا۔ یا تو زنجیریں توڑ دے گا یا اشارے سے پڑھے گا۔
یہاں فاقد الطھورین (جس کے پاس نہ پانی ہو نہ مٹی) کا مسئلہ بھی ہے یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ:
حبس فی مکان نجس لم یتیمم ولم یتوضاء۔ یعنی آدمی ایسی جگہ قید ہے کہ پانی بھی موجود نہیں ہے اور جگہ بھی ناپاک ہے تو نہ تیمم کرے گا اور نہ وضو۔
وہ کیا کرے اس مسئلے پر ائمہ کا اختلاف ہے۔
عند ابی حنیفۃ یوخر الصلوۃ وعند الصاحبین یتشبہ بالمصلین۔
امام اعظم کے ہاں نماز کو موخر کرے گا اور صاحبین کے نزدیک نمازیوں کے ساتھ مشابہت رکھے گا یعنی ارکان ادا کرتا رہے گا۔
وہ بعد میں قضا کرے گا۔ اس کے لیے نظائر موجود ہیں۔ روزے اور حج میں اس کے نظائر ہیں۔ ایک آدمی مسافر تھا گھر میں پہنچ گیا، دن میں تو وہ روزہ میں سارا دن تشبہ بالصائمین یعنی روزہ داروں کی طرح رہے گا۔ وہ کچھ کھائے گا پیے گا نہیں کہ روزہ بھی نہیں ہے کھانا پینا بھی نہیں۔ حج میں کسی آدمی کا حج فاسد ہو گیا۔ جب بھی وہ بھاگے گا نہیں، عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے کہ یفعل کما یفعل الحاج وہ تمام اعمال کرے جو حجاج کریں گے۔ اس کے لیے حج کے اعمال چھوڑنا کبیرہ گناہ ہے۔
اسی طرح مذکورہ یہ آدمی پانچ وقت کی نماز تو نہیں پڑھ سکتا، مگر خاشعن کی طرح رہے گا۔
الَّذِینَ یَظُنُّونَ اَنّھُم مُّلٰقُوا رَبِّھِم وَاَنّھُم اِلَیہِ رٰجِعُونَ۔
یہاں ظن بمعنی یقین ہے کہ ہمیں اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ اور لوٹنے کا بھی یقین ہے۔
آج کے منافق:
نماز اس وقت بڑے بڑے لوگ نہیں پڑھتے، علماء و مشائخ نہیں پڑھتے، لوگوں میں پڑھتے ہیں، مگر اکیلے میں نہیں پڑھتے، بڑے بڑے مبلغین کو دیکھا کہ نماز نہیں پڑھتے، ایک وہ زمانہ تھا کہ منافقین جو یقیناً کافر تھے فی الدرک الاسفل من النار کا ان کے لیے حکم ہے، وہ بھی نماز نہیں چھوڑتے تھے۔ کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی منافق نے نماز چھوڑی ہو، ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا ڈر تھا، باقی تمام کوتاہیاں کرتے تھے، نماز علامت اسلام تھی، اس وجہ سے اسے نہ چھوڑتے تھے۔
واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی۔
طبیعت میں داعیہ چستی نہیں ہے لیکن یراؤن الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا۔ (النساء) لوگوں کو (اپنی نمازیں) دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے، مگر تھوڑا۔
تو الا قلیلا یہ ہے کہ ہونٹ ہلا لیتا ہے، لیکن جس طرح بھی ممکن ہوتا وہ نماز پڑھتے تھے، باقی نماز چھوڑنے کے علاوہ تمام کوتاہیاں تھیں۔ ابن مسعود کی روایت ہے کہ: لا یتخلف من الجماعۃ الا منافق۔ جماعت سے پیچھے نہیں رہتا مگر وہ جو منافق ہو۔ یعنی کھلم کھلا منافق۔
وہ ارکان میں اعتدال نہیں کرتے تھے، دیر سے پڑھتے تھے جیسے پہلے حدیث گزری ہے:
تلک صلوۃ المنافق یجلس یرقب الشمس حتی اذا اصفرت و کانت بین قرنی الشیطان قام فنقر اربعا لا یذکر اللہ فیھا الا قلیلا۔
حضور نے فرمایا یہ عصر کی نماز جو آخری وقت میں پڑھی جاتی ہے منافق کی نماز ہے وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہو کر شیطان کے دو سینگوں کے درمیان چھپنے کے قریب ہوتا ہے تو جلدی اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے۔ (مسلم)

اشارہ ہے نماز میں بے اعتدالی کا۔ وہ ترک الصلوۃ نہیں کرتے تھے، آج ہزاروں میں ایک مسلمان نماز پڑھتا ہے، یہ منافق سے بھی گئے گزرے ہیں، یہ برملا ایسا کرتے ہیں، حقیقت میں اعتقاد میں ضعف ہے کہ وہ فرض ہی نہیں مانتے۔ یعنی نمازی ہونا اچھے ہونے کی علامت ہے اور نمازیوں میں تہجد گزار اچھا ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو نفل گزار ہیں۔ لیکن بعض لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے تو ایسے لوگوں سے کیا امید کر سکتے ہیں۔ وہ اسلام کے لیے کیا کریں گے، انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہم پر مصیبت پر مصیبت نازل ہو رہی ہے مگر ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ عذاب ہے۔ پورا ملک سیلاب کی زد میں ہے لوگ سڑکوں کے کنارے کھلے آسمان تلے پڑے ہیں، گھر، مکانات وغیرہ سب کچھ تباہ ہو چکا ہے مگر ان سے پوچھو قسمیں دلا کر پوچھو کہ وہ آدمی جو عام نارمل حالات میں نماز نہ پڑھتا ہو اور اب پڑھی ہو۔

يٰبَنِىٓ اِسرَاءِيلَ اذكُرُوا الخ۔

یہاں بھی دوسری دفعہ تذکیر بآلاء اللہ و تذکیر بما بعد الموت ہے۔ میں نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دی ہے اور ڈرو اس دن سے کہ وہاں اس دن کوئی آدمی دوسرے کے بدل نہیں آ سکتا۔ نہ کسی نفس سے شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ ہی اس کی طرف سے بدلہ لیا جائے گا۔ وَّلَا هُم يُنصَرُونَ نہ ان کی مدد کی جائے گی جب ہم نے تمہیں نجات دلا دی فرعون سے جو تمہیں برا عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔

فضیلت بنی اسرائیل:

یہاں پر بنی اسرائیل سے پھر خطاب ہے یہاں ایک خاص انعام کا ذکر ہے کہ تمام جہان کے لوگوں پر انہیں فضیلت دی ہے۔ بنی اسرائیل میں حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں تقریباً چار ہزار پیغمبر آئے۔ ان کو تورات، زبور انجیل اور دوسرے صحیفے دیے گئے، کتنے بادشاہ ہوئے کہ انہیں جنات پر بھی بادشاہت دی اور انسانوں پر بھی۔ ایک دن حضور ﷺ نے ایک شیطان کو پکڑا اور کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کو اسطوانہ ابی لبابہ کے کھمبے سے باندھ دوں اور صبح تم سب دیکھو، لیکن اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئ کہ:

قَالَ رَبِّ اغفِر لِي وَہَب لِي مُلكًا لا يَنبَغِي لأحَدٍ مِن بَعدِي إِنَّکَ أَنتَ الوَہَّابُ۔

بولا اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور عنایت کر مجھ کو ایسی حکومت کہ نہ شایاں ہو کسی کو میرے بعد بیشک تو بہت بڑا عنایت کرنے والا ہے۔ (ص: 35)

فرمایا کہ حضرت سلیمان کی اس دعا کی وجہ سے میں نے اسے چھوڑ دیا تاکہ یہ احساس نہ ہو کہ سلیمان کی طرح میری حکومت ہر چیز پر ہے۔ وہ تمام جہان کے لوگوں میں ان صفات سے ممتاز ہوئے۔ اس خصوصی نعمت کے ساتھ احسان جتلایا (یہ دعا اب بھی مانگی جا سکتی ہے) لیکن دعا شوق سے مانگی جاتی ہے۔

امراض اربعہ یہود:

وَاتَّقُوا يَومًا لَّا تَجزِی الخ

قوم یہود کی چار خرابیاں اس آیت میں مذکور ہیں۔ یہود میں سخت گروہ بندیاں، فرقہ بندیاں اور گہرے قومی تعصبات موجود تھے۔ اگر ایک شخص جرم کرتا تو کچھ لوگ اس کی حمایت کرتے ہوئے اسے بچانے کی کوشش کرتے۔ حاکم کے ہاں مقدمہ پہنچتا تو وہ وہاں سفارش کر دیتے۔ اگر اس سے کام نہ چلتا تو رشوت دیتے، پیسے دے کر قاضی اور حاکم کو آمادہ کر لیتے۔ اگر مضبوط قاضی ہوتا تو پھر وہ بھی آخر بندہ ہے، یہ اس پر ہلہ بول دیتے اور مجرم کو زبردستی چھڑوا لیتے۔ ان میں یہ تمام قباحتیں تھیں، اللہ نے فرمایا اس دن سے ڈرو کہ وہاں تمہاری یہ قباحتیں کام نہیں آئیں گی، وہاں تعصبات نہیں ہیں، سفارش نہیں ہے، رشوت نہیں دی جاتی اور تم زبردستی بھی نہیں کر سکتے، تمہاری یہ چالیں تو اس دنیا میں ہی چلتی ہیں، وہاں تو یہ بات نہیں ہے۔

یہ آیت بظاہر معتزلہ کی دلیل بن سکتی ہے کیونکہ ان کے ہاں آخرت میں شفاعت ہے ہی نہیں۔ نہ شفاعت کبری، نہ شفاعت صغری۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہاں جس شفاعت کو قبول نہ کرنے کا ذکر ہے وہ ایک خاص طبقہ کے متعلق ہے۔ یہاں شفاعت کی مطلقاً نفی نہیں ہے، جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ کفار کے حق میں شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں خلود فی النار کا فیصلہ ہے۔ اولئک اصحاب النار ہم فیھا خلدون۔ جہاں تک مومنین کا مسئلہ ہے جو کسی بھی دین برحق کو قبول کر چکے ہیں، ان کے بارے میں شفاعت یقیناً ہو گی اور اس کا ذکر صراحت سے موجود ہے۔ ایک آیت میں ہے۔

انا لننصر رسلنا والذين أمنوا فى الحيوة الدنيا ويوم يقوم الاشهاد۔

ہم اپنے رسولوں کی دنیا اور آخرت میں مدد کریں گے۔ و حقا علینا نصر المومنین۔ یہ نصر ہی شفاعت ہے۔ ادھر من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ الا باذنہ کا استثناء اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی اجازت کے ساتھ شفاعت ہو گی۔ لوگ حضرت آدم کے پاس جمع ہوں گے اور دعا و نجات کی درخواست کریں گے۔ حضرت آدم کہیں گے کہ میں نے تو خود لوگوں کو جنت سے نکالا ہے۔ پھر وہ خود کیسے داخل کرنے کا سبب بن سکیں گے۔ پھر حضرت نوح کے پاس لوگ جائیں گے۔ وہ فرمائیں گے میں نے

دنیا میں یہ دعا مانگی تھی۔
رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔
اے میرے پروردگار زمین پر کسی کافر کا گھر (آباد) نہ چھوڑنا۔
اسی طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کی بابت میری سفارش قبول نہیں فرمائی تھی۔ اب کیسے قبول فرمائیں گے۔
لوگ پھر موسیٰ و عیسیٰ کے پاس آئیں گے، وہ بھی اس طرح جواب دیں گے۔ پھر حضور ﷺ لوگوں کی درخواست پر پہلے تو شفاعت کی اجازت طلب کریں گے، پھر شفاعت کریں گے۔
چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:
يَومَئِذٍ لا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلا مَن أَذِنَ لَهُ الرَّحمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَولا۔ (طہ: 109)
اس دن نہ نفع دے گی سفارش، مگر اسی کو جس کو اجازت دے گا رحمن اور پسند کرے گا اس کے لیے بولنا۔
اور فرمایا کہ ذوی القربی کو بھی شفاعت کا حق دیں گے۔ نومولود بچے اللہ کے پاؤں میں پڑے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ والدین کو جہنم سے نکلوا لیں گے، پھر فرشتوں کو بھی شفاعت کی اجازت ہو گی، پھر اللہ خود بھی ایک مٹھی بھر کر لوگوں کو جہنم سے نکالیں گے اور پھر شاید کوئی بھی مسلمان جہنم میں نہ رہے اور جہنم مسلمانوں سے شاید خالی ہو جائے۔
الا من سبق علیہ القول۔
مگر جن کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے۔
پس جس کسی دل میں قدرے ایمان ہو گا وہ جہنم سے نکل جائے گا، لیکن تم لوگ اس پر کفایت نہ کرو۔ اس آیت سے آگے اللہ تعالیٰ نے پھر احسان جتلایا کہ جب بنی اسرائیل کو آل فرعون سے نجات دلائی تو فرعون کی اولاد نہ تھی۔ تب ہی تو اس نے موسیٰ کو بیٹا بنایا تھا۔ یہاں کل متبعین فرعون کو آل کہا گیا ہے، یعنی جو کسی کی پیروی کرے وہ اس کا آل متصور ہو گا۔
وَإِذ نَجَّينٰكُم
یہاں صیغہ جمع متکلم ہے اس سے پہلے انعمت وانی مفرد تھا۔ گویا انعام کرنے میں صیغہ مفرد ہے اور نجات کا ذکر کرنے میں جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟
جواب: ایک ظالم سے نجات دلانا، یہ ایک بہت بڑی قوت اور طاقت کا کام ہے۔ بڑی قوت کے مظاہرے کے وقت ایسا صیغہ استعمال کیا گیا تو زیادہ طاقت اور قوت پر دلالت کرے۔ (اللہ ہمیں بھی بڑی قوت عنایت فرمائے)
يُذَبِّحُونَ اَبنَاءَكُم۔
ایک بندے کو ذبح کرنا ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے، لیکن بچے کو قتل کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ بڑی شناخت کا کام ہے۔ پھر عورتوں کو زندہ چھوڑنا کہ عورتیں رہ جائیں تو وہاں عورتوں پر ہیبت آئے گی، وہ زندہ ہو کر بھی مردہ ہوں گی کہ الرجال قوامون علی النساء۔
یعنی مرد عورتوں پر حاکم اور ان کے محافظ ہیں کا قانون جاری ہے۔
قوام نہ ہوں گے تو وہ بھی مر جائیں گے اور پھر آل فرعون کے ہاتھوں آل اسرائیل لونڈیاں بن جائیں گی۔ لونڈیوں اور غلاموں کیا انسانیت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ ہے یذبحون میں بیٹوں کا ذکر ہے اور وہاں و یستحیون نسائکم کہا اور بنات نہیں کہا تو کیوں؟
یذبحون ابنائکم و یستحیون بناتکم نہیں کہا جبکہ مراد یہاں بیٹیاں ہی ہیں۔ وہ بیٹے کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم کر دیتے تھے کہ وہ دشمن تھے۔ بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے یہاں مراد تو بیٹیاں ہی ہیں، پھر بیٹیاں کیوں نہیں کہا یا پھر یذبحون رجالکم و یستحیون نسائکم کہا جاتا؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟
اصل میں جو ابناء ہوتے ہیں ان کے ساتھ باپ کو بڑی محبت ہے، ان پر والدین کا حق نہیں ہوتا، وہ تو معصوم ہوتے ہیں، اس لیے حدیث ہے کہ جس آدمی کے تین بچے مر جائیں:
الذین لم یبلغ الحلم ہم حجاب من النار۔
وہ لڑکے جو بلوغ کو نہ پہنچے ہوں وہ جہنم کی آگ سے پردہ بنیں گے۔
یہاں چھوٹے بچوں کا ذکر ہے کہ ان کے مرنے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ زیادہ ہے۔ بعض اوقات بڑے بچوں کے اعمال سیۂ کے سبب ان کے لیے ماں باپ خود کہتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اٹھا لے۔ تو اس آیت میں عذاب کی شدت کو بیان کرنا مقصود ہے۔
اس لیے ابنائکم کہا ہے کہ اس میں بڑی شناعت ہے، بڑوں کے قتل میں زیادہ شناعت نہیں ہے، جب یہ جھگڑا چلا تھا کہ بیٹے کی موجودگی میں مرے ہوئے بیٹوں کے پوتے ہیں جو شریعت میں وارث نہیں ہیں، ان کے لیے قانون بنایا گیا کہ پوتا اپنے مرے ہوئے باپ کا حصہ مانگ سکتا ہے۔ یہ پاکستان کا عائلی قانون ہے۔ کہتے ہیں کہ یتیم کو کیوں نہیں دیتے، ایک آدمی کا ایک بیٹا ہے اور ایک پوتا ہے، کبھی پوتا بڑا ہوتا ہے بیٹے سے تو پھر یہ یتیم کیوں ہوا۔ یتیم کہہ کر کہا کہ دیکھو کہ مولویوں نے چھوٹے چھوٹے بچوں پر ظلم کر دیا۔

ادھر نسائکم کہا کہ عورتوں کو قتل کرنا یا نقصان پہچانا یا زندہ رکھنا استحیاء نساء ہے یعنی بڑی عورتیں زندہ رہیں تو یہ بھی عذاب ہے تو ویستحیون نسائکم میں بھی عذاب کا ذکر ہے۔ فرعون کے احسان کا ذکر نہیں ہے۔ عذاب نسا ۴ احیاء کے ساتھ ہے، یہاں نسائکم کہا بناتکم نہیں کہا۔ کیونکہ نسائکم میں قباحت زیادہ ہے بناتکم سے، پھر اللہ نے اس ظلم کے باوجود موسیٰؑ کو پیدا کیا اور پھر فرعون نے انہیں بیٹا بنا لیا۔ پھر کئی طریقوں سے موسیٰؑ کو نجات دی۔ یہ سب احسانات بنی اسرائیل پر تھے، انہیں نجات دی گئی تو یہ بھی احسان عظیم تھا، تو فرمایا وَاِذ فَرَقنَا بِکُمُ البَحرَ کہ ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا اور فرعون کو غرق کر دیا۔ جسے تم دیکھتے رہے۔ جب تم کنارے تک پہنچ گئے تو تم سوچتے تھے کہاں جائیں۔ اللہ نے ایک خاص انعام فرمایا کہ سمندر میں راستہ دے دیا تھا، جب تم گزر گئے تو سمندر کو ملا کر فرعون کے گروہ کو غرق کر دیا، پھر ہماری امت کا فرعون ان کے فرعون سے بڑا ہے، جتنا بڑا نبی ہوتا اتنا بڑا ان کا دشمن ہوتا ہے، وہ فرعون جب غرق ہوا تو فوراً کلمہ پڑھ لیا:

حَتَّی إِذَا أَدرَکَہُ الغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّہُ لا إِلَہَ إِلا الَّذِی آمَنَت بِہِ بَنُو إِسرَائِیلَ وَأَنَا مِنَ المُسلِمِینَ۔

یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا میں نے یقین کر لیا کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس ذات کے جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ (یونس: 90)

اس وقت اس کا ایمان لانا بے کار تھا، کیونکہ عذاب کی آمد کے بعد ایمان معتبر نہیں، جب ابو جہل کو مارا گیا اور اس کی گردن کو کاٹا گیا تو وہ تب بھی ایمان نہ لایا۔ بہرحال یہاں فرعون کے غرق ہونے کا ذکر کیا گیا۔

ایک دفعہ فرعون بیٹھا تھا اور حضرت موسیٰ کی قوم میں سے ایک لڑکے کو مار رہا تھا، حضرت موسیٰ کو بڑا غصہ آیا، وہ اس مجلس سے جانے لگے تو پوچھا کیوں جاتے ہو، انہوں نے تخت کو لات ماری اور تخت الٹا ہو کر گر پڑا اور فرعون کی ناک سے خون نکل آیا۔ یہ بھاگ کر حضرت آسیہ کے پاس پہنچ گئے۔ پھر فرعون جب محل میں آیا تو انہیں بیٹھا ہوا پایا، اس نے حضرت آسیہ سے موسیٰؑ کی شکایت کی۔ آسیہ نے کہا کہ بچے تو شوخیاں کرتے ہیں، موسیٰ نے ایسی کئی کئی باتیں کیں، حتی کہ داڑھی بھی نوچی، گویا بڑی گھما گھمی رہتی تھی۔

فرعون عاشورہ کے دن غرق ہوا۔ 10 محرم کو آج کل لوگ سوگ مناتے ہیں اور اس کا روزہ بھی رکھتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ معظم و مقدس ہے کہ اس میں حضرت حسین شہید ہوئے تھے۔ اس دن کا تقدس پہلی امتوں سے بھی چلا آ رہا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حسین مقدس دن میں شہید ہوئے۔ اس دن کا تقدس پہلی امتوں سے بھی چلا آ رہا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حسین مقدس دن میں شہید ہوئے، ان کی شہادت سے پہلے ہی یہ دن مقدس تھا۔ حضور ﷺ بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور بعض صحابہ نے یہ تجویز پیش کی کہ یہود کا مقدس دن ہے۔ اس دن فرعون غرق ہوا تھا، موسیٰ کو فتح ہوئی تھی تو یہود عید مناتے ہیں۔ ہم کیوں مشابہت کریں۔ فرمایا نحن احق بموسی منھم کہ ہم موسیٰ کی خوشی میں یہود سے زیادہ حقدار ہیں۔ مسلم کی روایت ہے کہ لئن عشت الی قادم لاصو من التاسعۃ والعاشرہ (اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو نویں اور دسویں کا روزہ رکھوں گا) یوں ہم یہود سے یہ فرق کر سکیں گے، لیکن حضور ﷺ فوت ہو گئے اور اگلے سال روزہ رکھنے کا موقع نہ ملا، حکم یہی ہے کیونکہ لام تاکید کا ہے ،ن تاکید بھی ہے، اس لیے عاشورہ کا ایک روزہ مکروہ ہے اور اگر نو کا نہ رکھ سکے تو گیارہ کا ملا لے۔ یہاں روزے کا حضرت حسین کی شہادت سے تعلق نہیں ہے، لیکن شیعوں کا اتنا بڑا پروپیگنڈا ہے کہ شیعوں نے لوگوں کا مزاج بدل دیا ہے۔ وہ بالالتزام حسین کی شہادت کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے بغیر دس محرم تصور کرنا نا ممکن ہے۔ پھر موسیٰ کو اللہ پاک نے دینی منافق کے لیے چالیس راتوں کے لیے بلا لیا اور ہم کلام کرنے کے لیے چالیس دن اپنے پاس رکھا۔ اس لیے چلہ کی اہمیت سامنے آ گئی۔ مشائخ کا چلہ اور تبلیغی جماعت کا چلہ بھی ثابت ہوا۔ چنانچہ وہ کوہ طور پر گئے تو تورات کا نزول دفعتا واحدۃ ہوا ہے، لیکن یہ قوم بنیادی طور پر احسان فراموش تھی، سامری نے پوری قوم کو چاندی سونے کے بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا۔ اس بچھڑے کے بارے میں اس نے بتایا کہ جبرائیل کے گھوڑے کے قدم سے سبزہ اگتا ہے اس نے سونے چاندی کے بچھڑے کے منہ میں حضرت جبریل کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھائی گئی مٹی ڈال دی تو وہ بولنے لگا۔ پھر کہا کہ خدا تو یہاں آ گیا ہے۔ موسیٰ تو وہاں تلاش کرتا پھرتا ہے، بنی اسرائیل بچھڑے کو سجدہ کرنے لگے تو موسیٰ غصہ میں بھرے ہوئے آئے اور ہارون جو ان کے بھائی تھے ان کے سر کے بالوں کو پکڑا اور پوچھا کہ تم نے کیوں نہیں روکا، انہوں نے کہا کہ یہ قوم باز نہ آتی تو آپ نے تختیاں پھینک دیں۔ چالیس دن کا چلہ لگا کر تورات دی گئی لیکن قوم ہی ظالم ہو تو وہ کیا کریں۔ خدا کے سوا دوسروں کی طرف جھکنے والا ظالم ہے، یعنی حق کسی کا ہو، مگر کسی اور کو دے دینا، اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو، آگے ایک اور احسان جتلایا۔

وَاِذ أتَینَا مُوسَی الکِتٰبَ الخ

کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو حق و باطل میں فارق ہے، تاکہ تم عقل مند ہو جاؤ، ہدایت والے ہو جاؤ۔

وَاِذ قَالَ مُوسٰی لِقَومِہٖ یٰقَومِ الخ

تو ان لوگوں نے کفر بعد الاسلام کیا، مرتد ہو گئے، مرتد کی سزا قتل ہے، چنانچہ حدیث بخاری ہے: من بدل دینہ فاقتلوہ۔ جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے اس کو قتل کر دو۔
اگرچہ آج کل کے مرتدین نے اس میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر اس کا دل کا عقیدہ تبدیل ہو گیا تو تم اسے اسلام پر کیسے رکھ سکتے ہو۔
موجودہ آئین میں تبدیلی:
ہمارے موجودہ آئین میں اور اس سے پہلے آئین میں ارتداد کا حق دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک مسلمان کفر کر سکتا ہے، ان لوگوں کے نزدیک ارتداد بنیادی حق تھا، لیکن میں نے حکمت کے ساتھ اسے بدل دیا، میں نے کہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ تم ہر مذہب کو آزادی دینا چاہتے ہو تو یوں نہ کرو کہ ہر شہری کو اختیار ہے کہ جو چاہے مذہب اختیار کرے، بلکہ ہر شہری کو حق ہے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کرے۔ بدلنے والی بات نہ کرو۔ پہلے مے ہز May his کا لفظ تھا، میں نے اسے بدل دیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
اس کے بعد حکم ہوا کہ تم میں سے جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اب بخشش کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ کے حضور توبہ کرو اور جو مجرم ہیں ان کو قتل کرو اس میں تمہارے لیے بھلائی اور بہتری ہے، تب انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آگے ایک قباحت اور پھر نعمت کا ذکر ہے:
وَاِذ قُلتُم یٰمُوسٰی لَن نُّؤمِنَ الخ
کہ جب تم نے کہا کہ ہم ایمان تب تک نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم خدا کو دیکھ نہ لیں، تم نے ایمان بالغیب کا انکار کیا تو آسمانی بجلی گری اور تم سب مردہ ہو گئے پھر اللہ نے تمہیں دوبارہ زندہ کر دیا لَعَلَّکُم تَشکُرُونَ۔ گویا تمام نعمتیں خصوصی بنی اسرائیل پر نازل ہو رہی ہیں۔
پھر جب تم میدان تیہ میں چالیس سال پڑے رہے تو اللہ نے بادل کا سایہ کر دیا، حالانکہ تم اپنے جرم کی سزا کاٹ رہے تھے، تم نے موسیٰ کو کہا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑیں، ہم یہی بیٹھے ہوئے ہیں، یہاں اللہ نے عذاب دیا تو بچانے کے لیے من و سلویٰ بھی دیا۔
قوم ارتقائی طریقوں سے اوپر جاتی ہے، پہلے قریہ کی اور بدوی زندگی ہوتی ہے اور کوئی خاص طرز معاشرت اور تکلف نہیں ہوتا۔ جنگل کی سادہ غذا سے کام چلا لیتے ہیں۔ جو مل جائے وہی غنیمت ہوتا ہے، یہود کی قوم نے بھی سادہ زندگی گزارنے کے لیے میدان تیہ میں وقت گزارا۔ وہاں من و سلویٰ نازل کیا اور پھر بادل سے سایہ بھی کیا، لیکن اتنے بڑے احسان کے باوجود باز نہ آئے۔ وہ یہاں بھی ناکام ہو گئے، پھر آبادی کی زندگی گی، یہ دو قسم کی ہے، ایک شہری، ایک دیہاتی ہے، ان کو آبادی میں بھیجا۔
ان سے کہا گیا کہ حطہ، حطہ کہتے رہو تو وہ بجائے حطہ حطہ کے حنطہ حنطہ کہنے لگے۔ اسی طرح ان سے کہا گیا تھا کہ شہر کے دروازے سے جھکتے ہوئے اور سجدہ ریز ہو کر داخل ہو جاؤ لیکن انہوں نے کمال خباثت سے نیچے سے پاؤں کو تو موڑا، سر کو نہیں موڑا، یہ لوگ اللہ کے حضور میں اتنے باغی تھے کہ صحرائی زندگی میں تھے تو ظلم کیا اور اب شہر کی زندگی میں بھیجا تو وہاں بھی ظلم کیا۔ یہ قوم کہیں بھی کامیاب نہیں ہو سکی۔ بھلا یہ قوم زندہ رہنے کے قابل ہو سکتی ہے؟ آپ کے ہاں کیا ہے کہ صحرائی بھی گناہ کرتے ہیں، خدا کا عذاب نازل ہونے کے باوجود بھی باز نہ آئے، سیلاب آ چکا ہے، اس حال میں بھی نماز نہیں پڑھتے، خدا کے سامنے سجدہ نہیں کرتے، شہری زندگی میں بھی ناکام ہیں، ایسی قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

رکوع ۷

60۔ وَ اِذِ استَسقَی مُوسَی لِقَومِہ فَقُلنَا اضرِب بِّعَصَاکَ الحَجَرَ فَانفَجَرَت مِنہ اثنَتَا عَشرَۃ عَینًا قَد عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشرَبَہم کُلُوا وَ اشرَبُوا مِن رِّزقِ اللّٰہ وَ لَا تَعثَوا فِی الاَرضِ مُفسِدِینَ
61۔ وَ اِذ قُلتُم یَا مُوسَی لَن نَّصبِرَ عَلَی طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادعُ لَنَا رَبَّکَ یُخرِج لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الاَرضُ مِن بَقلِہا وَ قِثَّائِہا وَ فُومِہا وَ عَدَسِہا وَ بَصَلِہا قَالَ اَتَستَبدِلُونَ الَّذِی ہوَ اَدنَی بِالَّذِی ہوَ خَیرٌ اہبِطُوا مِصرًا فَاِنَّ لَکُم مَّا سَاَلتُم وَ ضُرِبَت عَلَیہِمُ الذِّلَّۃ وَ المَسکَنَۃ وَ بَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہ ذَلِکَ بِاَنَّہم کَانُوا یَکفُرُونَ بِاٰیَاتِ اللّٰہ وَ یَقتُلُونَ النَّبِیِّینَ بِغَیرِ الحَقِّ ذَلِکَ بِمَا عَصَوا وَ کَانُوا یَعتَدُونَ

ترجمہ:

۶۰.   پھر جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنے عصا کو پتھر پر مار سو اس سے بارہ چشمے بہہ نکلے ہر قوم نے اپنا گھاٹ پہچان لیا اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔
۶۱.   اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے سو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار میں سے ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کر دے کہا کیا تم اس چیز کو لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے بدلہ اس کے جو بہتر ہے کسی شہر میں اُترو بے شک جو تم مانگتے ہو تمہیں ملے گا اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی اور انہوں نے غضب الٰہی کمایا یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لیے کہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

افادات محمود

اثنَتَا عَشرَۃَ عَیناً۔
چونکہ بارہ قبیلے تھے تاکہ ہر قبیلہ ایک چشمہ سے پانی لیا کرے۔
صحرا میں انہوں نے بقل سبزی، قثاء ککڑی، فوم گندم، عدس مسور کی دال، بصل پیاز وغیرہ طلب کیے اهبطوا مصرا یہاں سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کو شہر بھیجا گیا کیونکہ شہری لوگ دال ساگ زیادہ پسند کرتے ہیں، لیکن بنی اسرائیل شہر میں جا کر بھی ناکام ہوئے۔ یعنی صحراء، قریہ اور مصر تینوں جگہوں میں ناکام رہے تو یہاں تین سزائیں دی گئیں۔ مسکنت ہے، ذلت ہے، وباؤ بغضب من اللہ اس لیے کہ جرم بھی تین کیے تھے۔
یَکفُرُونَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقتُلُونَ النَّبِیّنَ الخ۔
اور نافرمانی کی کفر کے علاوہ بھی۔
عصیان و عدوان کا اگرچہ بعد میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن وقوع سب سے پہلے ہے کہ نافرمانی پہلے کی ہے۔ پھر وہ تجاوز کر کے ترقی کر گئے تو انبیاء کا انکار کیا اور جب یہ کر لیا تو پھر انبیاء کو قتل کیا یعنی دلیل سمعی کا انکار کر دیا۔ اللہ کی وحی کی دلیل سے جان چھڑا لی، لیکن عقلی دلائل تو موجود تھے۔ آخر میں ہے یکفرون بایت اللہ کہ اللہ کی عقلی نشانیاں بھی ختم کر دیں۔
اب سوال یہ ہے کہ ذکر میں تو پہلے کفر کا ذکر ہے پھر قتل انبیاء کا پھر عصیان کا، جبکہ وقوع ان امور کے برعکس ہے، پہلے عصیان پھر کفر پھر قتل انبیاء تو تذکرہ امر دافعہ کے مطابق کیوں نہیں ہے؟
یہاں برائی میں ترقی من الادنی الی الاعلی ہے، لیکن جہاں سزا کی دلیل کا درجہ بیان کیا جائے تو بڑی دلیل کا درجہ پہلے ذکر کرتے ہیں۔ اس لیے برعکس ذکر کیا گیا ہے۔ آپ اگر کسی کو سزا دیں تو بڑی شرارت کا پہلے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ ترکیب رکھی علی خلاف الوقوع۔
دوسرا سوال یہ ہے کہ جب ان پر ذلت کی مہر لگ گئی تو آج یہود کیوں دندناتے پھر رہے ہیں۔ طاقت ان کے پاس ہے، دس کروڑ عرب بیس لاکھ یہودیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے؟
اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ:
اخرجو الیهود والنصاری من جزیرۃ العرب۔
حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔
اصل میں یہ زمین مدینہ ہے۔ یہ لوگ اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم میں آیت ہے:
ضُرِبَت عَلَیہِمُ الذِّلَّۃُ أَینَ مَا ثُقِفُوا إِلا بِحَبلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبلٍ مِنَ النَّاسِ الخ (آل عمران: 112)
ڈالی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ جائیں، مگر بوجہ عہد کر لینے کے اللہ سے اور عہد کر لینے لوگوں سے۔
کہ یہ لوگ یا تو اللہ کے ساتھ تعلق قائم کریں یا لوگوں کی رسی پکڑ لیں تو یہ استثناء ہے۔ ان کا اللہ سے تو کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن بڑی طاقتوں سے تعلق ضرور ہے۔ اسرائیل کی حکومت کو یورپ و امریکہ نے زبردستی بٹھایا ہے، ان کا مقصد ہی سیاسی برتری ہے۔ جب سے تیل نکلنا شروع ہوا ہے تب سے یہ اسرائیل بنا دیا ہے، تاکہ سیاسی ضربیں لگا کر تیل حاصل کر سکیں۔
جب تک یہ لوگ عرب کے محتاج ہیں تب تک یہ اسرائیل کو قائم رکھیں گے، ورنہ عرب ایک دن میں ان کا مقابلہ کر لیں گے۔ یہ بحبل من الناس ہے۔ اسرائیل اپنی طاقت نہیں ہے۔
دوسری وجہ ہے کہ مسلمان بھی یہودی ہو گئے ہیں، کون سی بات یہود میں ہے جو تم میں نہیں ہے۔ غلط فتویٰ دینا آیات اللہ کے

بدلے ثمن قلیل لینا، کونسا وصف ہے جو آج مسلمانوں میں نہیں ہے۔
جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:
لتتبعن سنن من کان قبلکم۔ (بخاری)
البتہ ضرور تم سابقہ امتوں کے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے۔
یہود کہتے تھے:
لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ۔
ہم کو ہرگز آگ نہیں چھوئے گی، مگر چند دن گنتی کے۔ (بقرہ: 80)
اور اسی طرح کہتے تھے:
وَقَالُوا لَن يَدخُلَ الجَنَّةَ إِلا مَن كَانَ هُودًا أَو نَصَارَى تِلكَ أَمَانِيُّهُم قُل هَاتُوا بُرهَانَكُم إِن كُنتُم صَادِقِينَ۔
اور وہ کہتے ہیں ہرگز داخل نہ ہو گا جنت میں کوئی بھی سوائے یہود یا نصاریٰ کے، یہ تو ان کے ڈھکوسلے ہیں، کہہ دیجیے لے آؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔ (بقرہ: 111)
اسی طرح یہود و نصاریٰ کہتے تھے نحن ابناء اللہ واحباءٗ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور پسندیدہ بندے ہیں۔ (سورۃ مائدہ)
آج مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔
رکوع ۸

62. إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ الَّذِينَ هادُوا وَ النَّصَارَى وَ الصَّابِيينَ مَن آمَنَ بِاللَّهِ وَ اليَومِ الآخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهم أَجرُهم عِندَ رَبِّهِم وَ لَا خَوفٌ عَلَيهِم وَ لَا هم يَحزَنُونَ
63. وَ إِذ أَخَذنَا مِيثَاقَكُم وَ رَفَعنَا فَوقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَينَاكُم بِقُوَّة وَ اذكُرُوا مَا فِيہ لَعَلَّكُم تَتَّقُونَ
64. ثُمَّ تَوَلَّيتُم مِّن بَعدِ ذَلِکَ فَلَولَا فَضلُ اللَّه عَلَيكُم وَ رَحمَتُہ لَكُنتُم مِّنَ الخَاسِرِينَ
65. وَ لَقَد عَلِمتُمُ الَّذِينَ اعتَدَوا مِنكُم فِي السَّبتِ فَقُلنَا لَهم كُونُوا قِرَدَة خَاسِيِينَ
66. فَجَعَلنَاہا نَكَالًا لِّمَا بَينَ يَدَيہا وَ مَا خَلفَہا وَ مَوعِظَۃ لِّلمُتَّقِينَ
67. وَ إِذ قَالَ مُوسَى لِقَومِہ إِنَّ اللَّہ يَأمُرُكُم أَن تَذبَحُوا بَقَرَة قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا ہزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّہ أَن أَكُونَ مِنَ الجَاہلِينَ
68. قَالُوا ادعُ لَنَا رَبَّکَ يُبَيِّن لَّنَا مَا ہیَ قَالَ إِنَّہ يَقُولُ إِنَّہا بَقَرَة لَّا فَارِضٌ وَ لَا بِكرٌ عَوَانٌ بَينَ ذَلِکَ فَافعَلُوا مَا تُؤمَرُونَ
69. قَالُوا ادعُ لَنَا رَبَّکَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَونُہا قَالَ إِنَّہ يَقُولُ إِنَّہا بَقَرَة صَفرَاءُ فَاقِعٌ لَّونُہا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ
70. قَالُوا ادعُ لَنَا رَبَّکَ يُبَيِّن لَّنَا مَا ہیَ إِنَّ البَقَرَ تَشَابَہ عَلَينَا وَ إِنَّا إِن شَاءَ اللَّہ لَمُہتَدُونَ
71. قَالَ إِنَّہ يَقُولُ إِنَّہا بَقَرَة لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الأَرضَ وَ لَا تَسقِي الحَرثَ مُسَلَّمَۃ لَّا شِيَۃ فِيہا قَالُوا الآنَ جِيتَ بِالحَقِّ فَذَبَحُوہا وَ مَا كَادُوا يَفعَلُونَ

ترجمہ:
۶۲. جو کوئی مسلمان اور یہودی اور نصرانی اور صابئی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اچھے کام بھی کرے تو ان کا اجر ان کے رب کے ہاں موجود ہے اور ان پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
۶۳. اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہِ طور بلند کیا جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوط پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔
۶۴. پھر تم اس کے بعد پھر گئے سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم تباہ ہو جاتے۔
۶۵. اور بے شک تمہیں وہ لوگ بھی معلوم ہیں جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی پھر ہم نے ان سے کہا تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔
۶۶. پھر ہم نے اس واقعہ کو اس زمانہ کے لوگوں کے لیے اور ان سے پچھلوں کے لیے عبرت اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت بنا دیا۔
۶۷. اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو انہوں نے کہا کیا تم ہم سے ہنسی کرتا ہے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ جاہلوں میں سے ہوں۔
۶۸. انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بچہ اس کے درمیان ہے پس کر ڈالو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔
۶۹. انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر کہ ہمیں بتائے اس کا رنگ کیسا ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک زرد گائے ہے اس کا رنگ خوب گہرا ہے دیکھنے والوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔

۷۰.	انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر ہمیں بتائے کہ وہ کس قسم کی ہے کیوں کہ وہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور پتہ لگا لیں گے۔

۷۱.	کہا و ہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے محنت کرنے والی نہیں جو زمین کو جو تتی ہو یا کھیتی کو پانی دیتی ہو بے عیب ہے اس میں کوئی داغ نہیں انہوں نے کہا اب تو نے ٹھیک بات بتائی پھر انہوں نے اسے ذبح کر دیا اور وہ کرنے والے تو نہیں تھے۔

افادات محمود

اِنَّ الَّذِینَ اٰمَنُوا وَالَّذِینَ ھَادُوا الخ۔

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ یہود کو دعوت دیتے ہیں ایمان اور عمل صالح کی، یہود کی بہت سی حیلہ سازیاں ہیں۔ اسلام کے متعلق ان کی بہت لیت و لعل ہے، یہاں ان کی مذمت کا ذکر ہے، حاصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ سے اللہ تعالیٰ کا ایمان کے سوا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اگر ایمان لے آئیں تو مسلمانوں کی طرح سیدھی سادی زندگی گزاریں گ۔ عمل صالح اب اسلام ہی میں منحصر ہے۔ ورفعنا فوقکم الطور بعض لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ حقیقت میں رفع طور نہ تھا، بلکہ ان کو ویسا معلوم ہوتا تھا، اس طرح فاسد تاویلیں وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، عادت اور تقدیر کے منکر ہیں، ہم وہ لوگ نہیں ہیں بلکہ ہم بغیر کسی تاویل کے اس آیت کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ ایک گونہ لٹکا دیا تھا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ورفعنا فعل ماضی جمع متکلم کا صیغہ ہے اور فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے، لہذا حقیقی رفع مراد ہے۔

وَلَقَد عَلِمتُمُ الَّذِینَ اعتَدَوا مِنکُم الخ۔

خسئین کتے یا کسی ذلیل جانور کو دفع اور دور کرنے کے لیے جو لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے چخ چخ تو خاسئین کے معنی ہے چخ کئے ہوئے، رانده درگاہ۔ یہاں یہود کی ایک اور قباحت اور عملی خیانت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہفتہ کے روز مچھلیوں کے شکار کو حرام و ممنوع قرار دے دیا تھا، لیکن وہ کب باز آنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح امتحان میں مبتلا کیا کہ عام دنوں میں مچھلیاں پانی کی تہہ میں ہوتی تھیں اور ہفتہ کے روز بالکل پانی کی سطح پر چل پھر رہی ہوتی تھیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاسأَلهُم عَنِ القَریَۃِ الَّتِی کَانَت حَاضِرَۃَ البَحرِ اِذ یَعدُونَ فِی السَّبتِ اِذ تَأتِیہِم حِیتَانُہُم یَومَ سَبتِہِم شُرَّعًا وَیَومَ لا یَسبِتُونَ لا تَأتِیہِم کَذٰلِکَ نَبلُوہُم بِمَا کَانُوا یَفسُقُونَ۔ (الاعراف: 163)

اور پوچھیے ان سے اس بستی کی بابت جو واقع تھی سامنے سمندر کے جبکہ وہ حد سے بڑھ رہے تھے سبت کے بارے میں جبکہ آتی تھیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ہفتہ کے روز پانی کے اوپر اور جو دن ہفتے کا نہ ہوتا تو نہ آتی تھیں ان کے پاس، اسی طرح ہم آزماتے تھے انہیں بسبب ان کی نافرمانیوں کے۔

گویا مچھلیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے شعور نصیب فرمایا ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ حرم میں کتنے کبوتر آتے رہتے ہیں۔ ڈرتے نہیں ہے۔ ان کو بھی یہ شعور ہے کہ لوگ ہمیں یہاں شکار نہیں کرتے، لیکن آج کل ان کو بھی لوگ معاف نہیں کرتے، پکڑ لیتے ہیں۔ بہرحال اللہ کا کرنا یہ ہوتا کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں بہت زیادہ اور پانی کی سطح پر ہوتی تھیں۔ انہوں نے حیلہ کر دیا کہ سمندر کے کنارے ایک حوض بنا دیا اور سمندر سے ایک نک اس بنا دیا۔ ہفتے کے روز وہ نک اس کھول دیتے تھے۔ وہ مچھلیوں کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ پھر وہ نک اس بند کر لیتے تھے اور اگلے روز مچھلیاں پکڑ لیتے تھے، یہ حیلہ انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہٹانے کے لیے کیا تھا، حالانکہ شکار کا معنی ہی یہ ہے کہ آپ نے کسی جانور یا پرند کی آزادی سلب کر کے اس کو پابند کر لیا، پرندوں اور جانوروں کو چڑیا گھر میں رکھنا بھی شکار ہے۔ یہود نے جب مچھلیوں کو حوض میں بند کر دیا تو یہ بھی شکار کے حکم میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہفتہ کے روز کی جس تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا انہوں نے وہ تعظیم نہیں کی۔

کُونُوا قِرَدَۃً الخ۔

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ وہ حقیقت میں بندر نہیں بنائے گئے تھے، بلکہ یہ تشبیہ فی الذات ہے۔ یہ تاویل خواہ مخواہ ایک فرسودہ رائے کو برداشت کرنا ہے۔ ہماری رائے وہی ہے جو جمہور مفسرین کی ہے کہ وہ حقیقت میں بندر بنا دیئے گئے تھے اور بندروں والی تمام صفات ان میں موجود تھیں، البتہ وہ اپنے عزیز و اقارب کو پہچان لیتے تھے اور ان کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کو انسان سے بندر بنایا گیا ہے۔ یہ سزا دو قسم کے لوگوں کو دی گئی تھی۔ (1) وہ لوگ جو ظالم تھے اور جرم کرنے والے تھے۔ (2) اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے ان کو اس جرم و ظلم سے روکا نہیں تھا، لہذا ایسے بزرگان دین و مشائخ جو

لوگوں کو برائیوں سے اور گناہوں سے منع نہیں کرتے ان کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ بھی ظالموں میں شمار ہوں گے۔ دین میں جو تحریف کی جا رہی ہے رد و بدل کیا جا رہا ہے، ان کا مقابلہ مشائخ اور بزرگوں کو کرنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ سزا ہوئی تھی، وہ تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے تھے اور ان کی نسل کا کوئی بندر باقی نہیں رہا۔ یہ جو موجودہ بندر ہیں، یہ جانور ہیں۔ اِن کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَاِذ قَالَ مُوسٰی لِقَومِہٖٓ اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُکُم الخ۔

حضرت موسیٰ کی قوم بہت چوں و چراں کی کرتی تھی اور تعمق (ہر بات کی گہرائی تک جانا) کی خوگر تھی۔ چنانچہ ایک شخص قتل کیا گیا اور قاتل کا پتا نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ ہمیں قاتل کا پتا کسی طریقے سے چل جائے تو ہم کار روائی کریں گے۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بیل ذبح کرنے کا حکم صادر فرمایا کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ قاتل کو ظاہر فرمائیں گے، لیکن ان لوگوں نے ایک آسان حکم کو سوالات کر کے مشکل بنا دیا۔ آگے اس واقعہ کی تفصیل ہے، اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا ضابطہ اور قانون فطرت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک حکم کو مطلق چھوڑ دیں اور اس کے ظاہر پر عمل کرنا ممکن ہو تو پھر خواہ مخواہ تعمق میں پڑ کر طرح طرح کے سوالات کرنا بے ادبی بھی ہے اور اپنے لیے دائرے کو تنگ کرنے والی بات بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَسأَلُوا عَن أَشيَاءَ إِن تُبدَ لَكُم تَسُؤكُم وَإِن تَسأَلُوا عَنهَا حِينَ يُنَزَّلُ القُرآنُ تُبدَ لَكُم عَفَا اللَّهُ عَنهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ۔ (المائدہ: 101)

اے ایمان والو نہ سوال کیا کرو ایسی باتوں کی نسبت اگر ظاہر کر دی جائیں تم پر تو تمہیں تکلیف ہو اور اگر تم پوچھو ان کی بابت جبکہ نازل ہو رہا ہو قرآن تو وہ ظاہر کر دی جائیں تم پر۔ درگزر کیا اللہ نے ان سے اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

فَارِضٌ، بوڑھی۔ بِکرٌ بالکل جوان، فَاقِعٌ گہرا رنگ، لَمُہتَدُونَ اس بقرہ کی کیفیت کی حقیقت کا پتا پالیں گے، لاذلول یعنی حاملہ نہ ہو۔

آگے بقرہ کی صفات بیان کی جا رہی ہیں جیسے جیسے سوالات پوچھتے گئے ویسے ویسے صفات کا ذکر ہوتا گیا۔

رکوع ۹

72- وَ إِذ قَتَلتُم نَفسًا فَادَّارَأتُم فِيها وَ اللَّهُ مُخرِجٌ مَّا كُنتُم تَكتُمُونَ
73- فَقُلنَا اضرِبُوہ بِبَعضِہا كَذَلِكَ يُحيِي اللَّهُ المَوتَى وَ يُرِيكُم آيَاتِہ لَعَلَّكُم تَعقِلُونَ
74- ثُمَّ قَسَت قُلُوبُكُم مِّن بَعدِ ذَلِكَ فَہِيَ كَالحِجَارَۃ أَو أَشَدُّ قَسوَۃ وَ إِنَّ مِنَ الحِجَارَۃ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنہ الأَنہارُ وَ إِنَّ مِنہا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخرُجُ مِنہ المَاءُ وَ إِنَّ مِنہا لَمَا يَہبِطُ مِن خَشيَۃ اللَّہ وَ مَا اللَّہ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعمَلُونَ
75- أَفَتَطمَعُونَ أَن يُؤمِنُوا لَكُم وَ قَد كَانَ فَرِيقٌ مِّنہم يَسمَعُونَ كَلَامَ اللَّہ ثُمَّ يُحَرِّفُونَہ مِن بَعدِ مَا عَقَلُوہ وَ ہم يَعلَمُونَ
76- وَ إِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَ إِذَا خَلَا بَعضُہم إِلَى بَعضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَہم بِمَا فَتَحَ اللَّہ عَلَيكُم لِيُحَاجُّوكُم بِہ عِندَ رَبِّكُم أَفَلَا تَعقِلُونَ
77- أَوَلَا يَعلَمُونَ أَنَّ اللَّہ يَعلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَ مَا يُعلِنُونَ
78- وَ مِنہم أُمِّيُّونَ لَا يَعلَمُونَ الكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَ إِن ہم إِلَّا يَظُنُّونَ
79- فَوَيلٌ لِّلَّذِينَ يَكتُبُونَ الكِتَابَ بِأَيدِيہم ثُمَّ يَقُولُونَ ہذَا مِن عِندِ اللَّہ لِيَشتَرُوا بِہ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيلٌ لَّہم مِّمَّا كَتَبَت أَيدِيہم وَ وَيلٌ لَّہم مِّمَّا يَكسِبُونَ
80- وَ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعدُودَۃ قُل أَتَّخَذتُم عِندَ اللَّہ عَہدًا فَلَن يُخلِفَ اللَّہ عَہدَہ أَم تَقُولُونَ عَلَى اللَّہ مَا لَا تَعلَمُونَ
81- بَلَى مَن كَسَبَ سَيِّئَۃ وَ أَحَاطَت بِہ خَطِيئَتُہ فَأُولَئِكَ أَصحَابُ النَّارِ ہم فِيہا خَالِدُونَ
82- وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصحَابُ الجَنَّۃ ہم فِيہا خَالِدُونَ

ترجمہ:

۷۲. اور جب تم ایک شخص قتل کر کے اس میں جھگڑنے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا اس چیز کو جسے تم چھپاتے تھے۔

۷۳. پھر ہم نے کہا اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

.۷۴ پھر ا سکے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو پھٹتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔
.۷۵ کیا تمہیں امید ہے کہ یہود تمہارے کہنے پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں ایک ایسا گروہ بھی گزرا ہے جو اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اسے سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر بدل ڈالتا تھا۔
.۷۶ اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ ایک دوسرے کے پاس علٰیحدہ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم انہیں وہ راز بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولے ہیں تاکہ وہ اس سے تمہیں تمہارے رب کے روبرو الزام دیں کیا تم نہیں سمجھتے۔
.۷۷ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔
.۷۸ اور بعض ان میں سے ان پڑھ ہیں جو کتاب نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور وہ محض اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں۔
.۷۹ سو افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ روپیہ کمائیں پھر افسوس ہے ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر اور افسوس ہے ان کی کمائی پر۔
.۸۰ اور کہتے ہیں ہمیں سوائے چند گنتی کے دنوں کے آگ نہیں چھوئے گی کہہ دو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ ہر گز اللہ اپنے عہد کا خلاف نہیں کرے گا یا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔
.۸۱ ہاں جس نے کوئی گناہ کیا اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا سو وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
.۸۲ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے وہی بہشتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

افادات محمود

وَاِذ قَتَلتُم نَفسًا فَادّٰرَءتُم فِیہَا الخ۔
اب یہاں سے یہود کی علمی کمزوریوں کو بیان کیا جا رہا ہے اور اس ضمن میں گزشتہ واقعہ کا بقیہ حصہ بیان کیا جاتا ہے۔ وقوع کے اعتبار سے اگرچہ قتل کا واقعہ مقدم اور ذبح بقرہ کا واقعہ موخر ہے، لیکن قرآن کریم قصوں اور کہانیوں کی کتاب نہیں۔ نہ قصہ برائے قصہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، بلکہ اس میں جو ہدایات ہوتی ہیں، ضابطے ہوتے ہیں وہ مقصود ہوتے ہیں، لہٰذا ترتیب کا کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا۔ عامین نامی شخص کو اس کے چچازاد بھائیوں نے قتل کیا تھا تاکہ لا ولد ہونے کی وجہ سے اس کا سارا مال وہ ہڑپ کر جائیں۔ اب یہ لوگ قتل کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالتے تھے۔ پھر حضرت موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہو گئے کہ ہمارا رشتہ دار مارا گیا ہے اور ہمیں اس کے قاتل کا پتا نہیں چل رہا۔
فَادّٰرَءتُم یہ اصل میں تدارأتم باب تفاعل ثلاثی مزید فیہ سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے ت اور دال قریب المخرج ہونے کی وجہ سے ت کا دال میں ادغام کر دیا گیا۔ مدغم ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ابتداء بالساکن ممکن نہیں ہے، لہٰذا شروع میں ہمزہ وصل لگا دیا اِدّٰرَءتُم بن گیا پھر شروع میں فا کے آنے کی وجہ سے ہمزہ وصلی گر گیا فَادّٰرَءتُم بن گیا۔

وَاللّٰہُ مُخرِجٌ مَّا کُنتُم تَکتُمُونَ۔
یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مخرج جو باب افعال ثلاثی مزید فیہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ زمانہ حال یا استقبال پر دلالت کرتا ہے اور ما کنتم ثلاثی مجرد باب نصر سے جمع مذکر حاضر فعل ماضی کا صیغہ ہے گویا کتمان زمانہ ماضی میں ہے اور اس کا افشاؤ اظہار مستقبل میں ہے تو اس کا کیا فائدہ؟ جواب اس کا یہ ہے کہ واقعہ اگرچہ ماضی میں ہوا تھا، لیکن اس کا کتمان زمانہ ماضی قریب میں ہوا تھا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو ظاہر فرمایا، لہٰذا اشکال کی کوئی بات نہیں ہے۔
فَقُلنَا اضرِبُوہُ بِبَعضِہَا۔
اضرِبُوہُ میں ضمیر منصوب متصل نفسا کی طرف راجع ہے۔ ببعضہا ای بعض البقرۃ بعض سے بقرہ کے جسم کا کون سا حصہ مراد ہے۔ (1) بعض مفسرین کے ہاں لسان مراد ہے کیونکہ جس شخص کو قتل کیا گیا تھا، اس کے قتل کا منصوبہ بھی لسان سے بنایا گیا تھا تو لسان کا تعلق ظاہر ہے۔ بقرہ کے ذبح سے مقصد بھی نطق و کلام تھا کہ قاتل کا پتا چل سکے۔ (2) بعض کے ہاں بعضہا سے عجیب الذنب مراد ہے یعنی ریڑھ کی ہڈی کا آخری حصہ، کیونکہ حدیث میں ہے کہ حشر کے دن جب انسانوں کو زندہ کیا جائے گا تو ان کے جسموں کے وہ اجزاء جو مٹی بن چکے ہوں گے، ان کو اسی ہڈی سے دوبارہ جوڑ کر اور پیوستہ کر کے ان کو زندگی بخشی جائے گی۔ حاصل یہ ہے کہ یہی ہڈی قیامت کے روز زندگی کا ایک سبب بنے گی۔ اسی طرح یہاں بھی

اس ہڈی کے ذریعہ مردہ کو زندہ کیا گیا۔ (3) بعض مفسرین کے ہاں بین الکتفین کا گوشت مراد ہے یعنی دونوں کاندھوں کے درمیان کا گوشت۔ (1) لیکن یہاں میرا بھی وہی خیال ہے جو اکثر محققین مفسرین کا ہے کہ بعض کے مصداق کو متعین کرنے کے لیے کوئی مستند روایت موجود نہیں ہے جس سے بعض کو متعین کیا جا سکے۔ اسی طرح کے تعمق کرنا یہود کا خاصہ تھا، اللہ تعالیٰ نے یہاں بعض کو مطلق چھوڑ دیا تو ہمیں مطلق ہی رکھنا چاہیے اور اسرائیلی روایات سے مدد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال بقرہ کا کوئی حصہ اس مقتول کے ساتھ لگایا گیا وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کا نام بھی بتا دیا۔ پھر اس قاتل کو قصاص میں قتل کیا گیا اور وہ میراث سے بھی محروم کیا گیا۔ یہی حکم آج اسلام میں بھی جاری اور قائم ہے۔ چنانچہ حضور اکرمﷺ کا ارشاد ہے کہ ماورث قاتل بعد صاحب البقرة یعنی جب سے وہ شخص میراث سے محروم کیا گیا جس نے چچازاد بھائی کو قتل کیا تھا اور وہ بقرہ کے ذریعہ زندہ ہو کر اس نے اپنے قاتل کا نام بتلا دیا تھا، اس کے بعد کسی قاتل کو میراث نہیں ملی۔ اسی طرح جو عورت کا قاتل ہو وہ اس کا وارث نہیں، اس حکم کو اسلام میں باقی رکھا گیا ہے، قتل مانع ارث ہے۔

کیا قصاص کے لیے؟ مقتول کا قول حجت ہے:

اب یہاں پر یہ مسئلہ حل طلب ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہو جاتا ہے اور اس میں زندگی کی تھوڑی سی رمق باقی ہو۔ جب اس سے پوچھا جائے وہ کسی کو اپنا قاتل ظاہر کر دے تو کیا قصاص کے لیے یہ قول کافی ثبوت ہے جبکہ قاتل کی طرف سے کوئی اقرار جرم بھی نہ ہو۔ اسی طرح یہ بات بھی تشنہ تحقیق ہے کہ گر کوئی مردہ زندہ ہو کر کسی بات کی شہادت دیتا ہے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟

الجواب: اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مقتول کا قول اگرچہ حجت نہیں ہے لیکن اس سے تلویث متعلق ہو جاتی ہے۔ مقتول کے اس کہنے پر اس کو گرفتار کیا جا سکتا ہے اور اس سے تفتیش کی جا سکتی ہے، لہذا ایسا ممکن ہے کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلا دیا تو حضرت موسیٰ نے گرفتار کر کے پوچھ گچھ کی اور اس نے اعتراف جرم کر لیا۔ قاتل کا اقرار حجت شرعیہ ہے اور اس کو قصاص میں قتل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت زیورات سے آراستہ باہر نکلی تو کسی شخص نے اس کو مار کر اس کا زیور چھین لیا۔ اس عورت میں ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ بول نہیں سکتی تھی، آپﷺ نے فرمایا کہ محلے داروں کے نام اس کے سامنے لیتے جاؤ اور اس سے پوچھتے جاؤ کہ مارنے والا کون ہے۔ اس کے سامنے نام لیے جانے لگے جب مارنے والے کا نام آیا تو اس عورت نے سر ہلایا۔ حدیث میں ہے کہ حضورﷺ نے اس شخص کو گرفتار کر فرمایا اور اقبال جرم کرنے کے بعد اسے قصاصا مارا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج 1) ممکن ہے کہ یہاں بھی اسی طرح کی بات ہوئی ہو۔

(2) دوسرا جواب یہ ہے کہ جب یہ شخص معجزانہ طور پر زندہ کیا گیا تو اس کا قول حجت ہے۔ اس کے کہنے کی وجہ سے اس شخص کو قصاصا قتل کرنا جائز تھا۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم الکلام کی کتابوں میں متکلمین اسلام نے لکھا ہے کہ اگر کسی پیغمبر کی دعا سے کوئی شخص معجزانہ طور پر زندہ ہو جائے اور زندہ ہونے کے بعد پیغمبر کے حق میں گواہی دے کہ یہ پیغمبر ہیں یا خدانخواستہ پیغمبر کی تکذیب کرے تو اس کا قول حجت نہیں ہے۔ پیغمبر کا معجزہ صرف اس کو زندہ کرنا ہے، باقی اس کا قول حجت نہیں ہے۔ اگر یہ ضابطہ درست ہے تو پھر صاحب البقرہ کی شہادت پر کار روائی کیونکر جائز ہوتی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ (واللہ اعلم) کوئی شخص معجزانہ طور پر زندہ ہو کر گواہی دیتا ہے، پھر اس کے اس قول اور فعل کو نبی کی تائید بھی حاصل ہو تو یہ قول و فعل حجت ہو گا اور اگر نبی کی تائید حاصل نہ ہو تو پھر میت کا قول بعد الحیات حجت نہیں۔

کیونکہ انسان جب موت کے بعد زندہ ہوتا ہے تو اس کے تمام حواس عقل، وہم، خیال وغیرہ بھی ساتھ ہی زندہ ہو جاتے ہیں اور قبل الممات ان حواس میں خطاء و غلطی کا امکان موجود ہے تو اسی طرح دوبارہ زندہ ہونے کے بعد بھی خطا اور غلطی کا احتمال بدستور موجود ہے۔ البتہ اگر کوئی بے جان چیز نبی کے معجزہ کے طور پر کلام کرے جیسے شجر و حجر وغیرہ تو اس کا قول علی الاطلاق حجت ہو گا۔ کیونکہ وہاں پر قوت حس خیال وہم وغیرہ کا امکان نہیں ہے۔ غیر جانبدار کا بولنا حقیقت میں نبی کی نبوت کا بولنا ہے۔ لہذا ان کا قول حجت ہو گا، جبکہ انسان کا بعد الممات زندہ ہو کر بولنا حسب العادۃ ہے کما کان قبل الممات جیسا کہ وہ مرنے سے پہلے بولتا رہا۔

قاتل نامعلوم ہونے کی صورت میں مقاسمہ کا حکم:

اسلام میں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص مقتول پایا جائے اور قاتل معلوم نہ ہو تو مقاسمہ کا ضابطہ و قانون موجود ہے، لہذا مردہ کو زندہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ جس آبادی میں مقتول پایا گیا ہے، وہاں کے پچاس آدمیوں کو منتخب کر کے ان سے یہ حلف لیا جائے گا۔

واللہ ما قتلتہ وما علمت لہ قاتلا۔

اللہ کی قسم نہ تو میں نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اس کے قاتل کی بابت کچھ علم رکھتا ہوں، اگر پچاس کے پچاس لوگوں نے

قسم اٹھائی تو دیت لازم آئے گی۔
بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ذریعہ اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دوبارہ زندہ ہونا حق ہے اور ایسا ہونا ممکن ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
كَذٰلِكَ يُحيِ اللّٰهُ المَوتٰى ۙ وَيُرِيكُم اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُم تَعقِلُونَ۔
یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسی طرح مردوں کو بھی زندہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کے جزوی واقعات بھی رونما فرماتے ہیں تاکہ تم لوگ احیاء بعد الممات کو سمجھو۔ اس لیے اتنا بڑا واقعہ پیش فرما دیا اور دلیل و حجت قائم فرما دی، لیکن یہود تھے کہ پھر بھی دین کی طرف نہ لوٹے۔
ثُمَّ قَسَت قُلُوبُكُم الخ۔ یعنی تمام معجزات کے بعد بھی تمہارے دل پتھر کے پتھر رہے، بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھر تو کچھ نہ کچھ متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے، لیکن تمہارے دلوں پر نہ معجزات کا اثر ہوتا ہے، نہ وحی الٰہی کا، نہ گفتار رسول الٰہی کا۔
اقسام الحجر فی القرآن نافع عام، نافع خاص، ساکت:
پتھر کی تین اقسام ہیں۔ پتھر سے نہریں نکلتی ہیں، اکثر دریا پہاڑوں سے نکلتے ہیں کہ پتھروں سے پانی رستا ہے تو ان کا منبع پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ جس پتھر سے نہر نکلتی ہے وہ پتھر ہی ہے، لیکن نافع ہے اور اس کا نفع عام ہے۔
دنیا اس سے متمتع ہوتی ہے، یہ دریائے سندھ پہاڑوں سے نکل کر سمندر میں جاتا ہے۔ ان پتھروں کا نفع عام ہے۔ بعض پتھروں سے صرف محدود لوگ متمتع ہوتے ہیں اور ان سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ یہ نفع خاص ہے۔
وَاِنَّ مِنهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخرُجُ مِنهُ المَاءُ ؕ وَاِنَّ مِنهَا لَمَا يَهبِطُ مِن خَشيَةِ اللّٰهِ۔
ان پتھروں سے ضرر نہیں پہنچتا یعنی ضرر نہ پہنچنا بھی ایک قسم کا نفع ہے۔ انسان کو پتھر سے کم تو نہ ہونا چاہیے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے، اس لیے بعض ایسے علماء ہیں کہ دنیا کو نفع پہنچاتے ہیں، بعض صرف گاؤں کو نفع پہنچاتے ہیں اور بعض ایسے ہی پڑے رہتے ہیں جیسے پتھر ہوں لیکن یہود کے علماء پتھر سے بھی زیادہ ہیں، ان میں حق کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی قسمیں بتلائیں۔
يَهبِطُ مِن خَشيَةِ اللّٰهِ۔ اس میں بھی تسبیح ہوتی ہے تو خشیۃ اللہ کیا ہے۔ یہی تسبیح خشیت ہے۔
وَإِن مِن شَيءٍ إِلا يُسَبِّحُ بِحَمدِهِ وَلَكِن لا تَفقَهُونَ تَسبِيحَهُم إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا۔
اور کوئی چیز نہیں کہ نہیں پڑھتی حمد اس کی، لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا بیشک وہ ہے تحمل والا بخشنے والا۔ (بنی اسرائیل: 44)
كُلٌّ قَد عَلِمَ صَلاتَهُ وَتَسبِيحَهُ۔
ہر ایک نے جان لی اپنی خاص طرح کی بندگی اور تسبیح۔ (النور: 41)
حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور احد کو دیکھا، تو فرمایا:
هذا جبل يحبنا و نحبه۔
یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔
اہل کتاب ان سے کسی خیر کی امید نہیں ہے، ان سے مایوس ہو جاؤ، یہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔
يَسمَعُونَ كَلٰمَ اللّٰهِ یہ اللہ کا کلام سناتے ہیں، مگر اس سے نفع حاصل نہیں کرتے تورات میں آنحضرت ﷺ کی تمام صفات مذکور تھیں، مگر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی صفت گندم گوں رنگ کی جگہ سفید رنگ لکھ دیا۔
کان ربعۃ مائلا الی الطول (آپ میانہ قد ہوں گے) اور انہوں نے بدل دیا اور کان طویلا لکھ دیا، اس طرح انہوں نے سمجھ بوجھ کر لفظی و معنوی تحریف کی۔
وھُم يَعلَمُونَ اور وہ جانتے تھے کہ ہم تحریف کر رہے ہیں تو یہ لوگ تحریفات کرنے کی وجہ سے کیسے ایمان لے آئیں گے۔
جان بوجھ کر بددیانتی کرنے والوں اور بات بدل دینے والوں سے نفع کی اور ہدایت کی امید نہیں ہو سکتی۔ آپ ان سے کیوں امیدیں وابستہ کرتے ہو؟
اٰمَنَّا بغیر تحقیق کے کہا کہ داعیہ کمزور تھا، اس لیے ان کا اتنا کہنا بے سود اور بے نتیجہ رہا۔
وَاِذَا خَلَا بَعضُهُم اِلٰى بَعضٍ۔
یہ ان کے علماء کی قباحت کا ذکر ہے، لیکن ان میں کچھ لوگ ان پڑھ بھی تھے، وہ بھی ان کے کاموں اور ان کی باتوں سے متاثر تھے۔ یہ لوگ بھی اپنے علماء کے رنگ میں رنگ ہوئے تھے۔
وَمِنهُم اُمِّيُّونَ (ان پڑھ) امی جو ماں کی طرف منسوب ہو، اس نے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔
اِلَّآ اَمَانِيَّ یعنی وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ وہ چالیس دن، جن میں عجل (بچھڑے) کی پرستش ہوئی تھی، بس اتنے دن دوزخ میں

جائیں گے۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو دائمی جہنمی نہیں سمجھتے تھے۔
اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ کہا کرتے تھے۔۔۔
لَن یَدخُلَ الجَنَّۃَ إِلا مَن کَانَ ہُودًا أَو نَصَارَی۔ (بقرہ: 111)
آج کے مسلمان بھی ایسے ہی ہیں۔ امی بھی علماء کی تلبس سے گمراہ ہوئے تھے، اس لیے علماء امت کو زیادہ عذاب ہو گا۔
یَکتُبُونَ الکِتٰبَ بِاَیدِیہِم۔
یہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ محرف کا اصل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پھر بھی اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
لِیَشتَرُوا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیلًا کہ مولوی کے پاس گئے اور پھر مولوی نے ان سے متاثر ہو کر فتویٰ لگا دیا۔ آج بھی ایسے علماء ہیں جو فقہاء کی عبارات سے حقیقت نکال کر یا پھر تحریف و تاویل کر کے فتویٰ شرعی دے دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کی بات کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے یہود کی جو حالت تھی جسے مسلسل بتلا رہا ہوں۔ آج ہماری بھی وہی حالت ہے، جس کا سبب یہود کے طریقہ پر چلنا اور ان کی قدم قدم پیروی کرنا ہے۔
حقیقت ویل کیا ہے:
(1) وَوَیلٌ لَّھُم مِّمَّا یَکسِبُونَ۔ ایک حدیث میں ہے جو امام ترمذی نے اپنی الجامع و احمد بن حنبل نے مسند میں نقل کی ہے، اسی حدیث کو ابن حبان نے بھی صحیح میں اور حاکم نے مسند میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ویل ایک غار اور گڑھا ہے جہنم میں۔ کوۃ فی جھنم ان کو اس میں ڈالا جائے گا اور چالیس برس تک گرتے گرتے اترتے اترتے بھی اس کی گہرائی ختم نہ ہو گی۔
(2) ابن جریر نے حضرت عثمان سے فَوَیلٌ لَّھُم مِّمَّا کَتَبَت اَیدِیہِم کی تفسیر کی ہے مرفوع روایت ہے کہ ویل ایک پہاڑی ہے ویل جبل من النار۔ اب معلوم نہیں کہ گرایا جائے گا یا اس میں رکھا جائے گا۔
(3) عبد اللہ بن مسعود سے طبرانی و بیہقی نے اور اسی روایت کو ابن ابی حاتم رزای نے نقل کیا ہے۔ نعمان بن بشیر سے جو چھوٹے صحابی ہیں، فقال فیہ انہوں نے فرمایا ویل ایک نالہ ہے جو دوزخ میں بہتا ہے۔ اس میں صدید اہل لانار (جہنمیوں کے جسموں کی پیپ) ہوتی ہے جو اس میں ڈالا جاتا ہے۔ غلط فتویٰ لکھنے والے مولویوں کے لیے یہ بڑی وعید ہے۔
فتویٰ وہ شخص دے کہ اسے اپنے فتویٰ پر کنٹرول اور ضبط ہو، آج کل کے صوفی مفتی اتنا تو ضرور کرتے ہیں کہ جس کے ساتھ دل لگ جائے، اس کے لیے بہت سی روایات تلاش کرتے ہیں اور شاذ روایات نقل کر کے فتویٰ دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بھی وعید ہے، مفتی کو شریعت کی صراط مستقیم پر چلنا چاہیے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے، وہ شریعت کا مقصود بتاتا ہے، شریعت کو کسی کے فائدے یا اپنے فائدہ کے لیے ڈھالنا اپنے لیے ویل کو اختیار کرنا ہے۔
سوال:
یہاں پر ایک بات ذہن میں آتی ہے۔ کتبت صیغہ ماضی ہے، وَوَیلٌ لَّھُم مِّمَّا یَکسِبُونَ مضارع کا صیغہ ہے تو یہاں کسبوا ہونا چاہیے تھا تاکہ دونوں صیغے ماضی کے ہوتے یا دونوں مضارع کے صیغے ہوتے تو پھر کتبت کے بجائے تکتب ہونا چاہیے تھا۔ تو اس میں کیا نکتہ ہے کہ ایک صیغہ ماضی کا اور دوسرا مضارع کا ہے؟
جواب:
نکتہ (واللہ اعلم) یہ ہو سکتا ہے کہ کتابت ایک فعل ہے جو ان سے سرزد ہوا۔ یہ واقعہ حادث ہے، انہوں نے تحریف کے ساتھ لکھا۔ یہ مستمر یعنی ہمیشہ نہیں ہوا، بلکہ ایک بات ہو گئی مرۃ واحدۃ۔ رہا ان کا کسب اور رشوتیں لینا تو یہ کسب مستقل جاری ہے کہ روزانہ کمائیں گے۔ ان کا یہ کسب حضور ﷺ کے زمانے میں بھی جاری تھا۔ الکتاب تکون مرۃ واحدۃ مضت ای وویل لھم مما یکسبون اے جاری الی الان (ان کا یہ کسب اب تک جاری ہے) اور آج مسلمانوں میں بھی جاری ہے۔ فتوؤں پر رقم لیتے ہیں۔ تعویذ اور دم وغیرہ فیس اور شکرانے وصول کرتے ہیں، الغرض دین کو ایک کسب اور ذریعہ معاش اور تجارت بنا کر رکھ دیا ہے۔
لفظ ویل کا مکرر آنا:
یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں تکرار ہے۔ پہلے فرمایا فَوَیلٌ لِّلَّذِینَ یَکتُبُونَ الکِتٰبَ بِاَیدِیہِم یہاں ویل کا ذکر ہو گیا، دوبارہ کہا فَوَیلٌ لَّھُم مِّمَّا کَتَبَت اَیدِیہِم تو بظاہر تکرار ہے۔ ان دونوں جملوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتابت کی سزا ویل ہے، اس تکرار کی وجہ کیا ہے؟
جواب نمبر 1: اگر آپ غور سے دیکھیں تو پہلے جو ویل آیا ہے کہ وہ پہلے لکھتے ہیں فَوَیلٌ لِّلَّذِینَ یَکتُبُونَ الکِتٰبَ بِاَیدِیہِم یہ تعارف ہوا اس کے ساتھ تو یہ صفت علت حکم نہیں ہے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا یہی علامت ہے جیسے مثلاً ایک شخص یہ کہے کسی خادم سے کہ اعط ھذا الدرھم لصاحب الثوب الاحمر تو سرخ کپڑوں کا ذکر ہوا تو تشخص ہو گیا بین الرجال تو اعطاء کا سبب احمر یعنی سرخ کپڑوں والا ہونا نہیں ہے۔ اگر میں کہوں کہ جس کا سر ننگا ہے اس کو دے دینا، کوئی شخص ننگے سر ہونے

کی وجہ سے مستحق انعام نہیں ہے۔
جواب نمبر 2: تو فَوَیلٌ لِّلَّذِینَ یَکتُبُونَ الکِتٰبَ بِاَیدِیہِم میں ویل اور سزا کی علت بتا دی۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے جملہ میں صرف یہ خبر ہے کہ اپنے پاس سے لکھنے والوں کے لیے ہلاکت ہے اور دوسرے جملہ میں بتا دیا کہ ہلاکت کی علت ان کا اپنے پاس سے لکھنا ہے۔ ایک قانون یہ بھی ہے کہ جب کوئی حکم اسم مشتق پر جاری ہوتا ہے تو ماخذ اشتقاق اس کا علت ہوتا ہے جیسے کہا جاوے اکرم عالما تو عالم علم سے مشتق ہے اور یہی علم علت اکرام ہے اس طرح آیت ذیل میں ویل کا حکم کتابت اور کسب رشوت پر مرتب ہوا ہے۔ لہذا تحریری تحریف اور اخذ رشوت ویل کی علتیں ہیں لیکن یاد رہے کہ یہ ضابطے اکثریے ہوتے ہیں کلیے نہیں ہوتے، بعض صورتوں میں تخلف بھی ہو سکتا ہے۔
جواب نمبر 3: اہتمام شان کی وجہ سے مکرر ذکر کر دیا۔
احاطہ خطیۂ:
وَّاَحَاطَت بِہٖ خَطِیۡئَتُہٗ الخ، چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:
ان المومن اذا اذنب کانت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب واستغفر صقل قلبہ وان زاد زادت حتی تعلو قلبہ فذالکم الران الذی ذکر اللہ تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔ (مشکوۃ شریف)
جب کوئی مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے پھر اگر وہ اس گناہ سے توبہ کر لیتا ہے اور استغفار کرتا ہے تو اس کا دل (اس نقطہ سیاہ سے) صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر زیادہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے، پس یہ ران یعنی زنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) یوں ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر یہ اس چیز (گناہ) کا زنگ ہے جو وہ کرتے تھے (یہاں تک کہ ان کے دلوں میں خیر اور بھلائی بالکل باقی نہیں رہی)۔
اور وہ جو جہنم سے آخر میں نکالے جائیں گے، ان میں ایمان ہو گا، کفر کی حد تک پہنچنے کے بعد عمل صالح کرے تو بے فائدہ۔ اذا فات الشرط فات المشروط اس لیے ایمان کے بغیر ان کے اعمال کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماء الخ (ایسے ہیں) جیسے ریت کا چمکتا ہوا چٹیل میدان ہو تو اس کو پیاسا، پانی خیال کرتا ہے، یعنی بغیر ایمان اعمال معتبر نہیں۔

رکوع ۱۰

83۔ وَ اِذ اَخَذنَا مِیثَاقَ بَنِی اِسرَائِیلَ لَا تَعبُدُونَ اِلَّا اللّٰہَ وَ بِالوَالِدَینِ اِحسَانًا وَ ذِی القُربَی وَ الیَتَامَی وَ المَسَاکِینِ وَ قُولُوا لِلنَّاسِ حُسنًا وَ اَقِیمُوا الصَّلَاۃَ وَ آتُوا الزَّکَاۃَ ثُمَّ تَوَلَّیتُم اِلَّا قَلِیلًا مِّنکُم وَ اَنتُم مُّعرِضُونَ
84۔ وَ اِذ اَخَذنَا مِیثَاقَکُم لَا تَسفِکُونَ دِمَاءَکُم وَ لَا تُخرِجُونَ اَنفُسَکُم مِّن دِیَارِکُم ثُمَّ اَقرَرتُم وَ اَنتُم تَشہَدُونَ
85۔ ثُمَّ اَنتُم ہٰؤُلَاءِ تَقتُلُونَ اَنفُسَکُم وَ تُخرِجُونَ فَرِیقًا مِّنکُم مِّن دِیَارِہِم تَظَاہَرُونَ عَلَیہِم بِالاِثمِ وَ العُدوَانِ وَ اِن یَاْتُوکُم اُسَارَی تُفَادُوہُم وَ ہُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیکُم اِخرَاجُہُم اَفَتُؤمِنُونَ بِبَعضِ الکِتَابِ وَ تَکفُرُونَ بِبَعضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن یَفعَلُ ذَٰلِکَ مِنکُم اِلَّا خِزیٌ فِی الحَیَاۃِ الدُّنیَا وَ یَومَ القِیَامَۃِ یُرَدُّونَ اِلَی اَشَدِّ العَذَابِ وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعمَلُونَ
86۔ اُولَٰئِکَ الَّذِینَ اشتَرَوُا الحَیَاۃَ الدُّنیَا بِالآخِرَۃِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنہُمُ العَذَابُ وَ لَا ہُم یُنصَرُونَ

ترجمہ:

۸۳۔ اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں سے اچھا سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا پھر سوائے چند آدمیوں کے تم میں سے سب منہ موڑ کر پھر گئے۔
۸۴۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا اور نہ اپنے لوگوں کو جلا وطن کرنا پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود گواہ ہو۔
۸۵۔ پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور ایک جماعت کو اپنے میں سے ان کے گھروں میں سے نکالتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے ہو اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو ان کا تاوان دیتے ہو حالانکہ تم پر ان کا

نکالنا بھی حرام تھا کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں ذلیل ہو اور قیامت کے دن بھی سخت عذاب میں دھکیلے جائیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔

۸۶. یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلہ خریدا سو ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔

افادات محمود

المیثاق۔ مضبوط عہد اور عہد و میثاق مشتمل علی الامرین ایک اللہ کی عبادت کرو اور ایک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یعنی یہ حکم مثبت بھی ہے اور منفی بھی۔ یہاں دو امور تکلیفہ کا ذکر ہے مثبت و منفی ملا کر۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس کا جاننا یعنی اس کی صفات کا جاننا، ذات الٰہی کو مومنین جان سکتے ہیں اور دوسری بات میں شرک مخفی اور ریا بھی ہے، یعنی ان گناہوں سے بھی بچنا چاہیے۔

وَبِالوَالِدَینِ اِحسَانًا

اقسام احسان بالوالدین:

احسان کی تین اقسام ہیں یعنی ان کو ایذا نہ پہنچاؤ لا قولا ولا فعلا یعنی نہ تو زبانی تکلیف دو، نہ بدنی تکلیف دو، دوسرے یہ کہ ان کی مدد کرو مالی بھی اور بدنی بھی، تیسرا یہ کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔ وہ جب بھی بلائیں حاضر ہو جائے اور بلا احسان فرض مطلق فی ای حال (یعنی ہر حال میں) ہے اس کو ترک کرنا یقیناً عقوق ہے۔ والعقوق من الکبائر (یعنی والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے) اور مالی و بدنی مدد کرنا مشروط ہے۔ بشرط الحاجت یعنی بھوکا ہے تو انفاق کرو، اگر محتاج نہیں تو پھر واجب نہیں، بیمار ہے تو خدمت کرو تندرستی میں واجب نہیں ہے اور تیسری یہ شرط ہے اس شرط کے ساتھ کہ کسی فساد شرعی کا موجب نہ ہو مثلاً ماں باپ کہتے ہیں نماز مت پڑھو میرے پاس بیٹھو بیمار ہیں۔ تو ان کی یہ بات نہیں مانی جائے گی۔
اگر یہ کہے کہ جماعت کی نماز میں نہ جاؤ اگر حاجت احیانا ہے تو پھر جائز ہے اور اگر مستمرہ ہے تو جائز نہیں ہے۔
یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے احسان کا بھی ذکر کیا ہے اور عام طور پر ایسا کیا ہے تو کیا مناسبت ہے احسان والدین اور عبادت رب میں؟

عبادت اور احسان کا تعلق کیا ہے؟

اس سوال کے متعدد جوابات ہیں، ایک تو اس لیے کہ اللہ عبادت بھی اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ ہمارا رب ہے اعبدوا ربکم الذی خلقکم تو سبب کبیر ہے رب ہونا اور یہ وجہ پائی جاتی ہے والدین میں کہ انہوں نے بھی تمہاری پرورش کی۔
والدین سبب وجود ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ وجود مادہ کا سبب ہے علت وجود اللہ ہے، پہلے گویا کہ تمہاری پیدائش میں والدین کو بہت بڑا دخل ہے، اللہ نہ ہوتے تو بھی پیدا نہ ہوتے اور والدین نہ ہوتے تو تب بھی نہ پیدا ہوتے۔ یہ چیز کسی اور میں نہیں پائی جاتی، والدین اس صفت میں ممتاز ہیں۔

اللہ تعالیٰ جتنے بھی احسانات کرتے ہیں، اس میں اللہ کی کوئی غرض نہیں ہے، یہ محض انسان ہے۔ اسی طرح والدین بھی ہیں، ماں باپ کی شفقت بھی اس طرح ہے تو کس کو امید ہے خدمت کی، آج کون کرتا ہے، لیکن ماں کس کس طرح پالتی ہے اس کا پیشاب پاخانہ صاف کرتی ہے، اس طرح باپ بچے کو باکمال انسان بناتا ہے وہ اس لیے خوش ہوتا ہے کہ میرا بیٹا باکمال ہو تو یہ پرورش اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسب ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض نہیں ہے ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کے والد کافر تھے اور اس صحابی نے حضور ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی، باوجودیکہ وہ کافر اور واجب القتل ہے، گویا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ وبالوالدین احسانا وان کانا کافرین، یعنی ماں باپ سے حسن سلوک کرو اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاخفِض لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحمَۃِ وَقُل رَبِّ ارحَمہُمَا کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا۔ (بنی اسرائیل: 24)

اور جھکا ان کے لیے باز و انکساری کا مہربانی سے اور دعا کر اے رب! رحم فرما ان پر جیسا کہ پرورش کی انہوں نے میری چھٹپنے میں۔

اسی طرح اس آیت سے قبل والی آیت کا آخری جملہ ہے وقل لھما قولا کریما اور کہو ان سے بات ادب کی، لیکن والدین کسی

معصیت کا حکم دیں تو پھر نہ ماننا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
وَاِن جَاہَدَاکَ عَلی أَن تُشرِکَ بِی مَا لَیسَ لَکَ بِہِ عِلمٌ فَلا تُطِعہُمَا وَصَاحِبہُمَا فِی الدُّنیَا مَعرُوفًا۔
اور اگر وہ دونوں زور دیں تجھ پر کہ تو شریک ٹھہرائے میرا اس چیز کو جس کا نہیں ہے تجھے کوئی علم تو نہ مان ان کا کہنا اور رفاقت کر ان سے دنیا میں نیکی کے ساتھ۔ (لقمان: 15)
شرک اور گناہ کی بات پر اگر والدین زور دیں تو ان کا کہنا نہیں ماننا چاہیے۔
ذِی القُربٰی الخ۔ اب آگے ذوی القربی کا بیان ہے کہ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو احسان کرو جہاں رحم کا رشتہ ہوتا ہے اس رشتہ کو جوڑنا صلۃ الارحام یہ فرض ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:
قال اللہ عز و جل انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحمن وشققت لھا اسما من اسمی فمن وصلھا وصلتہ ومن قطعھا قطعتہ (الترغیب والترھیب)
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں اللہ ہوں اور میں رحمن ہوں اور صلہ رحمی کو میں نے پیدا کیا ہے اور اس کا نام میں نے اپنے نام سے چنا ہے۔ لہٰذا جو صلہ رحمی کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے جوڑ دوں گا اور جو صلہ رحمی کو قطع کرے گا تو میں اس کو اپنی رحمت سے جدا کر دوں گا۔
وَالیَتٰمٰی یتیم اس نابالغ بچے یا بچی کو کہتے ہیں جس کا والد فوت ہو گیا ہو۔ لا یتیم بعد البلوغ یعنی بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں ہوتا۔ یتیم کے ساتھ حسن سلوک کے لیے قرابت شرط نہیں کیونکہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ احسان کرو۔ حسن سلوک کرو تاکہ وہ احسن طریقہ سے زندگی بسر کرے اور احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو۔
وَالمَسٰکِینِ مساکین بھی یتیموں کی طرح ہیں۔ ان کے پاس بھی مال نہیں ہے بے سہارا ہیں، مسکین وہ ہے جس کی آمدنی خرچ سے کم ہو۔
وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسنًا یعنی تمام لوگوں سے اچھی بات کہو، سخت بات نہ کرو تاکہ کسی کے دل کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہاں اللہ نے قُولُوا لِلنَّاسِ فرمایا اور قولوا للمومنین نہیں فرمایا اس لیے کہ اس قول کا تعلق مومن اور کافر دونوں کے ساتھ ہے۔ حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ وزنی عمل حسن خلق ہو گا اور اس لیے جب حضرت موسیٰ و حضرت ہارون (علیہما السلام) فرعون کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:
فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی۔ (طہ)
یعنی تم دونوں فرعون سے نرم لہجہ میں بات کرو تاکہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے۔ فرعون بہت بڑا کافر تھا، لیکن اس کے ساتھ بھی نرمی برتنے کا حکم ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے حلم و بردباری کا کمال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:
فَبِمَا رَحمَۃٍ مِنَ اللّٰہِ لِنتَ لَہُم وَلَو کُنتَ فَظًّا غَلِیظَ القَلبِ لانفَضُّوا مِن حَولِکَ۔ (آل عمران: 159)
پس اللہ کی رحمت سے آپ نے نرمی کا برتاؤ کیا ان سے اور اگر آپ ہوتے درشت خو اور سخت دل تو وہ سب منتشر ہو جاتے آپ کے پاس سے۔
گویا سنگ دلی اور بدخوئی کی تاثیر یہ ہے کہ لوگ پاس سے ہٹ جائیں گے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:
ادعُ إِلَی سَبِیلِ رَبِّکَ بِالحِکمَۃِ وَالمَوعِظَۃِ الحَسَنَۃِ الخ (نحل: 125)
دعوت دیجیے (لوگوں کو) اپنے رب کے راستہ (اسلام) کی طرف دانائی اور ایسی نصیحت سے جو اچھی ہو۔
حدیث میں آپ نے فرمایا:
ما دخل الرفق فی شیئ الا زانہ وما دخل الخرق فی شیئ الاشانہ۔ (الترغیب والترہیب)
یعنی جس چیز میں بھی نرمی داخل ہوتی ہے (یعنی نرمی کا برتاؤ کیا جاتا ہے) تو یہ نرمی اس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز میں اناڑی پن کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ اس چیز کو عیب دار بنا دیتا ہے (الشین العیب) شین عیب کے معنی میں ہے امام محمد باقر بڑے عالم ہیں ان سے منقول ہے کہ:
قولوا للناس ماتحبون ان یقال لکم۔
یعنی لوگوں سے وہی بات کہا کرو کہ تمہیں پسند ہو کہ وہی بات تم سے بھی کہی جائے۔ دو کلام نہیں ہونے چاہیں بلکہ ایک بات ہونی چاہیے یعنی جو اپنے لیے پسند کرو، وہ دوسروں کے لیے پسند کرو، یہ تمام حقوق العباد کا بیان تھا۔
المسکین من لہ ادنی شیئ والفقیر من لیس لہ ادنی شیئ۔
یعنی مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو او بالعکس بھی ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، لیکن دونوں مستحق زکوٰۃ ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:
انما الصدقات للفقراء و المساکین۔

یعنی صدقات کے مستحق فقراء و مساکین سب ہیں۔ نصاب سے کم مال رکھنے والے فقیر و مسکین دونوں کو لینا جائز ہے اور ان کا حقیقی حال تو اللہ ہی جانتا ہے، لیکن سورۃ بلد میں ہے:

او مسکینا ذا متربۃ۔

یعنی مسکین مٹی میں لت پت ہوتا ہے، کمزور ہوتا ہے۔

یہود سے عہد لیا:

اللہ تعالیٰ نے پہلے توحید و عدم شرک و حقوق اللہ کا عہد لیا پھر حقوق العباد کا، پہلے عہد کے حقوق کو بیان کیا اور اختتام میں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کا تذکرہ کیا۔ وہ عقائد سے متعلق تھے، اب جن احکام کا بیان ہے یہ عمل سے متعلق ہیں۔

وَّاَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

وَاِذ اَخَذنَا مِیثَاقَکُم

ایک پہلا میثاق تھا، اب دوسرا میثاق ہے کہ اللہ نے جو میثاق لیا تھا وہ اس کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اِلَّا قَلِیلًا مِّنکُم یہ اس لیے کہا کہ عبداللہ بن سلام یہود میں سے اسلام لے آئے تھے، وہ یہود کی قباحت بیان کرنے کے لیے آگے بڑھے انہوں نے صدق مقال کا حق ادا کر دیا۔ اب یہود کی ایک اور قباحت کا ذکر ہے۔

دِمَاءَکُم اپنے ہم مذہبوں کا خون نہیں بہاؤ گے۔ یہ حکم تھا کہ اپنے ہم مذہبوں کے خون کی حرمت کا احساس کرو گے۔

ثُمَّ اَنتُم ھٰٓؤُلَاءِ تَقتُلُونَ الخ

۔ یہاں دوسری وعدہ خلافی کا ذکر ہے۔ یہود نے ہم مذہبوں کے خون کی حرمت کا پاس نہیں کیا۔

قتال انفسکم و خروج من الدیار کیا تھا:

انفسکم یہ متعلق بالقصہ ہے کہ مدینہ میں یہود کے دو قبیلے تھے بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ اس طرح انصار مدینہ دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا آپس میں عہد تھا۔ بنو قریظہ نے اوس کے ساتھ عہد کیا اور بنو نضیر نے خزرج کے ساتھ اور دونوں حلیف بن گئے۔ اوس و خزرج کی لڑائی 40 سال تک جاری رہی۔ اس میں یہود حلیفوں کا ساتھ دینے لگے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد اوس اور خزرج اسلام لے آئے۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے:

وَاذکُرُوا نِعمَۃَ اللّٰہِ عَلَیکُم اِذ کُنتُم اَعدَاءً فَاَلَّفَ بَینَ قُلُوبِکُم فَاَصبَحتُم بِنِعمَتِہٖ اِخوَانًا۔ (آل عمران: 103)

اور یاد کرو احسان اللہ کا جو اس نے تم پر کیا جبکہ تم تھے دشمن (آپس میں) پھر اس نے الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں پھر ہو گئے تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی۔

لیکن بنو نضیر و قریظہ اسلام نہیں لائے۔ چنانچہ اوس و خزرج کی لڑائی کے وقت یہود کے دونوں فریق آپس میں قتال کرتے تھے اور یہ آپس میں ایک دوسرے کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کرتے تھے۔ اللہ نے ان سے دو وعدے لیے تھے۔

لَا تَسفِکُونَ دِمَاءَکُم وَلَا تُخرِجُونَ اَنفُسَکُم مِّن دِیَارِکُم

یہود نے دونوں عہدوں کی خلاف ورزی کی تو یہاں ان کے نقض عہد کا ذکر ہے۔

وَاِن یَّاتُوکُم اُسٰرٰی کہ اگر یہودیوں کی جماعت قید ہو جاتی تو وہ فدیہ دے کر چھڑا لیتے تھے لیکن پھر قتل و خراج کا جرم بھی کرتے ہو، یہ عجیب تماشا ہے کہ پہلے ان ہی میں سے بعض کو قتل کیا اور بعض کو گھروں سے نکالا اور جب وہ قیدی ہو کر آئے تو انہیں آزاد بھی کرایا۔ سامراج نے یہودیوں کا یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ امریکی سامراج نے پہلے تو جاپان پر ایٹم بم گرایا۔ پھر ان کی نسلوں کو پڑھایا، پہلے بم باری کرتے ہیں پھر یتیموں کی بہبود کا کام کرتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہمدردی بھی ہے، عداوت بھی ہے، ایک جگہ خدا کا حکم مانتے ہو۔ دوسری جگہ نہیں مانتے ہو۔ جو دل کے مطابق ہو مان لیتے ہو، ورنہ کفر کرتے ہو، ایمان تو بالکلیہ مراد ہے، اگر بالبعض ایمان ہے تو پھر وہ جزوی ایمان معتبر نہیں ہے۔ یہ دوزخی پالیسی سامراج نے یہود سے لی ہے۔

خندق کی لڑائی میں بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا گیا اور آپ کو فتح ہوئی۔ مشرکین جب آئے تو بنو قریظہ نے قریش کی حمایت کی، جب آپ بیٹھے تو جبریل آئے اور کہا جبرئیل نے:

او ضعتم السلاح؟ قال نعم قال لکنا لم نضع اسلحتنا انھض الی ھؤلاء قال صلعم این؟ قال بنی قریظۃ فان اللہ امرنی ان ازلزل علیھم۔ (تفسیر ابن کثیر، ج 3)

کیا آپ لوگوں نے اسلحہ رکھ دیا؟ آپ نے فرمایا ہاں تو، حضرت جبرئیل نے کہا، لیکن ہم نے تو اپنا اسلحہ نہیں رکھا چاہیے ان لوگوں کی طرف۔ حضور نے پوچھا کن کی طرف؟ جبرئیل نے کہا بنی قریظہ کی طرف، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ ان پر عذاب نازل کر دو۔

لا یصلین احد منکم صلوۃ العصر الا فی بنی قریظۃ۔

یعنی تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے سوا کسی اور جگہ نہ پڑھے۔
تو کسی نے عصر کی نماز راستہ میں پڑھ لی اور کسی نے راستہ میں نہیں پڑھی، کیونکہ ان کے نزدیک وہاں پہنچنا لازم تھا۔ وہاں جا کر محاصرہ کیا۔ جب بنی قریظہ تنگ آئے تو کہا کہ سعد بن معاذ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کرے گا ہم وہ مان لیں گے۔ یہ بنو اوس کے سردار تھے جو بنو قریظہ کے حلیف تھے۔ اس لیے ان کے خیال میں یہ نرم فیصلہ دیں گے۔ غزوہ خندق میں سعد کے شانہ میں ایک تیر لگا تھا، مسجد نبوی کے قریب خیمہ میں ان کا خون بہہ رہا تھا۔ آپ نے بلایا تو وہ آئے، جب وہ تشریف لائے تو سید عالمﷺ نے فرمایا:
قومو الی سیدکم۔
یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر انہوں نے فیصلہ دیا کہ جو ان کے بالغ مرد ہیں، سب قتل کر دو۔
ان تقتل مقاتلۃ و تسبی نسائہم و صبیانہم۔
لڑائی کے قابل مردوں کو قتل کیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔
فقالٌ ان ھولاء و اشار الیھم قد نزلوا علی حکمک فاحکم فیھم بما شئت او بحکم اللہ۔
یعنی ان لوگوں نے تیرا فیصلہ قبول کر لیا ہے۔ آپ ان کے درمیان جیسے چاہیں فیصلہ کریں۔
ان کے حکم کے مطابق بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا۔ دوسرے قبیلے بنو نظیر نے ایک قبیح شناعت یہ کہ کہ آپ کے خلاف ایک سازش تیار کی، ایک مکان کی دیوار کے ساتھ بٹھا کر آپﷺ کے اوپر پتھر گرانا چاہا۔ انہوں نے آپ کو بلایا جیسے ہی آپ بیٹھے۔ اللہ نے آپ کو اس سازش کی اطلاع دے دی، پھر بنو نظیر کو جلاوطن کر دیا گیا، تو یہ خیبر کی طرف چلے گئے۔ ان کے باغات پر خاک (آگ) ڈال دی گئی، پھر فتح خیبر ہوا۔ یہ پھر ذلیل ہو گئے تو بنو قریظہ اور بنو نظیر کا یہ حشر ہوا تھا۔

رکوع ١١

87۔ وَ لَقَد آتَینَا مُوسَی الکِتَابَ وَ قَفَّینَا مِن بَعدِہ بِالرُّسُلِ وَ آتَینَا عِیسَی ابنَ مَریَمَ البَیِّنَاتِ وَ أَیَّدنَاہ بِرُوحِ القُدُسِ أَفَکُلَّمَا جَاءَکُم رَسُولٌ بِمَا لَا تَہوَی أَنفُسُکُمُ استَکبَرتُم فَفَرِیقًا کَذَّبتُم وَ فَرِیقًا تَقتُلُونَ
88۔ وَ قَالُوا قُلُوبُنَا غُلفٌ بَل لَّعَنَہُمُ اللَّہ بِکُفرِہِم فَقَلِیلًا مَّا یُؤمِنُونَ
89۔ وَ لَمَّا جَاءَہُم کِتَابٌ مِّن عِندِ اللَّہ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَہُم وَ کَانُوا مِن قَبلُ یَستَفتِحُونَ عَلَی الَّذِینَ کَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَہُم مَّا عَرَفُوا کَفَرُوا بِہ فَلَعنَۃ اللَّہ عَلَی الکَافِرِینَ
90۔ بِیسَمَا اشتَرَوا بِہ أَنفُسَہم أَن یَکفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللہ بَغیًا أَن یُنَزِّلَ اللَّہ مِن فَضلِہ عَلَی مَن یَشَاءُ مِن عِبَادِہ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَی غَضَبٍ وَ لِلکَافِرِینَ عَذَابٌ مُّہِینٌ
91۔ وَ إِذَا قِیلَ لَہم آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّہ قَالُوا نُؤمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَینَا وَ یَکفُرُونَ بِمَا وَرَاءَہ وَ ہوَ الحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَہم قُل فَلِمَ تَقتُلُونَ أَنبِیَاءَ اللَّہ مِن قَبلُ إِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ
92۔ وَ لَقَد جَاءَکُم مُّوسَی بِالبَیِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذتُمُ العِجلَ مِن بَعدِہ وَ أَنتُم ظَالِمُونَ
93۔ وَ إِذ أَخَذنَا مِیثَاقَکُم وَ رَفَعنَا فَوقَکُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَینَاکُم بِقُوَّۃ وَ اسمَعُوا قَالُوا سَمِعنَا وَ عَصَینَا وَ أُشرِبُوا فِی قُلُوبِہِمُ العِجلَ بِکُفرِہِم قُل بِیسَمَا یَأمُرُکُم بِہ إِیمَانُکُم إِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ
94۔ قُل إِن کَانَت لَکُمُ الدَّارُ الآخِرَۃ عِندَ اللَّہ خَالِصَۃ مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا المَوتَ إِن کُنتُم صَادِقِینَ
95۔ وَ لَن یَتَمَنَّوہ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَت أَیدِیہِم وَ اللَّہ عَلِیمٌ بِالظَّالِمِینَ
96۔ وَ لَتَجِدَنَّہم أَحرَصَ النَّاسِ عَلَی حَیَاۃ وَ مِنَ الَّذِینَ أَشرَکُوا یَوَدُّ أَحَدُہم لَو یُعَمَّرُ أَلفَ سَنَۃ وَ مَا ہوَ بِمُزَحزِحِہ مِنَ العَذَابِ أَن یُعَمَّرَ وَ اللَّہ بَصِیرٌ بِمَا یَعمَلُونَ

ترجمہ:

٨٧۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد بھی پے در پے رسول بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کی کیا جب تمہارے پاس کوئی وہ حکم لایا جسے تمہارے دل نہیں چاہتے تھے تو تم اکڑ بیٹھے پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کیا۔

۸۸.	اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب سے لعنت کی ہے سو بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔
۸۹.	اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آئی جو تصدیق کرتی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ کفار پر فتح مانگا کرتے تھے پھر جب ان کے پاس وہ چیز آئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کیا سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔
۹۰.	انہوں نے اپنی جانوں کو بہت ہی بری چیز کے لیے بیچ ڈالا یہ کہ اللہ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا اس ضد میں آ کر انکار کرنے لگے کہ وہ پنے فضل کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کیوں نازل کر دیتا ہے سو غضب پر غضب میں آ گئے اور کافروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔
۹۱.	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اسی کو مانتے ہیں جو ہم پر اترا ہے اور اسے نہیں مانتے ہیں جو اس کے سوا ہے حالانکہ وہ حق ہے اور تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے کہہ دو پھر تم کیوں اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو قتل کرتے رہے اگر تم مومن تھے۔
۹۲.	اور تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر آیا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو بنا لیا اور تم ظالم تھے۔
۹۳.	اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہِ طور کو اٹھایا کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور سنو انہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں اور ان کے دلوں میں کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت رچ گئی تھی کہہ دو اگر تم ایمان دار ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بہت ہی برا حکم دے رہا ہے۔
۹۴.	کہہ دو اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر خصوصیت کے ساتھ سوائے اور لوگوں کے تمہارے ہی لئے ہے تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔
۹۵.	وہ کبھی بھی اس کی ہر گز آرزو نہیں کریں گے ان گناہوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔
۹۶.	اور آپ انہیں زندگی پر سب لوگوں سے زیادہ حریص پائیں گے اور ان سے بھی جو مشرک ہیں ہر ایک ان میں سے چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس عمر ملے اور اسے عمر کا ملنا عذاب سے بچانے والا نہیں اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

افادات محمود

وَلَقَد أٰتَینَا مُوسَی الکِتٰبَ الخ۔
ان کے د لوں پر غلف ہے کہ ہمارے پیغمبر کے معجزات اور ان کی آیات ان کے دلوں پر اثر نہیں کر سکیں، کیونکہ یہ غلف میں ہیں فَفَرِیقًا کَذَّبتُم وَفَرِیقًا تَقتُلُونَ۔ پہلے موسیٰؑ کو تختے دیے گئے، کتاب ہدایت دی گئی۔ اس کا بھی انکار کیا اور موسیٰ کے بعد یوشع، ان کے بعد یسع داؤد و سلیمان کو بھیجا گیا تھا۔ حضرت زکریا یحییٰ عزیر تقریباً چار ہزار پیغمبر موسیٰؑ کے بعد عیسیٰ (علیہا السلام) کے آنے تک بھیجے گئے اور یہ تمام رسول موسیٰؑ کی شریعت پر چلتے رہے۔ دستور صرف یہ تھا کہ موسیٰؑ کے احکام کی تجدید کرتے تھے۔ اس امت میں پیغمبر تو نہیں آئے گا لیکن
ان اللہ یبعث فی ھذہ الامۃ علی راس کل ماۃ من یجددھا۔
اس لیے امت محمدیہ میں مجدد آئے ہیں۔
وَاٰتَینَا عِیسَی ابنَ مَریَمَ البَیِّنٰتِ
عیسیٰؑ مادر زاد اندھوں کو ٹھیک کر دیا کرتے تھے۔ برص کے مریں پر ہاتھ پھیرا اور وہ درست ہو گیا تو یہ بینات ہیں۔
وَاَیَّدنٰہُ بِرُوحِ القُدُسِ
روح القدس سے مراد بعض کے نزدیک یہ ہے کہ یہ اسم اعظم ہے۔ عیسیٰؑ اسم اعظم پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ بعض کے نزدیک جبرئیل ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے:
حضرت حسان بن ثابت کفار کی ہجو کا جواب دے رہے تھے اور مسلمانوں کی مدح اور کفار کی مذمت اور ہجو میں شعر کہہ رہے تھے۔ حضورﷺ نے ان کو ان الفاظ سے دعا دی۔
اللھم ایدہ بروح القدس
اس لیے روح القدس سے جبرئیل مراد ہیں۔
حضرت زکریا وہ یحییٰ (علیہما السلام) کو قتل کیا دونوں باپ بیٹے کو، یہود کی شناعت اور شقاوت کی ایک خوفناک مثال تھی۔

كَذَّبتُم ماضی ہے اور تَقتُلُونَ مضارع کا صیغہ ہے۔

002: 088

ترجمہ:

تکذیب تو ہو چکی ہے۔ ماضی میں ان کے آباء و اجداد نے تکذیب کی، لیکن قتل کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں تک کہ یہ ظالم نبی کریمﷺ کے قتل کے درپے تھے۔ جیسے بنو نظیر نے کیا تھا اور بنو قریظہ و بنو نظیر احزاب کے غزوہ میں کفار سے کیوں مل گئے تھے۔ یہ موجودہ پیغمبر کو بھی قتل کرنے کے درپے تھے۔ تکذیب بیک وقت ہوتی ہے اور قتل بالوسائل یا بالسازش ہوتا ہے۔ یہ کہتے ہیں قلوبنا غلف یعنی ہمارے اندر تثبت فی الدین ہے جبکہ انہوں نے پیغبروں کو نہیں مانا تو تثبت فی الدین کہنا غلط ہے ان کا دعوی کچھ ہے اور حقیقت کچھ اور ہے۔

اقسام قلوب:

فَقَلِيلًا مَّا يُؤمِنُونَ۔ ابن جریر نے ایک روایت نقل کی ہے۔ عن حذیفۃ القلوب اربعۃ (1) القلب الاغلف یعنی جس پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہ قلب کافر ہے۔

(2) و قلب اوقد فیہ السراج و ذلک قلب المومن۔

جس دل میں روشن چراغ ہو یہ مومن کا دل ہے۔

(3) و قلب معکوس۔ (دل الٹا ہے) بات ڈالو بھی تو نکل جاتی ہے۔ وذلک قلب المنافق عرف ثم انکر۔

(4) وقلب مصفح فیھا ایمان و نفاق۔

کہ ایک صفحہ پر ایمان، ایک پر نفاق، یہ تھی ان کی حقیقت۔ ان کے کہنے کے مطابق ان کے قلوب اگرچہ غلف ہیں، لیکن ہدایت مل سکتی تھی، لیکن انہوں نے اعراض کیا۔

توسل بذات النبی:

یہود آپ کی بعثت سے قبل حضورﷺ کے نام سے دعا کیا کرتے تھے۔ بنو اسد اور بنو غطفان کے ساتھ لڑائی ہوتی تو یہ شکست کھا جاتے تھے۔ انہوں نے تامل کے بعد دعا کی، اس روایت کو ابو عبداللہ الحاکم والبیہقی نے نقل کیا ہے۔

اللھم ربنا انا نسئلک باحمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ الینا وبکتابک الذی تنزل علیہ ان تنصرنا علی اعدائنا۔

یعنی اے اللہ ہمارے رب ہم آپ سے احمد جو کہ نبی امی ہیں کے وسیلے سے سوال کرتے ہیں۔ ہماری طرف جس کے بھیجنے کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے اور تیری اس کتاب کے وسیلہ سے جسے تو اس پر نازل کرے گا کہ ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

حضورﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا اور یقین کر لیا پھر یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم لیکن یہ لوگ پوری طرح جانتے بوجھتے بھی انکار کرتے تھے۔

مسئلہ توسل (وسیلہ پکڑنا):

یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ حدیث میں آتا ہے:

ان عمر ابن الخطاب کان اذا قحط استسقی بالعباس ابن عبدالمطلب فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبیکﷺ تسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون۔ (بخاری)

جب قحط سالی ہوتی تھی تو حضرت فاروق اعظم حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے اور فرماتے تھے اے اللہ ہم آپ کی جناب سے آنے والے نبی کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعا مانگ لیتے تھے تو آپ ہمیں سیراب کر دیتے تھے۔ اب آپ سے اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں، لہذا ہمیں سیراب فرمائیں تو بارش ہو جاتی تھی۔

معترض کہتے ہیں کہ دیکھو اموات کے ساتھ توسل جائز نہیں ہے۔ یہ سب بھول بھلیاں ہیں، نبی سے توسل یا کسی بھی صالح ہستی سے توسل کرنا جائز ہے۔ (ہم توسل بالفاسقین و بالکافرین تو نہیں کرتے) انسان کی ذات من حیث الانسان سمجھ لو۔ پھر دونوں کو جدا کرتے ہیں اعمال کی وجہ سے۔ اس لیے یہاں توسل بالذات نہ ہوا، بلکہ بالاعمال ہوا۔ ورنہ فساق سے کیوں نہیں کرتے۔

من حیث عمل الصالح اصل ہے۔ ذات کا لفظ بھی بدعت کہا ہے۔ حالانکہ ہم تو توسل ان کے اعمال صالحہ سے کرتے ہیں والباقیات الصالحات کا قانون جاری ہے اور مرے ہوئے آدمی سے بھی توسل جائز ہے۔ زندگی میں تو اعمال صالحہ محفوظ نہیں

ہیں۔ جب ان سے توسل جائز ہے تو میت کے اعمال صالحہ تو محفوظ ہیں۔ ضبط کا خطرہ نہیں ہے، پھر ان کا توسل کیوں اختیار نہیں کرتے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک دفعہ گزشتہ امتوں کا تذکرہ فرمایا کہ تین آمی سفر پر جا رہے تھے بارش ہو گئی تو انہوں نے ایک غار میں پناہ لے لی۔ ایک چٹان اوپر سے گری اور غار کا منہ مکمل طور پر بند ہو گیا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ ان کا جو عمل بہت زیادہ امید کا ہو اسے سامنے رکھ کر دعا کریں۔ ایک نے اطاعت والدین کا ذکر کیا، دوسرے نے کف من الزنا کا عمل پیش کیا، تیسرے نے سالہا سال کے بعد امانت و دیانت واپس کرنے کا ذکر کیا تو تینوں کے عمل سے یکے بعد دیگرے چٹان ہٹ گئی۔ عملوم ہوا کہ ہر ایک کے عمل کے توسل سے تینوں کو فائدہ پہنچا۔ مفہوم یہ نکلا کہ توسل بالاعمال جائز ہے اور اپنا عمل بھی اور دوسروں کا عمل بھی اثر کرتا ہے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے کہ اس مردہ کے اعمال ختم ہو گئے۔

حضرت فاروق اعطم نے الان بالعباس نہیں کہا بلکہ بعم نبینا کہا تو یہ توسل بالنبی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں تو توسل میں عم مضا ہے نبی کی طرف اس لیے اب بھی نبی کا توسل مع العم ہے۔ اگر وفات کے بعد نبی کا توسل ناجائز ہوتا تو عم نبیک نہ کہتے۔

اب ہمارے قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ کے یہ شجرات ہیں۔ اب جو کوئی شجرہ اٹھاؤ اس میں الٰہی بحرمت لکھا ہوتا ہے۔

حضرت مدنی (رح) نے خود یہ شجرہ بھجوایا۔ وہ ہر مرید کو شجرہ دیتے تھے کہ روزانہ پڑھا کرو۔ الٰہی بحرمت فلاں کا ذکر کرتے ہیں اور وہ علماء دیوبند جو ابعد من الشرک ہیں انہوں نے توسل بالمشائخ کیوں کہا۔ تم لوگ اکابر کا نام کیوں لیتے ہو۔ حضرت گنگوہی سے زیادہ شرک سے مجتنب کون تھا۔ اس لیے کہا صراط الذین انعمت پر چلو کناروں پر مت چلو۔

اب ایک آدمی نے سوال کر دیا، اس نے میرے خیال میں حدیث کو ضعیف کہا۔ اس حدیث کو بیہقی نے نقل کیا۔ ابو عبداللہ الحاکم نعیم نے مسند میں نقل کیا اور میرا دعوی ہے کہ اس کی اسانید صحیح مرفوع ہیں۔ ہماری دلیل صرف ایک روایت میں منحصر نہیں کہ یہ ختم ہو جائے تو پھر وہ دلائل ختم ہو جائیں۔

002: 089

ترجمہ:

002: 090

ترجمہ:

عَلٰی مَن یَّشَاءُ یعنی آپ تو اسماعیل کی اولاد میں سے تھے تو آباؤ یعنی یعقوب کے خاندان سے تھے اور پھر ابراہیم کے اسماعیل و اسحاق بیٹے تھے تو یہ بھی ان کی قوم تھی، لیکن وہ اسماعیل کے بیٹے پر نزول وحی سے باغی تھے۔

بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ۔ ایسے لفظ عرفا اس وقت استعمال کیے جاتے ہیں جب شے اپنی انتہا کو پہنچ جائے جیسے وبعضہم فوق بعض یا نور علی نور ہے۔ یہاں مراد ایک ہی غضب ہے، مگر وہ کمال درجے کا غضب ہے انزل علینا کتاب اس لیے واجب الاطاعت ہے کہ اللہ کی کتاب ہے۔ پھر تورات بھی تو اللہ نے نازل کی ہے۔

002: 091

ترجمہ:

نُؤمِنُ بِمَآ أُنزِلَ عَلَینَا اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ ورنہ کیوں تم اپنے انبیاء کو قتل کرتے؟ معجزات، ید بیضاء، عصا، فرق البحر، غرق الفرعون کے بعد سامری کی فریب بازی کے ساتھ مل گئے تو کیونکر؟

002: 092

ترجمہ:

002: 093

ترجمہ:

سَمِعنَا وَعَصَینَا یہاں سمعنا واطعنا ہونا چاہیئے تھا۔ اس لیے کہ سمع و اطاعت اکٹھے استعمال ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ عمر فاروق نے فرمایا اسمعوا و اطیعوا تو ایک شخص اٹھا اور کہا لا نسمع و لانطیع تو اس نے اعراب کے انداز میں جواب دیا۔
حاصل یہ ہے کہ سمع و اطاعت ساتھ ساتھ استعمال ہوتے تھے۔
اسمعوا و اطیعوا لو امرکم علیکم عبد حبشی۔ (مشکوۃ)
جب سمع کے ساتھ ہمیشہ اطاعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو پھر ان لوگوں نے وعصینا کہہ کر متضاد بات کیوں کہی؟
(1) بعض مفسرین نے جواب دیا کہ سمعنا وعصینا یہ ایک شخص کا کلام نہیں، بلکہ بعض نے سمعنا کہا اور بعض نے عصینا کہا ہے۔
(2) بعض کہتے ہیں کہ باپ دادا نے سمعنا کہا تھا اور ان کے بیٹوں نے کہا تھا عصینا۔
(3) سمعنا بکلام القال وعصینا بکلام الحال اس لیے تضاد نہیں ہے۔ یعنی زبان سے کہا اطاعت کریں گے اور عمل سے انکار کر دیا۔
(4) یہاں پر یہ بتادوں کہ محقق (یعنی تحقیقی بات) یہ ہے کہ ان میں تضاد نہیں ہے کہ ہم نے بات سنی ہے، لیکن مانتے نہیں۔
ایسے لوگ اب بھی ملتے ہیں جو سچے اور اچھے آدمی کی بات سن کر کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سنی، آپ کی بات بھی اچھی اور سچی ہے لیکن ہم مانیں گے نہیں۔ اس پر ہم عمل نہیں کر سکتے، کیا سود خور یہی نہیں کہتے کہ ٹھیک ہے سود حرام ہے۔ ہم بھی جانتے ہیں مگر ہم عمل نہیں کر سکتے، مان نہیں سکتے۔ یہ اس لیے کہا تھا کہ ہمیں ڈرایا جا رہا ہے۔ سابقہ احسانات کے پیش نظر یہ سمجھ رہے تھے کہ عذاب نہیں آئے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے----
وَاِذ نَتَقنَا الجَبَلَ فَوقَہُم کَاَنَّہُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا اَنَّہُ وَاقِعٌ بِہِم۔
اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے اٹھایا تھا ان کے اوپر پہاڑ گویا کہ وہ ایک سائبان ہے اور انہوں نے خیال کر لیا تھا کہ وہ ابھی گرنے والا ہے ان پر (الاعراف: 171)
(5) ثم تولیتم (آیت 64) تو پھر خطرہ ٹلنے کے بعد عصینا کہا ہے۔ تو ثم تولیتم سے عصینا کو بیان کیا گیا ہے۔

002: 094

ترجمہ:
قُل اِن کَانَت لَکُمُ الدَّارُ الاٰخِرَةُ اللہ نے ان کا قول ذکر نہیں کیا کیونکہ یہود و نصاریٰ دونوں میں سے ایک جنت میں جائیں گے۔ تو فرمایا گر تمہارے لیے صرف جنت کا گھر خاص ہے تو پھر تم موت کی تمنا کرو۔ کیوں دنیا میں دل لگاتے ہو، جبکہ تمہیں جنت کا یقین ہے۔

002: 095

ترجمہ:

وَلَن یَّتَمَنَّوہُ اَبَدًا۔ لیکن یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، ان کے مقابلہ میں صحابہ کرام شہادت کی موت کی دعا کرتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ شہید جنتی ہے مگر یہود کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، نہ انہوں نے ماضی میں موت کی تمنا کی، نہ اب کریں گے۔ مومن ہمیشہ شہادت کی خواہش کرتا ہے۔ اب بھی کرتا ہے صحابہ بھی کرتے تھے۔ آج کا گنہگار مسلمان بھی کرتا ہے۔

ولا تقولوا من یقتل فی سبیل اللہ اموات۔ الخ
حضرت فاروق اعظم دعا مانگتے تھے:
اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک وموتا فی بلد حبیبک۔ (الکامل لابن اثیر)
اے اللہ اپنے راستہ کی شہادت نصیب فرما اور اپنے محبوب کے شہر کی موت نصیب فرما۔
ایک دفعہ ایک صحابی کے لڑکے نے غالبا حضرت حسن نے اپنے والد کو دیکھا کہ باپ نے زرہ پہنی تو کہا:
ما ھذا بزی المحاربین قال الاب لا یبالی ابوک سقط علی الموت او سقط علیہ الموت۔
لڑائی میں یہ کیا بے تکی بات ہے، تو والد نے کہا بیٹے تیرے والد کو اس کی قطعاً پروا نہیں کہ وہ موت پر گرے یا موت اس پر گرے۔
اسی طرح سعد بن ابی وقاص ایک غزوہ میں تشریف لے گئے، وہ فاتح عراق تھے، خلافت فاروقی میں گورنر عراق بھی رہے۔
انہوں نے خط لکھا، جسے عراقی فوج کے سردار اور سالار نے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا:
فان معنی قوم یحبون الموت کما یحب الاعاجم من الشراب۔
صحابہ نے شہادت پر یقین رکھتے ہوئے طلب شہادت کی، لیکن یہودیوں کو جنت میں جانے کا یقین نہ تھا۔ اس لیے وہ تمنا نہیں کر سکتے تھے۔
اس طرح حضور ﷺ نے غزوہ احد کے دوران فرمایا جلدی کرو اس جنت کی طرف جو تمہارے سامنے ہے تو ایک صحابی کھجور کھا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے کھجور پھینک دی اور کہا کہ اس کے کھانے کی وجہ سے جنت سے دربدر ہوں۔
حضرت انس بن نضر بھاگے بھاگے احد کے قریب آئے اور کہا:
انی لاریح الجنۃ فی الاحد مجھے احد سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے اور وہ شہید ہو گئے ان کے جسم پر 80 زخم تھے۔ صرف ایک انگلی کا سرا محفوظ تھا جس کو ان کی بہن نے دیکھ کر پہچانا۔ الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔
یہود کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ جبریل فرشتہ ہمارا دشمن ہے تو اللہ نے اس پر رد فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

رکوع ۱۲۔ ۱۳

97۔ قُل مَن کَانَ عَدُوًّا لِّجِبرِیلَ فَإِنَّہ نَزَّلَہ عَلَی قَلبِکَ بِإِذنِ اللَّہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَینَ یَدَیہِ وَ ہدًی وَ بُشرَی لِلمُؤمِنِینَ
98۔ مَن کَانَ عَدُوًّا لِّلَّہ وَ مَلَائِکَتِہ وَ رُسُلِہ وَ جِبرِیلَ وَ مِیکَالَ فَإِنَّ اللَّہ عَدُوٌّ لِّلکَافِرِینَ
99۔ وَ لَقَد أَنزَلنَا إِلَیکَ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ وَ مَا یَکفُرُ بِہا إِلَّا الفَاسِقُونَ
100۔ أَوَ کُلَّمَا عَاہدُوا عَہدًا نَّبَذَہ فَرِیقٌ مِّنہم بَل أَکثَرُہم لَا یُؤمِنُونَ
101۔ وَ لَمَّا جَاءَہم رَسُولٌ مِّن عِندِ اللَّہ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَہم نَبَذَ فَرِیقٌ مِّنَ الَّذِینَ أُوتُوا الکِتَابَ کِتَابَ اللَّہ وَرَاءَ ظُہورِہم کَأَنَّہم لَا یَعلَمُونَ
102۔ وَ اتَّبَعُوا مَا تَتلُو الشَّیَاطِینُ عَلَی مُلکِ سُلَیمَانَ وَ مَا کَفَرَ سُلَیمَانُ وَ لَکِنَّ الشَّیَاطِینَ کَفَرُوا یُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحرَ وَ مَا أُنزِلَ عَلَی المَلَکَینِ بِبَابِلَ ہارُوتَ وَ مَارُوتَ وَ مَا یُعَلِّمَانِ مِن أَحَدٍ حَتَّی یَقُولَا إِنَّمَا نَحنُ فِتنَۃ فَلَا تَکفُر فَیَتَعَلَّمُونَ مِنہمَا مَا یُفَرِّقُونَ بِہ بَینَ المَرءِ وَ زَوجِہ وَ مَا ہم بِضَارِّینَ بِہ مِن أَحَدٍ إِلَّا بِإِذنِ اللَّہ وَ یَتَعَلَّمُونَ مَا یَضُرُّہم وَ لَا یَنفَعُہم وَ لَقَد عَلِمُوا لَمَنِ اشتَرَاہ مَا لَہ فِی الآخِرَۃ مِن خَلَاقٍ وَ لَبِیسَ مَا شَرَوا بِہ أَنفُسَہم لَو کَانُوا یَعلَمُونَ
103۔ وَ لَو أَنَّہم آمَنُوا وَ اتَّقَوا لَمَثُوبَۃ مِّن عِندِ اللَّہ خَیرٌ لَّو کَانُوا یَعلَمُونَ ... ع ۱۱
104۔ یَا أَیُّہا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَ قُولُوا انظُرنَا وَ اسمَعُوا وَ لِلکَافِرِینَ عَذَابٌ أَلِیمٌ
105۔ مَّا یَوَدُّ الَّذِینَ کَفَرُوا مِن أَہلِ الکِتَابِ وَ لَا المُشرِکِینَ أَن یُنَزَّلَ عَلَیکُم مِّن خَیرٍ مِّن رَّبِّکُم وَ اللَّہ یَختَصُّ بِرَحمَتِہ مَن یَشَاءُ وَ اللَّہ ذُو الفَضلِ العَظِیمِ
106۔ مَا نَنسَخ مِن آیَۃ أَو نُنسِہا نَأتِ بِخَیرٍ مِّنہا أَو مِثلِہا أَلَم تَعلَم أَنَّ اللَّہ عَلَی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ
107۔ أَلَم تَعلَم أَنَّ اللَّہ لَہ مُلکُ السَّمَاوَاتِ وَ الأَرضِ وَ مَا لَکُم مِّن دُونِ اللَّہ مِن وَلِیٍّ وَ لَا نَصِیرٍ
108۔ أَم تُرِیدُونَ أَن تَسأَلُوا رَسُولَکُم کَمَا سُئِلَ مُوسَی مِن قَبلُ وَ مَن یَتَبَدَّلِ الکُفرَ بِالإِیمَانِ فَقَد ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِیلِ
109۔ وَ دَّ کَثِیرٌ مِّن أَہلِ الکِتَابِ لَو یَرُدُّونَکُم مِّن بَعدِ إِیمَانِکُم کُفَّارًا حَسَدًا مِّن عِندِ أَنفُسِہم مِّن بَعدِ مَا تَبَیَّنَ لَہمُ الحَقُّ فَاعفُوا وَ اصفَحُوا حَتَّی یَأتِیَ اللَّہ بِأَمرِہ إِنَّ اللَّہ عَلَی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ

110۔ وَ أَقِيمُوا الصَّلَاۃَ وَ آتُوا الزَّكَاۃَ وَ مَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّن خَيرٍ تَجِدُوہ عِندَ اللَّہ إِنَّ اللَّہ بِمَا تَعمَلُونَ بَصِيرٌ
111۔ وَ قَالُوا لَن يَدخُلَ الجَنَّۃ إِلَّا مَن كَانَ ہودًا أَو نَصَارَی تِلکَ أَمَانِيُّہم قُل ہاتُوا بُرہانَكُم إِن كُنتُم صَادِقِينَ
112۔ بَلَی مَن أَسلَمَ وَجہہ لِلَّہ وَ ہوَ مُحسِنٌ فَلَہ أَجرُہ عِندَ رَبِّہ وَ لَا خَوفٌ عَلَيہم وَ لَا ہم يَحزَنُونَ

ترجمہ:

۹۷. کہہ دوجو کوئی جبرائیل کا دشمن ہو سو اسی نے اتارا ہے وہ قرآن الله کے حکم سے آپ کے دل پر ان کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے ہیں اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے۔

۹۸. جو شخص الله اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو بیشک الله بھی ان کافروں کا دشمن ہے۔

۹۹. اور ہم نے آپ کی طرف روشن آیتیں اتاری ہیں اور ان سے انکاری نہیں مگر فاسق۔

۱۰۰. کیا جب کبھی انہوں نے کوئی عہد باندھا تو اسے ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے۔

۱۰۱. اور جب ان کے پاس الله کی طرف سے وہ رسول آیا جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے تو اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے الله کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا پھینکا کہ گویا اسے جانتے ہی نہیں۔

۱۰۲. اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت پڑھتے تھے اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطانوں نے ہی کفر کیا لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس کی بھی جو شہر بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا اور وہ کسی کو نہ سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے ہم تو صرف آزمائش کے لیے ہیں تو کافر نہ بن پس ان سے وہ بات سیکھتے تھے جس سے خاوند اور بیوی میں جدائی ڈالیں حالانکہ وہ اس سے کسی کو الله کے حکم کے سوا کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور سیکھتے تھے وہ و ان کو نقصان دیتی تھی اور نہ نفع اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو کو خریدا اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور وہ چیز بہت بری ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کاش وہ جانتے۔

۱۰۳. اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو البتہ الله کے ہاں کا اجر ان کے لیے بہتر تھا کاش وہ جانتے۔

۱۰۴. اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو اور سنا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۰۵. اہل کتاب کے کافر اور مشرک نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھی اچھی بات نازل ہو اور الله اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے جسے چاہے اور الله بڑے فضل والا ہے۔

۱۰۶. ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ الله ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۰۷. کیا تم نہیں جانتے الله ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور تمہارے لیے الله کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

۱۰۸. کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے اور جو کوئی ایمان کے عوض کفر کو بدل لے سو وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوا۔

۱۰۹. اکثر اہلِ کتاب تو اپنے حسد سے حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا کر لے جائیں سو معاف کرو اور درگزر کرو جب تک کہ الله اپنا حکم بھیجے بے شک الله ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۱۰. اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جو کچھ نیکی سے اپنے واسطے آگے بھیجو گے اسے الله کے ہاں پاؤ گے بے شک الله جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔

۱۱۱. اور کہتے ہیں کہ سوائے یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی جنت میں ہرگز داخل نہ ہو گا یہ ان کے ڈھکوسلے ہیں کہہ دو اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

۱۱۲. ہاں جس نے اپنا منہ الله کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکو کار بھی ہو تو اس کے لیے اس کا بدلہ اس کے رب کے ہاں ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

افادات محمود

قُل مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبرِيلَ الخ۔
امام احمد، بیہقی و طبرانی نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ یہودی آپﷺ کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہم آپ سے ایک سوال پوچھتے ہیں اور وہ پیغمبروں کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ جواب دیا تو صحیح ہے ورنہ ایمان نہ لائیں گے۔ (1) ایک کیفیت نوم کا پوچھا:
فقال تنام عیناى ولا ینام قلبى فقال صدقت۔
یعنی میری آنکھ سوتی ہے اور میرا دل نہیں سوتا۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔
(2) بچہ کبھی ماں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے کبھی باپ کے ساتھ؟
فقال یعنی حضور نے جواب دیا رحم میں پانی اگر مرد کا غالب ہو تو مرد سے مشابہ، ورنہ ماں سے مشابہ ہوتا ہے۔
(3) پھر پوچھا بچے کے کون سے اعضاء باپ کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں اور کون سے ماں کے پانی سے۔ جواب دیا عظام و اعصاب من نطفۃ الاب اور گوشت بال ناخن ماں کے پانی سے۔ کہا صدقت وایضا فی الکتاب پھر پوچھا۔
(4) کہ جنت میں اللہ سب سے پہلے کیا کھلائیں گے فرمایا کبد النون (مچھلی کا جگر) پھر ان سے بھی عہد تھا کہ ایمان لانا ہے اب راستہ بند ہو گیا۔ آخر میں پوچھا۔
(5) کون سا فرشتہ آپ پر وحی لاتا ہے، فرمایا جبرئیل لاتا ہے، تو انہوں نے کہا ذلک عدونا من الملائکۃ اور کہا کہ میکائیل وحی لاتا تو ہم ضرور ایمان لاتے کہ میکائیل بڑا اچھا فرشتہ ہے۔ انہوں نے اپنے عہد سے انحراف کیا تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبرِيلَ فَإِنَّہُ الخ۔ (ابن کثیر) تو اللہ نے بڑی سختی سے رد فرمایا کہ جو دشمنی کرتا ہے جبرئیل سے وہ اللہ سے دشمنی کرا ہے کہ اللہ کے مقرب کی دشمنی اللہ کی دشمنی ہے۔ فرشتے مکرم ہیں، ان کا احترام لازم ہے۔ مسلمان ان پر ایمان لاتا ہے۔ وہ فرشتوں کی دشمنی یا اہانت کا سوچ بھی نہیں سکتا۔
كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِم میں کتاب اللہ سے مراد تورات ہے:
یہود نے فی الحقیقت شیاطین کی پیروی کی ہے۔ سلیمانؑ کے زمانہ میں شیاطین جادو او سحر سکھاتے تھے۔ سلیمانؑ کی حکومت جن و انس اور شیاطین سب پر تھی۔ جنات ان کے سامنے اپنی صورت کے کارنامے دکھاتے تو لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ ان شیاطین نے انسان کو کچھ کلمات سحر بتلائے۔ سلیمان نے یہ خرابی دیکھی تو فرمایا کہ الگ الگ ہو جاؤ۔ انسانوں کو سحر سے منع کر دیا، یہود بھی منتر کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ یہ سلیمانؑ کی وراثت تھی، حالانکہ وہ اس سے منع کرتے تھے اور یہ جادو تو شیاطین کی وراثت تھی، یہود اسے سلیمان کے دین کی پیروی بتلاتے تھے۔ اس لیے فرمایا:
وَاتَّبَعُوا مَا تَتلُوا الشَّيٰطِينُ الخ۔
امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر ساحر ملے تو اس کو جیل میں ڈال دو، ہاں اگر وہ توبہ کر لے تو پھر چھوڑ دو۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ تین دن مہلت دی جائے اور اس کے بعد قتل کر دیا جائے چونکہ یہ لوگ لوگوں کو کفریہ کلمات بتلاتے ہیں، لہٰذا یہ کافر ہیں۔ دین کی بنیاد طہارت اور توحید پر ہے جبکہ جادو سراسر نجاست اور غلاظت ہے اس میں ظاہری نجاست بھی ہے اور باطنی نجاست یعنی شرک بھی ہے۔
وَمَآ أُنزِلَ عَلَى المَلَكَينِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ۔
دو فرشتے تھے اللہ نے ان کو لوگوں کا امتحان لینے کے لیے بھیجا۔ یہ تکوینیات ہیں کہ فرشتے اللہ کے احکام میں قتل بھی کرتے ہیں۔ (خضرؑ نے لڑکے کو قتل کر دیا) اللہ نے یہ دو فرشتے بھیجے تھے۔ لوگ ان سے عملیات سیکھتے تھے اور غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے لیکن یہ اتمام حجت کرتے ہوئے منع کرتے تھے اور بتلانے سے گریز کرتے تھے، البتہ اصرار کرنے پر بتلا بھی دیتے تھے۔ یہ فرشتے واضح کر دیتے کہ اسے غلط مقاصد کے لیے استعمال نہ کریں۔ اب اگر وہ ان کا بتایا ہوا عمل کرتے ہیں تو یہ ان کی اپنی ذمہ داری تھی، بابل شہر کا سحر زیادہ مشہور ہے۔ بعض تفاسیر میں بڑے لمبے قصے مذکور ہیں کہ اللہ نے فرشتوں کو قوت شہوانی دی، پھر ان سے غلط کام سرزد ہوئے تو یہ کنویں میں لٹکا دئے گئے۔ یہ اسرائیلیات ہیں۔ قرآن میں مذکورہ باتوں کے علاوہ ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ لاحاصل ہیں۔ جب ان کے پاس لوگ آتے تھے تو یہ کہتے:
اِنَّمَا نَحنُ فِتنَةٌ الخ
کہ مت سیکھو۔ ہم تو امتحان لینے آئے ہیں۔ اگلے رکوع میں اہل کتاب سے مقاطعہ کا ذکر ہے۔
يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا۔
اس رکوع میں یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ انہوں نے آیت نسخ کا انکار کر دیا تھا اور اعتراض کیا تھا کہ آیات کیوں منسوخ ہوتی ہیں۔ آج ایک حکم آتا ہے، چند دنوں کے بعد یہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے اگر یہ من عنداللہ ہوتا تو یہ تبدیلیاں نہ

ہوتیں۔ اس کا جواب اس رکوع میں ہے اور اس کے علاوہ بعض مقامات پر یہودیوں سے مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کا حکم دیا جاتا ہے۔

خطاب یٰٓاَیُّہَا الَّذِینَ اٰمَنُوا:

یہ بھی قرآن کریم کی خصوصیت ہے کہ قرآن کریم میں مومنین کو براہ راست مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلی کتابوں میں انبیاء کو مخاطب کیا جاتا تھا اور مومنین کو انبیاء کی وساطت سے حکم سنایا جاتا تھا۔ تورات و انجیل میں کہیں براہ راست مومنین سے خطاب نہیں تھا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ مومنین کے لیے بہت بڑا شرف ہے اور ان کا اکرام ہے کہ اللہ نے براہ راست انہیں خطاب فرمایا۔

مسئلہ راعنا:

لا تقولوا راعنا تم جناب نبی کریمﷺ کو خطاب کرتے وقت راعنا کہو۔ وَقُولُوا انظُرنَا یعنی راعنا کا مترادف لفظ انظرنا موجود ہے وہ استعمال کرو۔

حقیقت راعنا:

اصل میں بات یہ تھی کہ یہودی حضورﷺ کو راعنا کہتے ہوئے اس طرح خطاب کرتے تھے کہ راع جو امر کا صیغہ ہے من المراعات بات مفاعلہ سے اس میں نا مفعول بہ ہے یعنی ہماری رعایت فرمایئے۔ راعی اور رعیت بھی دونوں لفظ اسی سے مشتق ہیں۔ راعی کے معنی چرواہا ہے جو بکریوں کی نگرانی کرتا ہے، وہ ان کے مفادات کا ہر وقت لحاظ رکھتا ہے تو اس کو بھی راعی کہا جاتا ہے۔ راعنا یعنی آپ نگہبانی فرمائیں۔ ظاہری معنی یہی ہیں لیکن وہ اس ضمن میں خبث باطن کا مظاہرہ کرتے تھے کہ راعن ماخوذ ہے رعونت سے یعنی راعن احمق اور متکبر احمق۔ اگر کسی ذہین عقلمند آدمی میں کبر پیدا ہو تو ہو، لیکن احمق میں کبر کیسے پیدا ہو۔ حمق و کبر کو ملانے کے بعد اس کو رعونت کہتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ منادی کے بعد الف کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے یا اماہ، حدیث میں ہے کہ جب صحابہ حضرت عائشہ سے ملنے جاتے تھے تو یا اماہ سے خطاب کرتے تھے تو منادی کے بعد الف کا اضافہ عام معمول تھا یعنی یہ لوگ یا راعنا مراد لیتے تھے۔ یعنی رعونت کرنے والا، میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس نام میں معنی فاسد کا وہم آتا ہو اس کا استعمال کرنا کسی بھی بزرگ صحابی یا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جائز نہیں ہے۔ علمائے بلاغت و معانی جانتے ہیں کہ جس لفظ میں معنوی یا لفظی کسی بھی پہلو سے ذم کا مفہوم برآمد ہوتا ہے، اسے ترک کرنا فصاحت ہے۔ یہ ادب کا قرینہ بھی ہے، اس آیت سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ راعنا مت کہو بلکہ اس کا ہم معنی لفظ بجائے راعنا کے انظرنا کہو۔ کیونکہ اس میں معنی فاسد کا ایہام نہیں ہے۔ اس لیے انظرنا کہنے کا حکم دیا۔

یہ لوگ غلط اور برا خطاب کرتے تھے اور مسلمانوں کے ذہنوں میں یوں ڈالتے تھے کہ ہم شفقت کے طالب ہیں تاکہ مسلمانوں کا ذہن صاف رہے، یہی ان کی عادت تھی اور اس کے ذریعہ وہ اپنے باطنی خبث کا اظہار کرتے تھے۔ اس وجہ سے سادہ لوح مسلمان ان کی دھوکا دہی اور فریب دہی کا شکار ہو جاتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی وہ بھی لفظ راعنا کہہ دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ جو بہت بڑے انصاری صحابی اور قبیلہ اوس کے سردار تھے کما ذکرنا من قبل۔ وہ بیٹھے تھے کہ ان کے سامنے یہودیوں نے راعنا کہا۔ وہ بہت غصے میں آ گئے کیونکہ ان کی عرف میں یہ لفظ گالی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر پھر یہ لفظ استعمال کیا تو میں تمہاری گردن ماردوں گا۔ تب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ چونکہ یہ موہم کلام فاسد تھا یعنی اس لفظ سے فاسد معنی کی طرف بھی خیال جاتا تھا اس وجہ سے منع کر دیا گیا۔

مذکورہ بالا حکم سے قاعدہ کلیہ کا استنباط:

اس سے ایک حکم کلی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول یا دیگر بزرگان دین کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جس سے فاسد مفہوم کا وہم ہوتا ہو، درست نہیں ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صرف وہ نام لیے جائیں جو توقیفیہ ہوں اور حضورﷺ نے جن ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد فرمایا ہے انہی اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہو گا۔ کسی اور نام سے پکارنے کی اجازت نہیں ہے۔

علامہ تفتازانی کا موہم الفاظ کا استعمال کرنا:

آپ لوگوں نے مختصر المعانی میں پڑھا ہو گا جہاں یہ بحث ہے کہ مسند الیہ کبھی معرفہ ہوتا ہے بالعلمیۃ کالمدح والذم یعنی اس کا عمل مدح پر دال ہوتا ہے یا ذم پر دال ہوتا ہے تو اس پر علامہ تفتازانی نے دونوں کی مثال یہ دی ہے۔

رکب علی وھرب معاویۃ۔

(علی سوار ہو گئے، معاویہ بھاگ گئے)

لغوی معنی کے اعتبار سے علی علو مرتبہ پر دال ہے اس میں مدح ہے اور معاویہ من عواء الکلب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کتے کا بھوکنا، لہذا یہ لفظ ذم پر دال ہے۔ یعنی حضرت معاویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں عواء الکلب تک پہنچا دیا۔ اسی وجہ سے ہمارے محققین علماء کہتے ہیں کہ (فیہ شائبۃ من الرفض) تفتازانی میں رافضیت کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ حضرت

معاویہ کا نام لے کر ان کو عواء الکلب سے تعبیر کرنا کس قدر غلط رویہ تھا۔ پتا نہیں اب یہ شخص جنت میں جائے گا یا نہیں؟ کتاب کے حاشیہ پر اگرچہ یہ تاویل کی گئی ہے کہ معاویہ سے مراد صحابی رسول نہیں ہیں کوئی اور معاویہ ہے، لیکن یہ تاویل عجیب بھی ہے اور بعید بھی۔ یہاں حضرت علی کے ساتھ تقابل ہے اور ایسے نام جو معنی فاسد کے موھم ہیں، ان کو استعمال ہی کیوں کیا گیا۔ کیا اور نام نہ تھے؟ وہاں (مختصر المعانی میں) اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ اسی طرح شرح العقائد النسفی میں یزید پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے اور اس پر لعنت بھی بھیجی گئی ہے اور آگے لکھا ہے۔ لعن اللہ علی انصارہ و اعوانہ۔ حالانکہ ان کے انصار و اعوان صحابہ کرام و تابعین تھے۔ پھر صحابہ کرام کے فضائل میں خلفاء اربعہ کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ آگے لکھا ہے کہ افضلیت سے کیا مراد ہے۔ اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے تو یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور اگر افضلیت سے مراد کثرت مناقب ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں کذا فی شرح العقائد اور تلویح میں بھی بہت ساری باتیں موجود ہیں۔ بہرحال میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ وہ لفظ یا نام جن میں فاسد معنی کا وہم پایا جاتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے یا نبی یا کسی بزرگ کے لیے اسے استعمال کرنا ٹھیک نہ ہو گا اور یہ ضابطہ مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہو گیا کہ راعنا اس وجہ سے نہ کہو کہ اس میں فاسد معنی کا احتمال ہے اور انظرنا میں چونکہ معنی فاسد کا احتمال نہیں ہے، لہٰذا اسے استعمال کیا کرو۔

اگرچہ دونوں الفاظ مترادف ہیں، لیکن ایک موہم فساد ہے اور دوسرا موہم فساد نہیں ہے۔ اگر کسی قوم کی اصطلاح میں بزرگ کے معنی بیوقوف کے ہوں تو یہ بھی موہم فساد ہے اس لیے ایک اصطلاح میں ایک لفظ گالی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور دوسری لغت میں کسی اور معنی کے لیے تو ایسے لفظ کا استعمال مناسب نہیں۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ یہاں اہل کتاب کے ساتھ مشرکین کو بھی جوڑ دیا گیا کہ اہل کتاب سے مراد یہودی اور اہل مکہ سے مراد مشرکین ہیں کہ دونوں نہیں چاہتے کہ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو تو یہ ان کا حسد ہے۔ حسد کہتے ہیں کسی کے حق میں ایک نعمت کے ازالہ کی خواہش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جس کو چاہوں رحمت دوں۔

مَا نَنسَخ الخ، انہوں نے لوگوں کو منحرف کرنے کے لیے یہ کہا کہ کیا اللہ کی طرف سے بھی احکام منسوخ ہوتے ہیں کہ نعوذ باللہ، اللہ نے پہلے غلط بات کہہ دی اور پھر اپنی ہی بات منسوخ کر دی۔ اب بندے تو یہ کر سکتے ہیں اور کرتے ہی یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تفصیلی علم میسر ہے وہ کیوں ایسا کرنے لگا۔ یہ لوگ ایسے شکوک پیدا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہاں دے دیا۔ ما ننسخ میں ما موصولہ ہے اور من بیانیہ ہے۔

حقیقت النسخ:

نسخ کے معنی بیان انتہاء مدة الحکم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک محدود وقت کے لیے ایک حکم نازل فرمایا۔ اللہ جانتا تھا کہ میں نے یہ حکم ایک سال یا چھ ماہ کے لیے خاص حالات کے لیے دیا ہے اور میں نے یہ حکم دے کر دوسرا حکم لیا ہے تو نزول آیت کے وقت مدة نہیں بتائی گئی۔ مسلمان اس کو ابدی سمجھتے تھے۔ دوسرا حکم دنیا کے بدلنے کی وجہ سے آیا۔ پہلے وہی حکم درست تھا۔ اب نئے حالات میں نیا حکم ہے۔ جب ابتدائی حالات تھے، ان کے تحت حکم اور تھا۔ جیسے روزانہ حالات کے تحت مریض کی شفا کے لیے حکیم نسخہ بدل دیتا ہے۔ مریض کو اعتراض نہیں ہوتا۔ فرمایا نَاتِ بِخَيرٍ مِّنهَآ اَو مِثلِهَا تو اس میں کیا قباحت ہے۔ یہ اللہ نے تحقیقی جواب دیا اور الزامی جواب یہ ہے کہ یہود ایمان رکھتے تھے اس بات پر کہ تورات نازل شدہ ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کے لیے ناسخ ہے۔ اس طرح نصاریٰ کا عقیدہ تھا، انجیل ناسخ ہے تورات کے لیے۔ اس لیے کہتے تھے لَيسَتِ النَّصٰرٰى عَلىٰ شَىءٍ جب انجیل سے اللہ کی تمام سابقہ کتابوں کو منسوخ کرتے ہو تو کیا وہ خدا کے احکام نہ تھے اگر اس وقت تورات و انجیل سے خدا کی سابقہ کتابیں منسوخ ہو جاتی ہیں تو قرآن سے ہو جائے تو کیا ہوا۔ یہ الزامی جواب بعد میں آئے گا۔

الفرق بین النسخ والانساء:

نسخ اور انساء دونوں الگ الگ لفظ ہیں۔ انساء کا معنی ہے بھلا دینا اور دل سے محو کر دینا اور نسخ سے مراد نسخ الحکم فقط من دون نسخ التلاوة یعنی تلاوت کے بغیر حکم کا منسوخ ہونا اور جہاں تلاوت کو بھی منسوخ کیا جاتا ہے تو اس کو انساء سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی بھلا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ سَنُقرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ۔ اِلَا مَا شَاءَ اللّٰهُ، ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ بالکل نہیں بھولیں گے، مگر جو اللہ چاہے یعنی وہ آپ کو یاد تک بھی نہ ہو گا۔ اس سے مراد نسخ فی التلاوة ہے۔ جیسا کہ مقدمہ میں عرض کر دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّونَ مِنكُم وَيَذَرُونَ أَزوَاجًا وَصِيَّةً لأزوَاجِهِم مَتَاعًا إِلَى الحَولِ غَيرَ إِخرَاجٍ (بقرہ: 240)

اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں، وہ وصیت کرجایا کریں اپنی بیویوں کے لیے خرچ ایک سال تک بغیر (گھر سے) نکالے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ متوفی عنھا زوجھا کی عدت ایک سال ہے۔ پھر کچھ احوال بدل گئے اور ارشاد ہوا:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّونَ مِنكُم وَيَذَرُونَ أَزوَاجًا يَتَرَبَّصنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَربَعَةَ أَشهُرٍ وَعَشرًا (بقرہ: 234)
اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی بیویاں (وہ بیویاں) انتظار کریں اپنے اوپر چار مہینے دس دن۔
اب اس آیت سے معلوم ہوا کہ متوفی عنھا زوجھا (اگر حاملہ نہ ہو) کی عدت چار ماہ دس دن ہیں تو پہلا حکم منسوخ ہے، مگر اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہے۔ یعنی یہ نسخ ہے انساء نہیں ہے۔
انساء کی مثال:
(1) کبھی تلاوت کو دل سے محو کر دیتے ہیں، لیکن حکم باقی رہتا ہے جیسا کہ آیت رجم
الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ (تفسیر ابن کثیر)
یعنی شادی شدہ مرد و عورت جب زنا کا ارتکاب کریں تو ان کو رجم کرو، یہ (ان کی) سزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔
یہ الفاظ روایت میں ہیں، لیکن قرآن کریم میں نہیں ہیں، البتہ ان کا حکم باقی ہے کہ شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو انہیں سنگسار کیا جائے گا۔ البتہ یہ یقیناً عبرت ہے دوسروں کے لیے کہ حکم برقرار ہے اور تلاوت منسوخ ہے، بلکہ ذکر نہیں ہے۔
(2) دوسری مثال صحیح بخاری کی کتاب المغازی میں یہ روایت موجود ہے کہ عرب کے بعض قبائل رعل و ذکوان وغیرہ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں دین سکھانے کے لیے کچھ قراء کی ضرورت ہے۔ آپ ہمیں عنایت فرمایے جو حضور ﷺ نے ان کے ساتھ ستر قاری روانہ فرما دیے۔ ان لوگوں نے غدر اور دھوکے سے ان صحابہ کرام کو بئر معونہ کے مقام پر شہید کرنا شروع کر دیا۔ جماعت کے امیر حضرت حرام ابن ملحان ان کو احکام سمجھا رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے ان کو نیزہ مار کر زخمی کر دیا تو انہوں نے فرمایا فزت و رب الکعبۃ رب کعبہ کی قسم کہ میں کامیاب ہو گیا ہوں۔
جب ان سب کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا گیا تو ان لوگوں نے دعا مانگی کہ اے اللہ اپنے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما اور جو الفاظ ان لوگوں نے کہے تھے وہ وحی بن کر قرآن کریم میں نازل کیے گئے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:
فانزل اللہ علینا ثم کان من المنسوخ۔ انا قد لقینا ربنا فرضی عنا ارضانا۔ (بخاری، کتاب المغازی)
یعنی درج ذیل الفاظ اللہ تعالیٰ نے ہم پر نازل فرمائے تھے اور پھر منسوخ ہو گئے۔ (ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے) بیشک ہم اپنے رب سے مل گئے وہ بھی ہم سے راضی ہوا اور ہمیں بھی راضی کیا۔
یہ الفاظ بعد میں منسوخ ہو گئے تو یہ منسوخ التلاوت ہے، حکم تو یہاں تھا ہی نہیں، اس لیے حکم کے منسوخ ہونے کا یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انساء میں نسخ ہوتا ہے اور یہ خبر ہے (والاخبار لا تنسخ) خبریں منسوخ نہیں ہوتیں۔
(3) تیسری مثال درج ذیل الفاظ حدیث میں موجود ہیں جو قرآن کریم میں اس وقت موجود نہیں ہیں، لیکن پہلے ان الفاظ کی تلاوت ہوتی تھی وہ الفاظ یہ ہیں:
لو کان لابن ادم وادی من ذھب لا بتغی الیہ ثانیا ولو کان لہ وادیان من ذھب لابتغی الیھما ثالثا ولا یملاء جوف ابن ادم الا التراب۔
ابن آدم کے پاس اگر ایک وادی سونے کی (بھری ہوئی) ہو تو ضرور دوسری کو تلاش کرے گا اور اگر دو ہوں تو لازما تیسری کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کا پیٹ سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔
یہ الفاظ بھی بعد میں منسوخ ہو گئے۔ اب یہ الفاظ صرف حدیث میں ہیں۔ پہلے یہ وحی متلو تھی۔
(4) چوتھی مثال اسی طرح ایک حدیث میں درج ذیل الفاظ منقول ہیں۔ پہلے متلو تھے اور اب تلاوت منسوخ ہو گئی۔ وہ الفاظ یہ ہیں:
ان اللہ لیئیذ ھذا الدین برجال مالھم فی الاخرۃ من خلاق او لا خلاق لھم فی الاخرۃ۔
اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں سے کرواتا ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔
(5) پانچویں مثال صحیح بکاری کی کتاب الجھاد اور کتاب المغازی میں یہ روایت موجود ہے کہ زمان نامی شخص ایک غزوی میں خوب بہادری سے لڑا اور جنگجوئی کے خوب جوہر دکھائے تو لوگوں نے حضور ﷺ کے سامنے اس کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہو فی النار۔ یعنی وہ جہنمی ہے۔ قریب تھا کہ لوگ آپ کے اس ارشاد سے شک میں پڑ جاتے کہ صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے اس کا پیچھا کیا۔ جب وہ شخص کفار کے ہاتھ سے زخمی ہوا تو رات کے وقت زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے تلوار کا دستہ زمین پر ٹیک دیا اور اس کی نوک پر اپنا سینہ رکھ کر دبایا، یہاں تک کہ تلوار پار ہو گئی۔ گویا خودکشی کی موت مرا۔ وہ صحابی بھاگتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اشھد انک رسول اللہ پھر سارا قصہ بیان کر دیا اور حضور ﷺ نے بھی فرمایا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔
بہرحال منسوخ التلاوت آیات کی مثالیں احادیث میں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کس حکم کو یا کن الفاظ کو برقرار رکھنا

ہے اور کن لفظوں کو نہیں۔
انساء الایۃ انساء الحکم نہیں ہے:
اب سوال یہ ہے کہ جن آیات کے الفاظ بھلا دیے گئے تو پھر ان کا حکم امت میں کیسے باقی رہا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ الفاظ تو بھلا دیئے گئے مگر مفہوم تو ذہن میں رہتا ہے چنانچہ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا:
عن ابن عباس ان عمر قام فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال اما بعد ایھا الناس فان اللہ تعالیٰ بعث محمداﷺ بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان فیما انزل علیہ آیۃ الرجم فقراناھا و وعیناھا ورجم رسول اللہﷺ ورجمنا بعدہ فاخشی ان یطول بالناس زمان ان یقول قائل لا نجد آیۃ الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ قد انزھلا اللہ فالرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنی اذا احصن من الرجال ومن النساء اذا قامت البینۃ او الحبل اوالاعتراف۔ (تفسیر ابن کثیرج 3، سورۃ نور)
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی اور پھر اما بعد کہہ کر فرمایا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدﷺ کو حق دے کر بھیجا تھا اور اس پر کتاب بھی نازل فرمائی اور من جملہ ان میں سے رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے وہ آیت پڑھی اور اس کو محفوظ کیا اور اللہ کے رسولﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی (محصن زانیوں کو) رجم کیا۔ اب مجھ کو اندیشہ ہے کہ جب لوگوں پر ایک طویل زمانہ گزر جائے گا تو ایسا نہ ہو کہ کوئی یہ کہنا شروع کر دے کہ رجم کی آیت چونکہ قرآن کریم میں نہیں ہے، ہم اسے نہیں مانتے۔ وہ ایک فرض کو چھوڑ دینے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو رجم (کا حکم) اللہ کی کتاب میں حق ہے ان شادی شدہ مرد و عورت کے لیے جو زنا کا ارتکاب کریں اور ان کا جرم شرعی شہادت، حمل یا اپنے اقرار و اعتراف سے ثابت ہو جائے۔
تو یہ سب کچھ تواتر بالعمل سے ثابت ہیں۔ جیسے قرآن کریم اور نماز کی ہیئت کذائیہ۔ یہ قرآن کریم میں تو نہیں ہے، لیکن تواتر بالعمل سے ثابت ہے۔ حدیث بھی کوئی ایسی متواتر نہیں ہے جو کہ لفظا ہیت کذائیہ کو نقل کر دے، اگر ہے بھی تو خبر واحد ہے، لہذا جو روایتیں متواتر ہیں وہ لفظاً نہیں بلکہ معنی و مفہوماً ہیں۔
آج اگر مسلمانوں سے رجم کی کیفیت کے متعلق بات کی جائے تو کہیں گے کہ پتھروں سے مارنا تو پہلے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ اب پتھروں کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔
رجم میں پتھروں کی جگہ گولیوں کی بوچھار:
بعض علماء کی مجلس میں یہ بات ہوئی کہ فی زمانہ رجم کیسے کرنا چاہیے؟ یہ بحث آئی کہ اگر پتھروں کی جگہ گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جائے تو یہ رجم ہو گا یا نہیں؟ میں نے اس بات کی مخالفت کی اور کہا کہ پتھر ہی مارنے چاہیں اور دلیل یہ دی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ رجم حدود میں سے ہے اور حدود کے لیے قانون یہ ہے کہ الحدود تندری بالشبہات۔ یعنی ثبوت جرم میں شبہ ہو جانے کی وجہ سے حدود ختم ہو جاتے ہیں اور ان کا حکم لاگو نہیں ہوتا۔ لہذا اگر کوئی زنا کا اعتراف کر لے اور اس کو سنگسار کرنا شروع کر دیا جائے اور وہ شخص اپنے اعتراف و اقرار سے پھر جائے تو پھر اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور مزید سزا نہ دی جائے گی۔ جیسے ماعز بن مالک اسلمی بھاگ گئے تھے، ایک شخص نے اونٹ کی ہڈی اٹھائی اور مار دی تو آپﷺ نے فرمایا کہ جب بھاگ گیا تو اس کا بھاگنا رجوع کے حکم میں ہے۔ اسی طرح جس کے خلاف چار گواہ ہوں تو ان کے سامنے رجم کیا جائے تاکہ گواہ اس سختی کو دیکھ کر، خدا نہ خواستہ اگر انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہو تو نرم پڑ جائیں۔ البتہ شہادت سے رجوع کے بعد ان پر حد قذف اسی (80) کوڑے لگائے جائیں گے اور گولیوں کی بوچھاڑ کے بعد مندرجہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت ممکن نہیں۔ نہ گواہ کے لیے اور نہ مقر کے لیے، لہذا اس صورت میں گولیوں کی بوچھاڑ کی سزا قطعاً درست نہیں ہے۔ آج سعودی عرب والے پتھر نہیں مارتے، وہ چھرے مارتے ہیں، اس میں پھر بھی تھوڑی سی گنجائش ہے، لیکن گولی والی صورت تو بالکل جائز نہیں ہے۔
اَم تُرِیدُونَ اَن تَسئَلُوا رَسُولَکُم الخ۔
بعض دفعہ دیہاتی لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور سوالات کرتے تھے۔ صحابہ کرام اس پر بہت خوش ہوتے تھے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم اس بات سے بہت خوش ہوتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے، آپ سے سوالات کرے اور ہم سنیں۔ تاکہ ہمیں فائدہ ہو
(العاقل من اھل البادیۃ کان یعجبنا ان یاتی رسول اللہﷺ وسئلہ فنسمعہ)
9 ھ میں ضمام ابن ثعلبہ اسلام لانے سے قبل حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ آداب کا خیال بھی نہ رکھتے تھے۔ آتے ہی سوال کیا کہ: ایکم محمدﷺ یعنی تم میں محمدﷺ کون ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ ھذا الرجل الابیض المتکاء یعنی یہ گندم گوں و سفید رنگ شخص جو تکیہ لگائے تشریف فرما ہیں۔ تو ضمام ابن ثعلبہ نے کہا کہ انی سائل مشدد فی المسئلۃ فلا تجد علی فی نفسک فقال اسئل، یعنی میں سوال پوچھنے میں خوب سختی کروں گا آپ محسوس نہ فرمائیے۔ آپ نے فرمایا پوچھ لو جو پوچھنا چاہتے ہو۔ انہوں نے پہلا سوال یہ کیا کہ اللہ کی قسم کھا کر فرمائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے متعلق سوال کیا۔ اسی طرح زکوٰۃ، حج، روزہ وغیرہ تقریباً تیرہ سوالات کیے جن سے ہمیں بہت فائدہ ہوا، لیکن بیوقوف کے سوال کرنے سے الجھن پیدا ہوتی ہے۔
لَو یَرُدُّونَکُم مِّنْ بَعدِ اِیمَانِکُم کُفَّارًا۔
قانون یہ ہے کہ من بدل دینہ فاقتلوہ، ارتداد بہت بڑا جرم اور بہت بڑی بغاوت ہے۔ خسران الدنیا والاخرۃ ہے۔ لہٰذا قتل کا حکم دلیل ہے انتقام کی۔
لیکن آگے فرمایا کہ فَاعفُوا وَاصفَحُوا الخ، یعنی معاف کرتے رہنا اور درگزر کرتے رہنا۔ چنانچہ حضور ﷺ اور صحابہ اس پر عمل پیرا رہے۔ لیکن جب یہود نے بدعہدی کی اور نقض عہد کے مرتکب ہوئے تو غزوہ خندق کے بعد ان سے قتال کیا گیا۔ ان کے ساتھ معاملے کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔
وَاَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ الخ۔
یہ حقوق اللہ ہیں، یہ جہاد اکبر ہے اور جب ان لوگوں سے انتقام و قتال کا وقت آئے گا تو قتال بھی ہو گا، لیکن یہ جہاد اصغر ہے۔ چنانچہ غزوہ خندق سے واپسی پر فرمایا گیا تھا:
رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر۔
ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔
جہاد اکبر و اصغر پر شبہ اور اس کا جواب:
آج کل ہمارے نوجوان اس بات میں شبہ کرتے ہیں کہ دیگر اعمال کے مقابلہ میں جان کی بازی لگانا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کو قربان کرنا کتنی بڑی قربانی ہے، لیکن پھر بھی اس کو جہاد اصغر کہا گیا، آخر کیوں؟ یہ عجیب سی بات ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نفس کے تقاجوں کو علی الدوام کنٹرول کرنا یہ بہت مشکل کام ہے۔ کوئی شخص اس کو پابندی سے سرانجام نہیں دے سکتا، لیکن جہاد میں کود جانا آسان ہے۔ بسا اوقات انسان جذبات میں آ کر قتل ناحق کا مرتکب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول کا ارشاد ہے القاتل و المقتول کلاهما فی النار یعنی مارنے والا اور مارا جانے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔ جان دینا آسان ہے، لیکن ہمہ وقت نفس پر کنٹرول کرنا بڑا مشکل ہے۔ آپ لوگوں نے دیکھا نہیں کہ معمولی پریشانی کی وجہ سے لوگ خود کشی کر لیتے ہیں۔ بچہ امتحان میں فیل ہوا تو طعنہ کے خوف سے خود کشی کر لی۔ یہ بچہ در اصل اپنے نفس پر کنٹرول نہ کر سکا، لیکن یہ اپنی جان دینے کو تیار ہو گیا، لوگ اس گھٹن کو جان دینے پر فوقیت دیتے ہیں۔ مشکلات پر مسلسل قابو رکھنا ضبط نفس ہے، کئی دفعہ آدمی صرف بھوک سے عاجز آ کر بیوی بچوں کو قتل کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ جان دینا آسان ہے، بہت سے لوگ روزے صرف اس لیے نہیں رکھتے کہ ان میں برداشت نہیں ہے۔ مسلسل مشکلات کو اپنانا یہ جہاد اکبر ہے۔ اسی لیے یہ فرمایا کہ جہاد اکبر تو سر کر لو جہاد اصغر پھر کر لینا۔
اِلَّا مَن کَانَ هُودًا اَو نَصٰرٰی۔
اس کے معنی یہ ہیں کہ یہود کہتے ہیں کہ لا یدخل الجنۃ الا الیهود اور نصاریٰ کے نزیک الا النصاری ہے یعنی یہ جنت میں اکٹھے نہیں ہونا چاہتے۔ وهُوَ مُحسِنٌ یہ منافق کے مقابلہ میں ہے۔ محسن وہ ہے جو کار خیر اور احکام و اعمال کو خوبصورتی سے کرتا ہے۔ اس کے برعکس منافق کے عمل میں حسن نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی خرابی ہوتی ہے۔ اس کی ناز میں کسلمندی ہوتی ہے۔ مومن کی نماز میں سپردگی ہوتی ہے، مومن کے ہر فعل میں حسن ہوتا ہے، وہ احکام خداوندی کو پوری خوبصورتی سے بجا لاتا ہے جبکہ منافق احکام خداوندی کو نالائقی اور دل میں نفرت سے ادا کرتا ہے۔ اس کے عمل میں خوبصورتی نہیں ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مومن کو محسن کہا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مومن کی شخصیت منافق کے مقابلے میں بالکل متضاد صفات کی حامل ہوتی ہے۔

رکوع ۱۴

113۔ وَ قَالَتِ الیَہودُ لَیسَتِ النَّصَارَی عَلَی شَیءٍ وَ قَالَتِ النَّصَارَی لَیسَتِ الیَہودُ عَلَی شَیءٍ وَ ہم یَتلُونَ الکِتَابَ کَذَلِکَ قَالَ الَّذِینَ لَا یَعلَمُونَ مِثلَ قَولِہِم فَاللَّہ یَحکُمُ بَینَہم یَومَ القِیَامَۃِ فِیمَا کَانُوا فِیہِ یَختَلِفُونَ
114۔ وَ مَن أَظلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّہ أَن یُذکَرَ فِیہا اسمُہ وَسَعَی فِی خَرَابِہا أُولَـئِکَ مَا کَانَ لَہم أَن یَدخُلُوہا إِلَّا خَایفِینَ لَہم فِی الدُّنیَا خِزیٌ وَ لَہم فِی الآخِرَۃ عَذَابٌ عَظِیمٌ
115۔ وَ لِلَّہ المَشرِقُ وَ المَغرِبُ فَأَینَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجہ اللَّہ إِنَّ اللَّہ وَاسِعٌ عَلِیمٌ

116- وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہ وَلَدًا سُبحَانَہ بَل لَّہ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَ الأَرضِ کُلٌّ لَّہ قَانِتُونَ
117- بَدِیعُ السَّمَاوَاتِ وَ الأَرضِ وَ إِذَا قَضَی أَمرًا فَإِنَّمَا یَقُولُ لَہ کُن فَیَکُونُ
118- وَ قَالَ الَّذِینَ لَا یَعلَمُونَ لَولَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہ أَو تَأتِینَا آیَۃ کَذَلِکَ قَالَ الَّذِینَ مِن قَبلِہِم مِّثلَ قَولِہِم تَشَابَہت قُلُوبُہم قَد بَیَّنَّا الآیَاتِ لِقَومٍ یُوقِنُونَ
119- إِنَّا أَرسَلنَاکَ بِالحَقِّ بَشِیرًا وَ نَذِیرًا وَ لَا تُسأَلُ عَن أَصحَابِ الجَحِیمِ
120- وَ لَن تَرضَی عَنکَ الیَہودُ وَ لَا النَّصَارَی حَتَّی تَتَّبِعَ مِلَّتَہم قُل إِنَّ ہدَی اللّٰہ ہوَ الہدَی وَ لَئِنِ اتَّبَعتَ أَہوَاءَہم بَعدَ الَّذِی جَاءَکَ مِنَ العِلمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہ مِن وَلِیٍّ وَ لَا نَصِیرٍ
121- الَّذِینَ آتَینَاہمُ الکِتَابَ یَتلُونَہ حَقَّ تِلَاوَتِہ أُولَئِکَ یُؤمِنُونَ بِہ وَ مَن یَکفُر بِہ فَأُولَئِکَ ہمُ الخَاسِرُونَ

ترجمہ:

۱۱۳. اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ ٹھیک راہ پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی را ہے حق پر نہیں ہیں حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو بے علم ہیں پھر اللہ قیامت کے دن ان باتوں کا کہ جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں خود فیصلہ کرے گا۔
۱۱۴. اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جس نے اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے کی ممانعت کر دی اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کی ایسے لوگوں کا حق نہیں ہے کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔
۱۱۵. اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے سو تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے بے شک اللہ وسعت ولا جاننے والا ہے۔
۱۱۶. اور کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔
۱۱۷. آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جب کوئی چیز کرنا چاہتا ہے تو صرف یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے۔
۱۱۸. اور بے علم کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا یا ہمارے اس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ان سے پہلے لوگ بھی ایسی ہی باتیں کہہ چکے ہیں ان کے دل ایک جیسے ہیں یقین کرنے والوں کے لیے تو ہم نشانیاں بیان کر چکے ہیں۔
۱۱۹. بے شک ہم نے تمہیں سچائ کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے کے لیے اور ڈرانے کے لیے اور تم سے دوزخیوں کے متعلق باز پرس نہ ہو گی۔
۱۲۰. اور تم سے یہود اور نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے دین کی پیروی نہیں کرو گے کہہ دو بے شک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے اور اگر تم نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی اس کے بعد جو تمہارے پاس علم آ چکا تو تمہارے لیے اللہ کے ہاں کوئی دوست اور مددگار نہیں ہو گا۔
۱۲۱. وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں جو ر اس سے انکار کرتے ہیں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

افادات محمود

وَقَالَتِ الیَہُودُ لَیسَتِ النَّصٰرٰی الخ۔
حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتے تو فرماتے واللہ صدقا کہ دونوں نے سچ کہا ہے۔ یہ نصاریٰ ایک فرقہ ہے نصاریٰ عیسیٰ انجیل کے احکام کو اپناتے اور نصاریٰ موسیٰ تورات کے احکام کو اپناتے تھے۔
وجہ تسمیہ یہود و نصاریٰ:
یہودی کو یہودی کیوں کہتے ہیں۔ ہاد، یہود، اجوف واوی ہے، مثل:
قال یقول بمعنی تاب یتوب۔ ای رجع انا ھدنا الیک ای تبنا الیک بمعنی تاب یتوب۔
یعنی ہاد، یہود رجوع کرنے کے معنی میں ہے، نصاریٰ جمع ہے نصران کی بروزن فعلان پر فعالاء جمع فعلان ہے۔ والنصران، الناصر واحد۔
سورۃ صف میں آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصاری اللہ۔

اس لیے مشہور نصاریٰ ہیں اور انصار جمع ناصر ہے، یہ عجیب لوگ ہیں، یہود کہتے ہیں۔
لَیسَتِ النَّصٰرٰی عَلیٰ شَیءٍ۔
جبکہ کتاب ان کے پاس ہے تو حد دشمنی میں نہ بڑھ جاؤ کہ ہر اچھی بات کا انکار کرو۔ باوجودیکہ وہ کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہود اسم ہے۔
یہود کی قباحت ثانیہ:
وَمَن اَظلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ الخ۔
یہاں یہود کی دوسری قباحت کا ذکر ہے کہ یہ لوگ مساجد اللہ کی تخریب بھی کرتے ہیں اور ان میں اللہ کا نام لینے کو منع بھی کرتے ہیں تو یہ اظلم ہیں۔ ان کو اظلم اس وجہ سے کہا گیا کہ ان کو جرم اعلی درجہ کا تھا۔ ایک ہے کسی کے گھر کو غصب کر لینا۔ یہ غصب عین ہے اور ایک ہے کسی کے گھر پر قبضہ کر کے منافع غصب کر لیے، اگرچہ ملکیت کا غصب نہیں کیا ہے، یہ لوگ نصاریٰ اور یہود اہل کتاب کہلاتے تھے اور کہتے تھے کہ نماز صرف بیت المقدس میں ہوتی ہے۔ دوسری مساجد میں نماز نہیں ہے۔ یہ اصل میں نسخ قبلہ کے مخالف تھے۔ حضور ﷺ نے مدینہ میں جا کر 17، 16 مہینہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی اور پھر آپ کی خواہش کے مطابق قبلہ بدل دیا گیا اور پھر قبلہ شمال سے جنوب کی طرف ہو گیا کہ مدینے سے مکہ جانب جنوب ہے۔ انہوں نے کہا کہ نماز تو صرف بیت المقدس میں ہوتی ہے۔ انہوں نے بہت شور مچایا اور بڑے جزبز ہوئے۔ کیونکہ ان کی ریاست خراب ہونے لگی تھی۔ یہ باطنی تخریب کاری تھی۔
انما یعمر مسجدا اللہ من امن باللہ والیوم الاخر الخ۔
یہ عمارت مسجد ہے تو اس میں عبادت نہ کرنا تخریب مسجد ہے اور اس آیت میں تخریب مساجد اور مسجدوں کو ویران کرنے کو سب سے بڑا ظلم کہا گیا جبکہ سورۃ لقمان میں ہے کہ حضرت لقمان نے جب بیٹے کو نصیحت فرمائی تو فرمایا کہ ان الشرک لظلم عظیم یعنی شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے تو اصل میں الگ الگ حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک حیثیت سے شرک بڑا ظلم ہے کیونکہ بہت بڑی بغاوت ہے اور نسخ قبلہ کا انکار قول اور فعل سے یہ شعائر اللہ کی توہین ہے۔ اس حیثیت سے یہ بھی کفر اور بڑا ظلم ہے۔
مِمَّن مَّنَعَ مفرد ہے اور اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لھُم تمام صیغے جمع کے ہیں۔ یہ لفظ من موصولہ ہے تو باعتبار من کے جمع ہے اور لفظا مفرد ہے۔ حدیث میں ہے:
احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا۔ (الترغیب والترہیب)
اللہ تعالیٰ کے ہاں شہروں میں سے بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں۔
خدا کو بیٹے کی کیوں ضرورت نہیں؟
وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا الخ اور آگے کہا بَل لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ۔ یعنی جب بیٹا مملوک نہیں ہوتا تو جو خدا تمام مخلوق کا مالک ہے، اس کو بیٹا بنانے کی کیا ضرورت ہے، اس کے لیے وارث کی ضرورت نہیں، جبکہ وہ ابدی ذات ہے، اسے بیٹے کی کیا ضرورت۔ اسے نہ مددگار درکار ہے نہ وارث نہ قائم مقام۔
قٰنِتُونَ۔ قنوت کا لفظ قرآن میں ہر جگہ عبادت کے معنی میں ہے۔
کُن فَیَکُونُ۔ جب چیز موجود نہیں تو خطاب کس کو ہے؟
اللہ اور بندے کے خطاب میں فرق ہے، اللہ تعالیٰ نے پتھروں، پہاڑوں وغیرہ سے بھی خطاب فرمایا ہے۔ پھر اللہ کے لیے عدم اور وجود کا فرق بھی کیا حقیقت رکھتا ہے۔
لَولَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ الخ۔
یہ بات مشرکین نے کہی تھی، لیکن اس کو یہود نے موسیٰؑ سے کہا تھا۔
بَشِیرًا وَّنَذِیرًا۔ بشیر لمن آمن ہے اور نذیر لمن کفر ہے۔ یعنی ایمان والوں کے لیے بشارت دینے والے اور کفار کو ڈرانے والے۔
اِنَّآ اَرسَلنٰکَ الخ بشیر لمن آمن بہ ونذیر لمن کفر بہ۔
وَلَن تَرضٰی عَنکَ الیَہُودُ الخ۔
یعنی امت یہود قبلہ کے بنیادی مسئلہ کو لے کر بہکی تھی، لوگوں کو بہکانے کے لیے یہود نے قبلے کا مسئلہ خوب خوب اچھالا۔ گویا ان کا مسلمانوں سے بس یہی اختلاف تھا، گمراہ لوگ دوسروں کو بہکانے کے لیے ایسے ہی مسائل اچھالا کرتے ہیں۔
حالانکہ انہیں جاننا چاہیے کہ اصل تو اللہ کا حکم ہے۔ اسے کسی سمت کا پابند نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ سمتیں تو اس کی ملک ہیں، اس لیے یہ بحث ہی بیکار تھی، بس بہکانے کو یہ مسئلہ اچھالا گیا۔ بعض لوگ آج کل کوؤں کے مسئلوں سے عوام کو بہکاتے ہیں۔ کیا اسی مسئلے پر نجات کا مدار ہے؟ یہ ان سے بھی زیادہ اجہل ہیں۔
بیت المقدس کی تعمیر سلیمانؑ نے کی اور بیت اللہ کی تعمیر ابراہیمؑ نے کی ہے۔

رکوع ۱۵

122- يَا بَنِي إِسرَايِيلَ اذكُرُوا نِعمَتِيَ الَّتِي أَنعَمتُ عَلَيكُم وَ أَنِّي فَضَّلتُكُم عَلَى العَالَمِينَ
123- وَ اتَّقُوا يَومًا لَّا تَجزِي نَفسٌ عَن نَّفسٍ شَيئًا وَ لَا يُقبَلُ مِنهَا عَدلٌ وَ لَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَ لَا هُم يُنصَرُونَ
124- وَ إِذِ ابتَلَى إِبرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَ مِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهدِي الظَّالِمِينَ
125- وَ إِذ جَعَلنَا البَيتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ أَمنًا وَ اتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبرَاهِيمَ مُصَلًّى وَ عَهِدنَا إِلَى إِبرَاهِيمَ وَ إِسمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيتِيَ لِلطَّايِفِينَ وَ العَاكِفِينَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُودِ
126- وَ إِذ قَالَ إِبرَاهِيمُ رَبِّ اجعَل هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَ ارزُق أَهلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَن آمَنَ مِنهُم بِاللَّهِ وَ اليَومِ الآخِرِ قَالَ وَ مَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَ بِيسَ المَصِيرُ
127- وَ إِذ يَرفَعُ إِبرَاهِيمُ القَوَاعِدَ مِنَ البَيتِ وَ إِسمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّل مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ العَلِيمُ
128- رَبَّنَا وَ اجعَلنَا مُسلِمَينِ لَكَ وَ مِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسلِمَةً لَّكَ وَ أَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُب عَلَينَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ
129- رَبَّنَا وَ ابعَث فِيهِم رَسُولًا مِّنهُم يَتلُو عَلَيهِم آيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الكِتَابَ وَ الحِكمَةَ وَ يُزَكِّيهِم إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ

ترجمہ:

۱۲۲. اے بنی اسرائیل میرے احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور بے شک میں نے تمہیں سارے جہاں پر بزرگی دی تھی۔
۱۲۳. اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی بھی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی اور نہ وہ مدد دیے جائیں گے۔
۱۲۴. اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دیا فرمایا بے شک میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنا دوں گا کہا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔
۱۲۵. اور جب ہم نے کعبہ لوگوں کے لیے عبادت گاہ اور امن کی جگہ بنایا (اور فرمایا) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔
۱۲۶. اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اسے امن کا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو کوئی ان میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے فرمایا اور جو کافر ہو گا سو اسے بھی تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب میں دھکیل دوں گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔
۱۲۷. اور جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اے ہمارے رب ہم سے قبول کر بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔
۱۲۸. اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہمیں ہمارے حج کے طریقے بتا دے اور ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔
۱۲۹. اے ہمارے رب اور ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھیں اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

افادات محمود

يٰبَنِىٓ اِسرَاءِيلَ اذكُرُوا نِعمَتِيَ الَّتِىٓ الخ۔
اس رکوع میں تذکیر بآلاء اللہ بھی ہے اور دوسری آیت میں تذکیر بما بعد الموت ہے۔ پھر قبلہ کی تحویل کے بارے میں آیات نازل ہوئیں اور یہ واضح کیا گیا کہ یہود کے مسلم الثبوت عقیدہ کے مطابق مسلمان کا قبلہ کعبہ ہی ہونا چاہیے۔

وَّ لَا یُقبَلُ مِنہَا عَدلٌ۔
مراد یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں کہ کچھ مال وغیرہ جمع کر کے جان بچائی جا سکے۔
امتحانات ابراہیم:
وَاِذِ ابتَلٰی اِبرٰہٖمَ رَبُّہٗ الخ۔
(1) ایک امتحان یہ ہوا کہ توحید کے اعلان کی پاداش میں آگ میں پھینکا گیا تو وہ کامیاب رہے، بلکہ غیر اللہ سے آگ کے متعلق مدد بھی نہیں مانگی۔
(2) انہوں نے اپنے وطن یعنی پورے شام فلسطین بیت المقدس سب دیار کو چھوڑا اور اللہ کے حکم سے اعزہ و اقرباء کو چھوڑ کر ہجرت کی اور وادی مکہ میں چلے گئے۔ بے آب و گیاہ علاقے میں گئے، اپنی بیوی ہاجرہ اور شیر خوار اسماعیل کو پہاڑ کی وادی میں اس جگہ چھوڑ آئے جہاں پانی تک نہ تھا۔ کو دین کے پہچانے کے لیے چلے گئے۔ حضرت ہاجرہ نے پوچھا ایسا کیوں ہو رہا ہے تو کہا کہ بحکم اللہ، تو فرمایا کہ جاؤ۔ بیوی بھی کمال کی تھیں اور یہ حضور ﷺ کی بھی دادی تھیں۔
(3) حضرت ابراہیم نے خواب دیکھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رویا الانبیاء وحی ہیں۔ آپ نے یہ رویا اپنے بیٹے کو سنایا تو بیٹے نے کہا یا ابت افعل ما تومر الخ، پھر اس امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔ فاتمھن یعنی سب میں کامیاب رہے۔
لَا یَنَالُ عَہدِی الظّٰلِمِینَ۔
کہ یہاں نبی کی ایسی اولاد کو بھی عہد کا فائدہ نہیں ملے گا، اگر وہ ظالم ہو گی۔
امامت اور نبوت میں فرق:
قَالَ اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا الخ۔
امتحان میں کامیابی کے بعد ان کے اوصاف کا ذکر ہے۔
اماما اب یہاں امامت و نبوت الگ چیزیں ہیں۔ پہلے ایک نعمت آئی پھر دوسری ملی، نبوت کے بعد اللہ کے انعامات ہوتے رہتے ہیں جو نبوت سے بڑے نہیں ہوتے، لیکن متعدد نعمتیں ہوتی ہیں، یہ نعمتیں نبوت کے مساوی نہیں ہوتیں، امامت لوازم نبوت میں سے نہیں ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک امامت کا الگ عقیدہ ہے۔ (شاہ ولی اللہ کے نزدیک روافض کے فساد کی جڑ عقیدہ امامت ہے) المعصوم یوحی الیہ وتنزل الیہ الملائکۃ (وہ معصوم ہوتا ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے اور اس کی طرف فرشتے آتے ہیں) لیکن امام کو معصوم کہنا غلط ہے۔ اس لیے انہوں نے بارہ امام مان کر انہیں نبوت دی ہے، لیکن ختم نبوت کے انکار سے ڈرتے ہوئے لفظ امام بڑھا دیا۔ کیونکہ لفظ امامت تعریف نبوت پر صادق آتی ہے۔ البتہ یہ مرزائیوں سے کم بیوقوف تھے۔
امامت شیعہ یہاں مراد نہیں ہے بلکہ اس سے قیادت و سیادت مراد ہے، شیعہ کے ہاں امام ایک خاص مفہوم رکھتا ہے اور یہ ان کا خود تراشیدہ مفہوم اور عقیدہ ہے۔ لہٰذا جب ابراہیمؑ کو امامت ملی تو مرکز کے قیام کا بیان فرمایا۔ ہمیشہ مرکز ہر ایک میں مسلم ہوتا ہے مشابہ مرکز کے معنی میں ہے۔
وَاِذ جَعَلنَا البَیتَ الخ۔
مقام ابراہیم:
کعبہ مکرمہ سے مشرق کی طرف مطاف کے کنارے پر وہ پتھر رکھا ہوا ہے جس میں نشان پائے ابراہیم ہے۔ پہلے اس کے مٹانے کا پروگرام بنایا گیا، لیکن پھر ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا۔ پھر وہاں جالی لگی تھی تو اس میں ہمارے پاکستانی رقعے پھینکتے تھے، اب وہاں شیشے کا خول بنا دیا گیا ہے۔
لِلطَّآئِفِینَ وَالعٰکِفِینَ۔
وہاں تو صرف بیٹھنا ہی عبادت ہے، اس کے جلال کو دیکھو، جتنا دیکھتے جاؤ اتنا ہی مزہ زیادہ آئے گا۔ روح کو لذت نصیب ہو گی۔
کعبہ سے نسب قائم ہونے میں تاخیر ہوتی ہے بنسبت مدینہ سے نسبت قائم ہونے میں:
کعبہ میں نسبت مشکل سے قائم ہوتی ہے اور مدینہ میں بہت جلد نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہاں نسبت الی الانسان ہے اور مکہ میں نسبت الانسان الی اللہ ہے۔ وہاں تو وقت لگتا ہے، مجھے ایک دوست نے کہا کہ میں مکہ میں کافی دن رہا۔ مطاف کے پتھروں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں، پھر اس کے بعد شعاعیں بند ہو گئیں، کیا پتھر بدل گئے۔ میں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ مکہ سے کافی زمانہ میں نسبت قائم ہوئی تھی۔ اب ایسی نسبت قائم کرنے میں کافی وقت لگے گا۔
بنی اسرائیل کے دادا ابراہیمؑ تو تھے، لیکن حضور ﷺ کے دادا اسماعیل و ابراہیم دونوں تھے، یہ آیات دلیل ہیں کہ یہود کے اصول کے مطابق بھی یہی قبلہ ہونا چاہیے۔ اگر حضرت ابراہیم کا دادا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہود کی پیروی کی جائے۔ اگر ابراہیم ان کے دادا تھے تو وہ حضور کے بھی دادا تھے، پھر ان کی بات بھی ماننی اور سننی چاہیے۔

هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا اس لیے کہ یہاں مختلف قسم کے لوگ آئیں گے تو جھگڑا اور فساد کا خطرہ ہو گا۔ اس لیے امان طلب کی۔
رَبَّنَا وَابعَث فِیہِم الخ۔
ان تمام دعاؤں کے ذکر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ان تمام دعاؤں کی قبولیت کی وجہ یہ ہے کہ عند اللہ یہی قبلہ ہے۔

رکوع۱۶

130- وَ مَن یَرغَبُ عَن مِّلَّۃِ اِبرَاہِیمَ اِلَّا مَن سَفِہَ نَفسَہٗ وَ لَقَدِ اصطَفَینٰہُ فِی الدُّنیَا وَ اِنَّہٗ فِی الاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِینَ
131- اِذ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسلِم قَالَ اَسلَمتُ لِرَبِّ العٰلَمِینَ
132- وَ وَصّٰی بِہَا اِبرٰہٖمُ بَنِیہِ وَ یَعقُوبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصطَفٰی لَکُمُ الدِّینَ فَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَ اَنتُم مُّسلِمُونَ
133- اَم کُنتُم شُہَدَآءَ اِذ حَضَرَ یَعقُوبَ المَوتُ اِذ قَالَ لِبَنِیہِ مَا تَعبُدُونَ مِن بَعدِی قَالُوا نَعبُدُ اِلٰہَکَ وَ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبرٰہٖمَ وَ اِسمٰعِیلَ وَ اِسحٰقَ
اِلٰہًا وَّاحِدًا وَ نَحنُ لَہٗ مُسلِمُونَ
134- تِلکَ اُمَّۃٌ قَد خَلَت لَہَا مَا کَسَبَت وَ لَکُم مَّا کَسَبتُم وَ لَا تُسئَلُونَ عَمَّا کَانُوا یَعمَلُونَ
135- وَ قَالُوا کُونُوا ہُودًا اَو نَصٰرٰی تَہتَدُوا قُل بَل مِلَّۃَ اِبرٰہٖمَ حَنِیفًا وَ مَا کَانَ مِنَ المُشرِکِینَ
136- قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَا اُنزِلَ اِلَینَا وَ مَا اُنزِلَ اِلٰی اِبرٰہٖمَ وَ اِسمٰعِیلَ وَ اِسحٰقَ وَ یَعقُوبَ وَ الاَسبَاطِ وَ مَا اُوتِیَ مُوسٰی وَ عِیسٰی وَ مَا
اُوتِیَ النَّبِیُّونَ مِن رَّبِّہِم لَا نُفَرِّقُ بَینَ اَحَدٍ مِّنہُم وَ نَحنُ لَہٗ مُسلِمُونَ
137- فَاِن اٰمَنُوا بِمِثلِ مَا اٰمَنتُم بِہٖ فَقَدِ اہتَدَوا وَّ اِن تَوَلَّوا فَاِنَّمَا ہُم فِی شِقَاقٍ فَسَیَکفِیکَہُمُ اللّٰہُ وَ ہُوَ السَّمِیعُ العَلِیمُ
138- صِبغَۃَ اللّٰہِ وَ مَن اَحسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبغَۃً وَ نَحنُ لَہٗ عٰبِدُونَ
139- قُل اَتُحَآجُّونَنَا فِی اللّٰہِ وَ ہُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّکُم وَ لَنَا اَعمَالُنَا وَ لَکُم اَعمَالُکُم وَ نَحنُ لَہٗ مُخلِصُونَ
140- اَم تَقُولُونَ اِنَّ اِبرٰہٖمَ وَ اِسمٰعِیلَ وَ اِسحٰقَ وَ یَعقُوبَ وَ الاَسبَاطَ کَانُوا ہُودًا اَو نَصٰرٰی قُل ءَاَنتُم اَعلَمُ اَمِ اللّٰہُ وَ مَن اَظلَمُ مِمَّن کَتَمَ
شَہَادَۃً عِندَہٗ مِنَ اللّٰہِ وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعمَلُونَ
141- تِلکَ اُمَّۃٌ قَد خَلَت لَہَا مَا کَسَبَت وَ لَکُم مَّا کَسَبتُم وَ لَا تُسئَلُونَ عَمَّا کَانُوا یَعمَلُونَ

ترجمہ:

۱۳۰. اور کون ہے جو ملت ابراہیمی سے روگردانی کرے سوائے اس کے جو خود ہی احمق ہو اور ہم نے تو اسے دنیا میں بھی بزرگی دی تھی اور بے شک وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہو گا۔
۱۳۱. جب اسے اس کے رب نے کہا فرمانبردار ہو جا تو کہا میں جہانوں کا پروردگار کا فرمانبردار ہوں۔
۱۳۲. اور اسی بات کی ابراہیم اور یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اے میرے بیٹو بے شک اللہ نے تمہارے لیے یہ دین چن لیا سو تم ہر گز نہ مرنا مگر درآنحالیکہ تم مسلمان ہو۔
۱۳۳. کیا تم حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی تب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انہوں نے کہا ہم آپ کے اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔
۱۳۴. یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لیے ان کے اعمال میں اور تمہارے لیے اور تمہارے اعمال ہیں اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔
۱۳۵. اور کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تاکہ ہدایت پاؤ کہہ دو بلکہ ہم تو ملت ابراہیمی پر رہیں گے جو موحد تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔
۱۳۶. کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم کسی ایک میں ان میں سے فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔
۱۳۷. پس اگر وہ بھی ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پا گئے اور اگر وہ نہ مانیں تو وہی ضد میں پڑے ہوئے ہیں سو تمہیں ان سے اللہ کافی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

۱۳۸.	الله کا رنگ الله کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہے اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔
۱۳۹.	کہہ دو کیا تم ہم سے الله کی نسبت جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہاری لئے تمہارے عمل اور ہم تو خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں۔
۱۴۰.	یا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا الله اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو گواہی چھپائے جو اس کے پاس الله کی طرف سے ہے اور الله بے خبر نہیں اس سے جو تم کرتے ہو۔
۱۴۱.	وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لیے ان کے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں اور تم سے ان کے اعمال کی نسبت نہیں پوچھا جائے گا۔

افاداتِ محمود

وَمَن یَّرغَبُ عَن مِّلَّۃِ اِبرٰھِمَ یہاں سے یہود کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ یہ تمہارے مسلم بزرگوں کا مانا ہوا دین ہے۔ یعنی الله تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم سے فرمایا کہ میری اطاعت اختیار کرو تو حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میں نے رب العالمین کی اطاعت اختیار کی۔ پھر اسی بات کی وصیت اپنے بیٹوں کو بھی فرمائی کہ اے بیٹو! الله تعالیٰ نے اس دین کو تمہارے لیے منتخب کر دیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک اس پر قائم رہنا۔ پھر یہی وصیت حضرت یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو فرمائی۔
الحکمۃ علم و حکمت الگ الگ ہیں۔ بہت سے علماء اس سے عاری ہوتے ہیں۔
وَقَالُوا کُونُوا ھُودًا اَو نَصٰرٰی یہاں سے ایک اور قباحت کا ذکر ہے کہ وہ غلط پروپیگنڈا کرتے ہیں۔
قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ الخ، یہاں سے یہود کو یہ تنبیہ کی گئی کہ ہم جب تمہارے مسلمہ بزرگوں کو مانتے ہیں ان کا احترام کرتے ہیں تو تم کیوں ہمارے شعائر اور بزرگوں کی مخالفت، بے حرمتی اور توہین کرتے ہو۔ اگر تم واقعی مسلمان ہونا چاہتے ہو تو ٹال مٹول، سوالات، شکوک و شبہات، شروط و قیودات سے بالاتر ہو کر سیدھے الفاظ میں ایمان بالله و بالانبیاء کلھم وبالکتب کلھا وبالاخرۃ وغیرہ پر ایمان لے آؤ۔
اب اے مسلمانو! اگر یہ لوگ (اہل کتاب) تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو تم جیسے ہو جائیں گے اور اگر تمہاری طرح ایمان نہیں لے آئے تو پھر ان کی باتوں پر کان نہ دھرنا اور اپنا کام جاری رکھو۔

رکوع ۱۷

142۔ سَیَقُولُ السُّفَہَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاہم عَن قِبلَتِہِمُ الَّتِی کَانُوا عَلَیہَا قُل لِّلّٰہِ المَشرِقُ وَ المَغرِبُ یَہدِی مَن یَشَاءُ إِلَی صِرَاطٍ مُّستَقِیمٍ
143۔ وَ کَذَلِکَ جَعَلنَاکُم أُمَّۃً وَسَطًا لِّتَکُونُوا شُہَدَاءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُونَ الرَّسُولُ عَلَیکُم شَہِیدًا وَ مَا جَعَلنَا القِبلَۃَ الَّتِی کُنتَ عَلَیہَا إِلَّا لِنَعلَمَ مَن یَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن یَنقَلِبُ عَلَی عَقِبَیہِ وَ إِن کَانَت لَکَبِیرَۃً إِلَّا عَلَی الَّذِینَ ہَدَی اللَّہُ وَ مَا کَانَ اللَّہُ لِیُضِیعَ إِیمَانَکُم إِنَّ اللَّہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِیمٌ
144۔ قَد نَرَی تَقَلُّبَ وَجہِکَ فِی السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبلَۃً تَرضَاہَا فَوَلِّ وَجہَکَ شَطرَ المَسجِدِ الحَرَامِ وَ حَیثُ مَا کُنتُم فَوَلُّوا وُجُوہَکُم شَطرَہُ وَ إِنَّ الَّذِینَ أُوتُوا الکِتَابَ لَیَعلَمُونَ أَنَّہُ الحَقُّ مِن رَّبِّہِم وَ مَا اللَّہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعمَلُونَ
145۔ وَ لَئِن أَتَیتَ الَّذِینَ أُوتُوا الکِتَابَ بِکُلِّ آیَۃٍ مَّا تَبِعُوا قِبلَتَکَ وَ مَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبلَتَہُم وَ مَا بَعضُہُم بِتَابِعٍ قِبلَۃَ بَعضٍ وَ لَئِنِ اتَّبَعتَ أَہوَاءَہُم مِّن بَعدِ مَا جَاءَکَ مِنَ العِلمِ إِنَّکَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِینَ
146۔ الَّذِینَ آتَینَاہُمُ الکِتَابَ یَعرِفُونَہُ کَمَا یَعرِفُونَ أَبنَاءَہُم وَ إِنَّ فَرِیقًا مِّنہُم لَیَکتُمُونَ الحَقَّ وَ ہُم یَعلَمُونَ
147۔ الحَقُّ مِن رَّبِّکَ فَلَا تَکُونَنَّ مِنَ المُمتَرِینَ

ترجمہ:

۱۴۲.	بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے کہہ دو مشرق اور مغرب الله ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔
۱۴۳.	اور اسی طرح ہم نے تمہیں برگزیدہ امت بنایا تاکہ تم اور لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو اور ہم نے وہ قبلہ

نہیں بنایا تھا جس پر آپ پہلے تھے مگر اس لیے کہ ہم معلوم کریں اس کو جو رسول کی پیروی کرتا ہے اس سے جو الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بے شک یہ بات بھاری ہے سوائے ان کے جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا بے شک اللہ لوگوں پر بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱۴۴. بے شک ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں پس اب اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیئے اور جہاں کہیں تم ہوا کرو اپنے مونہوں کو اسی کی طرف پھیر لیا کرو اور بے شک وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے یقیناً جانتے ہیں کہ وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو وہ کر رہے ہیں۔

۱۴۵. اور اگر آپ ان کے سامنے تمام دلیلیں لے آئیں جنہیں کتاب دی گئی تو بھی وہ آپ کے قبلے کو نہیں مانیں گے اور نہ آپ ہی ان کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور نہ ان میں کوئی دوسرے قبلہ کو ماننے والا ہے اور اگر آپ ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا تو بے شک آپ بھی تب ظالموں میں سے ہوں گے۔

۱۴۶. وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی تھی وہ اسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک کچھ لوگ ان میں سے حق کو چھپاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔

۱۴۷. آپ کے رب کی طرف سے حق وہی ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

افاداتِ محمود

سَیَقُولُ السُّفَہَاءُ اب یہاں سے تحویل قبلہ کے تحقیقی جوابات ہیں۔

تحویل قبلہ کا تفصیلی واقعہ:

بیت اللہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اول حضرت آدم کے ذریعہ تعمیر شدہ پہلا گھر ہے۔ حضرت آدمؑ کے دور سے حضرت نوحؑ کے دور تک یہی بیت اللہ نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ رہا۔ جب حضرت نوحؑ کے زمانے میں طوفان آیا اور ساری زمین غرق آب ہو گئی تو بیت اللہ کی چھت اور دیواروں کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور خالی پلاٹ پر پانی کھڑا ہو گیا۔ پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے بحکم خداوندی بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر فرمائی اور یہی بیت اللہ قبلہ رہا۔ پھر جب حضرت سلیمان نے بیت المقدس تعمیر فرمائی تو بیت المقدس ہی نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ ٹھہرا اور یہ برابر حضرت عیسیٰؑ کے دور تک قبلہ رہا۔ مکہ میں نماز پڑھنے والے بھی بیت اللہ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

جب حضور اکرمﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو بحکم خداوندی آپ نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا شروع فرما دیا۔ شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ مدینہ منورہ میں اور آس پاس قبائل یہود آباد تھے جو بیت المقدس کو قبلہ مانتے اور تسلیم کرتے تھے تاکہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ مسلمان ہمارے مذہب اور دین کے خلاف ہیں۔ یہ سلسلہ تقریباً 16، 17 ماہ جاری رہا لیکن حضور اکرمﷺ کی بھی فطری اور طبعی چاہت یہی تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ وہی قبلہ ہو جو حضرت آدم اور ابراہیم کا قبلہ تھا۔ اسی وجہ سے حضورﷺ ہر وقت انتظار میں رہتے تھے کہ کب خداوند کریم کا حکم مجھ کو پہنچے اور میں بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنا شروع کر دوں جیسا کہ قَد نَرٰی تَقَلُّبَ وَجہِکَ سے صاف ظاہر ہے۔ لہٰذا آپ کی چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی جو حکمت تھی اس واقعہ میں وہ بھی پوری ہو گئی اور حضور اکرمﷺ کی چاہت بھی ہو گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء (علیہم السلام) کی خوشنودیوں اور چاہتوں کا خیال فرماتا ہے۔

تحویل قبلہ کے حکم کے یہود پر اثرات اور مسلمانوں کو ان سے مستغنی رہنے کا حکم:

یہود باوجود اہل کتاب ہونے کے اس حکم سے جزبز ہوئے اور یہ حکم ان کو ناگوار گزرا۔ کیونکہ ان کی توجہ دنیاوی مفادات اغراض و مقاصد پر مرکوز تھی۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ دین موسیٰ اور بیت المقدس کو قبلہ ماننے سے جو حشمت، جاہ و جلال ہمیں حاصل ہو رہے ہیں کعبہ کو قبلہ ماننے کی وجہ سے وہ سب کافور ہو جائیں گے۔ لہٰذا خوب شور مچایا پروپیگنڈہ کیا اور آسمان سروں پر اٹھایا کہ اس مذہب کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اور روز اس کے احکام بدلتے رہتے ہیں۔ اس پروپیگنڈے کی شدت سے مسلمان بھی متاثر نظر آنے لگے۔ حتی کہ حضورﷺ کے دل مبارک میں بھی یہ خیال آیا کہ اگر مزید کچھ وقت تک ہم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تو اچھا ہوتا تاکہ اس پروپیگنڈہ و شور و غل سے محفوظ رہ جاتے۔

(1) اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سخت تنبیہ فرمائی اور استقامت کا حکم دیا فرمایا کہ یہ تمہارے دشمن ہیں خیر خواہ نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی باتوں میں نہ آنا اور نہ ان کی معاندانہ و حاسدانہ رائے کو استصواب رائے پر محمول کرنا۔
(2) نیز فرمایا کہ یہود الگ مذہب ہیں، تمہارے آباء و اجداد اور ہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایک معتدل مذہب اور معتدل رسول نصیب فرمایا ہے۔ تمہارے عقائد، اعمال، اخلاقیات، معاملات، تمدن اور معاشرت ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں معتدل بنایا ہے۔ لہٰذا تمہیں ان کی اتباع کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال دل سے نکال دو۔
(3) اور فرمایا کہ میں نے یہ تحویل قبلے کا حکم آپ لوگوں اور آپ لوگوں کے رسول کی خوشنودی کے لیے بھیجا ہے، کیونکہ آپ لوگ ہمیشہ اپنے رسول سے تحویل قبلہ کے لیے دعا کی درخواست کرتے تھے اور خود حضور ﷺ بھی ہر وقت اس حکم کے انتظار میں رہتے تھے اور آسمان کی طرف بار بار دیکھتے تھے۔ جیسا کہ نص قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔
(4) نیز فرمایا کہ یہود کو سخت جواب دو کہ مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ زمین کی تمام اطراف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، عبادت ہر سمت کو ہو سکتی ہے لیکن جهۃ واحدة میں چونکہ ایک خاص شان ہے اس وجہ سے خاص کر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اختیار کلی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے جس سمت کی پابندی کے لیے حکم دے دے تو بجا ہو گا اور کسی کو یہ اختیار نہیں ہے نہ ہی لب کشائی کی گنجائش ہے۔
ان آیات کے نزول کے بعد حضور ﷺ اور صحابہ کرام مطمئن ہو گئے اور یہود مدینہ کے پروپیگنڈے سے خودبخود ختم ہو گئے۔ کیونکہ تھک گئے ہار گئے لیکن حکم الٰہی کو تبدیل نہ کر سکے کیونکہ تحویل قبلہ کا حکم اٹل اور قطعی تھا۔
حکمت تحویل قبلہ:
تحویل قبلہ کی حکمت کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ بیت اللہ کو قبلہ نہیں بنایا، بلکہ یہ تمہاری پختگی کا امتحان تھا ہمیں اللہ کا حکم ماننا ہے۔ سمت چاہے کوئی بھی ہو۔
لا یضیع ایمانکم و قال البخاری ای صلوتکم یعنی جو نمازیں آپ لوگوں نے بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔
قَد نَرٰی تَقَلُّبَ تو آپ کی مرضی کے مطابق ہم لازما آپ کو پھیر دیں گے اسی قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند کریں گے۔
فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ دعوی کیا جا رہا ہے کہ تم جس طرف منہ پھیرو گے اسی سمت اللہ ہے تو پھر کعبہ کیوں خاص کر دیا۔ یہ تو تنگ نظری ہوئی؟
جواب یہ ہے کہ کیا اللہ نے حکم صلوۃ نہیں دیا۔ جب وہ دیا ہے تو فَوَلُّوا وُجُوهَكُم کا حکم بھی اسی نے دیا ہے۔ سمت قبلہ کا حکم نماز کے لیے ہے۔ عام دعا ہر حالت میں مانگی جا سکتی ہے۔ نماز میں تمام امت کو یکجا کرنے کے لیے سمت قبلہ کا تعین کر دیا۔
اَلحَقُّ مِن رَّبِّکَ۔ الخ۔ الحق مبتدا اور من ربک خبر خبر ہے یعنی حق وہی ہے جو تیرے پروردگار نے دیا۔ یا ہذا الحق ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم حق ہے۔ پروردگار کی طرف سے یہ قطعی حکم ہے مبتدا محذوف نکالیں اور الحق کو خبر بنا دیں۔

رکوع ۱۸

148۔ وَ لِكُلٍّ وِجهَۃ هوَ مُوَلِّيها فَاستَبِقُوا الخَيرَاتِ أَينَ مَا تَكُونُوا يَأتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ
149۔ وَ مِن حَيثُ خَرَجتَ فَوَلِّ وَجهکَ شَطرَ المَسجِدِ الحَرَامِ وَ إِنَّه لَلحَقُّ مِن رَّبِّکَ وَ مَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعمَلُونَ
150۔ وَ مِن حَيثُ خَرَجتَ فَوَلِّ وَجهکَ شَطرَ المَسجِدِ الحَرَامِ وَ حَيثُ مَا كُنتُم فَوَلُّوا وُجُوهكُم شَطرَه لِيلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيكُم حُجَّۃ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنهم فَلَا تَخشَوهم وَ اخشَونِی وَ لِأُتِمَّ نِعمَتِی عَلَيكُم وَ لَعَلَّكُم تَهتَدُونَ
151۔ كَمَا أَرسَلنَا فِيكُم رَسُولًا مِّنكُم يَتلُو عَلَيكُم آيَاتِنَا وَ يُزَكِّيكُم وَ يُعَلِّمُكُمُ الكِتَابَ وَ الحِكمَۃ وَ يُعَلِّمُكُم مَّا لَم تَكُونُوا تَعلَمُونَ
152۔ فَاذكُرُونِی أَذكُركُم وَ اشكُرُوالِی وَ لَا تَكفُرُونِ
153۔ يَا أَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا استَعِينُوا بِالصَّبرِ وَ الصَّلَاۃ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ
154۔ وَ لَا تَقُولُوا لِمَن يُقتَلُ فِی سَبِيلِ اللَّهِ أَموَاتٌ بَل أَحيَاءٌ وَ لَكِن لَّا تَشعُرُونَ

ترجمہ:

۱۴۸۔ اور ہر ایک کے لیے ایک طرف ہے جس طرف وہ منہ کرتا ہے پس تم نیکیوں کی طرف دوڑو تم جہاں کہیں بھی ہو

گے تم سب کو اللہ سمیٹ کر لے آئے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
۱۴۹. اور جہاں سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور آپ کے رب کی طرف سے یہی حق بھی ہے اور اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں۔
۱۵۰. اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور تم بھی جہاں کہیں ہو تو اپنا منہ اس کی طرف کیا کر و تاکہ لوگوں کو تم پر کوئی الزام نہ رہے مگر ان میں سے جو ہٹ دھرم ہیں تم بھی ان سے نہ ڈرو اور ہم سے ڈرتے رہا کرو اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور تاکہ تم راہ پاؤ۔
۱۵۱. جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔
۱۵۲. پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔
۱۵۳. اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
۱۵۴. اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مرا ہوا نہ کہا کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

افاداتِ محمود

وَلِكُلٍّ وِّجهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا الخ۔
یہاں سے قبلہ پر استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے اور اس ضمن میں اللہ کے ذکر کی تلقین بھی ہے۔ یہاں تزکیہ نفس کا بھی ذکر ہے۔
اَینَ مَا تَكُونُوا يَاتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا۔
اس ضمن میں امام بخاری نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔ ایک آدمی فوت ہو رہا تھا، اس نے بیٹوں کو وصیت کی کہ میری موت کے بعد ہڈیوں کو جلا کر راکھ کر دو۔ پھر اس کو آدھی جنگل میں اڑا دو اور آدھی بہا دو۔ اللہ نے فوراً اکٹھا کر کے پوچھا کہ یہ کیوں کہا؟ عرض کیا کہ تیرے خوف سے ایسا کیا، میری کوئی خیر بھی نہیں تھی، اس لیے میرے پکڑے جانے کا خطرہ تھا تو اس سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اللہ نے یہ کہہ کر بخش دیا کہ تو تو اپنے رب پر ایمان رکھتا تھا۔
وَمِن حَيثُ خَرَجتَ الخ۔
حضور ﷺ بنو سلمہ میں تعزیت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اتفاق سے وہاں ظہر کی نماز کا وقت ہوا۔ آپ بیت المقدس کی طرف ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ دوران نماز تحویل قبلہ کا حکم آیا۔ آپ نے دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف پڑھائی تھیں اور بقیہ دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھائیں۔ جس مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا وہ مسجد ذو قبلتین کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد نبوی میں حضور نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھائی تھی وہ اس دن کی عصر کی نماز تھی، لیکن قبا والوں کو ابھی تک معلوم نہ ہوا تھا۔ وہ اگلے دن فجر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے کہ ایک صحابی کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے بتلایا کہ ہم نے اللہ کے رسول کے پیچھے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے، لہذا وہ لوگ نماز کے دوران ہی کعبہ کی طرف پھر گئے۔ چونکہ لوگوں کو بھی حکم خداوندی کا انتظار تھا، اس لیے لوگ وسط صلوۃ میں پھر گئے۔ اس تفصیل سے تینوں روایتوں میں تطبیق بھی ہو گئی کہ تحویل کعبہ کا حکم ایک روایت میں ظہر دوسری میں عصر اور تیسری میں فجر کی نماز میں منقول ہے۔

ایک شخص کے کہنے پر لوگوں نے اپنا رخ کعبہ کی طرف کیونکر پھیرا؟ کیا خبر واحد حجت ہے؟
الجواب: یہاں قرائن موجود تھے، پہلے ہی سے صحابہ کرام میں تحویل قبلہ سے متعلق تذکرے ہوتے تھے۔ اس لیے صحابہ انتظار میں تھے، ایسی صورت میں ایک شخص کا قول بھی حجت ہے اور خبر واحد مع القرائن قطعی ہے۔ جیسے روزہ قطعی فرض ہے اور ایک شخص کی اذان پر آپ افطار کر لیتے ہیں۔
يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا استَعِينُوا بِالصَّبرِ وَالصَّلٰوةِ الخ۔
اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم دیا۔ فاذکرونی اور شکر کا حکم ہے کہ میرے احسانات لا تعداد لاتحصی ہیں۔ اس لیے تم میرا شکر ادا کرو اور کفران نعمت مت کرو، یہ بڑی مشکل بات ہے۔ اللہ کے احسانات کا شکر ادا کرنا کفران نعمت سے بالکلیہ اجتناب کرنا ہے۔ ذکر کرنے کا ایک طریقہ بتلاتے ہیں کہ آپ اس طریقہ سے سب کچھ کر سکتے ہیں کہ صبر و صلوۃ سے مدد

اور کفران نعمت سے اجتناب اختیار کریں۔
الصبر، الصوم:
بعض نے صبر سے مراد صوم لیا ہے کہ روزہ رکھو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ روزہ رکھنا معاون ہوتا ہے۔ عبادات میں دنیا کے علائق سے یکطرفہ ہو کر ایک انسان خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، مگر یہ صوم تو خود ذکر بھی ہے اور شکر بھی۔ جس شخص کے دل میں خدا سے تعلق نہیں ہوتا۔ وہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الصوم لی وانا اجزی۔ یہ حدیث قدسی ہے۔ باقی اعمال کا بدلہ اللہ کی طرف سے فرشتہ یا دوسرے کارندے دیتے ہیں، لیکن صوم کا بدلہ میں خود دوں گا۔ ایک روایت میں منقول ہے وانا اجزی بہ کہ میں خود بدلہ ہوں گا۔ صوم صرف اللہ کے لیے ہے، اس لیے اس میں ریا کی گنجائش نہیں، اگر آدمی روزہ دار ہو تو خلوت میں بھی نہیں کھائے گا۔ غسل خانہ میں بھی پانی نہیں پیئے گا۔ اگر ریا مقصود ہوتی، دکھاوا مقصود ہوتا تو یہ بڑا آسان ہے کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر کھاتے پیتے۔
چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند
اس لیے روزہ میں ریا کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ روزہ جس میں انقطاع من متاع الدنیا و رجوع الی اللہ ہے، تو یہ معاون ذکر اور شکر ہے، روزہ کی حالت میں روزہ دار خلق اور دنیا کی اشیا سے کٹ جاتا ہے اور اللہ سے مقرب ہو جاتا ہے، اس لیے روزہ دار عموماً شکر میں اور ذکر میں کثرت کرتا ہے۔ روزہ کا یہ اعجاز آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔
الصَّلٰوۃِ ایک آدمی پانچ وقت کھڑے ہو کر الحمد للہ رب العالمین الخ پڑھتا ہے تو حمد شکر ہی تو ہے۔ اس نے رب العالمین کا اقرار کیا اور اس کی حمد کی۔ صلوۃ عبادت بھی ہے شکر بھی ہے اور کفر سے اجتناب بھی ہے۔
الصّٰبِرِینَ استقامت کے ساتھ دین کے احکام پر عمل کرے۔ یہود کے تمام پروپیگنڈے چھوڑ کر دین کے احکام کی پابندی کرے تو ایسا کرنے والے یہ سب صابرین ہیں۔
وَلَا تَقُولُوا لِمَن یُّقتَلُ الخ۔
اللہ تعالیٰ یہاں صبر کے اعلی درجہ کی مثال دینا چاہتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے صابرین کی اعلی مثال ہیں، پہلے صبر کا حکم دیا، یہاں صابرین کی مثال ہے۔
اَموَاتٌ ؕ بَل اَحیَاءٌ وَّلٰکِن لَّا تَشعُرُونَ
یعنی آپ اس کی حیات کا شعور نہیں رکھتے۔ یعنی برزخی حیات کو حواس خمسہ سے نہیں جان سکتے۔ وہ حیات عالم برزخ سے متعلق ہے اور تم اس عالم میں ہو۔ تم پر یہ حالات منکشف نہیں ہوتے، ورنہ آپ عذاب قبر کا انکار نہ کرتے۔ آپ کا اس عالم سے کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ عالم رویا ایک اور عالم ہے کہ ایک آدمی آپ کے ساتھ سویا ہوا ہے، لیکن وہ اپنے آپ کو اڑتا ہوا دیکھتا ہے۔ مشاعر (جمع شعور) کا تعلق اس عالم تک محدود ہے۔ عدم شعور کو عدم حیات کیسے کہہ سکتے ہیں جو لوگ عدم شعور سے عدم حیات پر استدلال کرتے ہیں، اللہ نے ان کی تردید فرمائی ہے، فرمایا کہ اس میں بحث نہ کرو کہ حیات شہداء کیسی ہے اور کیسی نہیں ہے۔ جب صریح نہی ہے کہ انہیں اموات نہ کہو تو ہم اموات نہیں کہیں گے اور بس۔ دوسری آیت میں ہے:
ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ۔
یہاں گمان سے بھی منع فرما دیا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہمیں فلا نقول باللسان ولا نجعلھم اموتا۔ اس لیے آپ سے کوئی بحث کرے کہ یہ حیات کیسی ہے، کیسی نہیں تو کہہ دو کہ ہمیں اتنا ہی حکم ہے، لیکن اموات کا قائل ہونا یہ صراحتاً حرام ہے۔ اب لوگ کہتے ہیں انبیاء مر گئے، مر گئے، مر گئے۔ (نعوذ باللہ) یہ تعبیر کا فرق ہے۔ جواب میں کہو کہ تمہارا باپ مرگیا، مرگیا، مرگیا، لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے یوں کہا جائے تمہارے باپ کا وصال، انتقال ہوا ہے۔ میں ایک دن مدینہ میں روضہ اقدس کے سامنے بیٹھے ہوا تھا کہ ایک آدمی اشارہ کر کے کہہ رہا تھا:
انک میت وانھم میتون۔
ایک آدمی نے جو پاکستانی تھا، کہا کہ خدا کے بندے ٹھیک ہے کہ قرآن کی آیت پڑھتے ہوئے ہم بھی موت کے قائل ہیں، لیکن اس طرح توہین کے ساتھ اگر وہ میت ہیں تو پھر یہ قول کس کو سنا رہے ہو۔ یہ لوگ توحید کے ساتھ بے ادبی کو لازم کیے ہوئے ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ انبیاء کا مقام کیا ہے۔ یہ مقام رسالت سے بیخبر ہو کر اس قدر گستاخانہ لہجہ میں باتیں کرتے ہیں۔ اصل میں یہ لوگ اعتدال کو چھوڑ کر افراط و تفریط کرتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ کا خطبہ پیش کرتے ہیں کہ عمر فاروق نے فرمایا تھا، جس نے کہا کہ آپ وفات پا گئے ہیں تو گردن اڑا دوں گا۔ ان کی یہ بات سیاسی تھی، صدیق اکبر ابھی آئے نہیں تھے اور ان کے ذہن میں وہ خلافت کے لیے متعین تھے۔ فرمایا کہ پروپیگنڈا نہ کرو، ورنہ انتخاب ہو جائے گا۔ اس واقع کو یہ لوگ سمجھے ہی نہیں۔ جب ابو بکر تشریف لائے تو عمر فاروق ہٹ گئے اور صدیق اکبر نے فرمایا:
من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کاب یعبد اللہ فانہ حی لا یموت۔
الغرض موت کا اقرار کرنا ہمارا عقیدہ ہے اور برزخی حیات میں مسئلہ ہے اور وہ آپ کو معلوم ہے کہ قتل ایک نوع کی موت

ہے۔ القتل نوع من الموت تو شہید پر موت تو آ گئی، ای بطریق الخاص، ورنہ بغیر موت کے قتل نہیں، جرح یعنی زخم ہے، بلکہ قبض روح کے بعد قتل کہتے ہیں۔ قتل فی سبیل اللہ کہنا ہی موت کا اقرار ہے۔ اس لے مراد حیات برزخی ہے یہ حیات کیسی ہے، کیسی نہیں ہے، یہ تحقیقات علمیہ ہیں۔ حضرت نانوتوی نے جو علمی تحقیقات پیش فرمائی ہیں ان کی تفصیل کے لیے وقت چاہیے۔

ادراک من لوازم الحیات ہے:

الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔

یعنی کوئی چیز جب وجود پاتی ہے تو اپنے جملہ لوازم کے ساتھ وجود پاتی ہے۔

ایک جسد بلا سمع و بصر و شعور تو حیات نہیں ہے، کیونکہ اسے ادراک نہیں ہے، بہرحال یہ لوگ عجیب باتیں کرتے ہیں، اللہ انہیں سمجھ عطا فرمائے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امام شافعی سے منقول ہے کہ خوف سے مراد اللہ کا خوف ہے اور جوع سے مراد صوم رمضان اور نقص من الاموال سے مراد زکوٰۃ ہے۔

نقص من الانفس سے مراد امراض ہیں اور ثمرات سے مراد ثمرات الاولاد ہیں کہ تمہاری اولاد بھی کم ہو گی یعنی کچھ مر جائیں گے۔ یہاں ثمرات سے رماد اولاد ہیں۔

ایک حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا مات ولد العبد قال اللہ تعالیٰ لملئکتہ اقبضتم ولد عبدی فیقولون نعم فیقول اقبضتم ثمرۃ فوادہ فیقولون نعم فیقول اللہ ماذا قال عبدی فیقولون حمدک و استرجع الاسترجاع ان یقول انا للہ وانا الیہ راجعون فیقول اللہ ابنو لعبدی بیتا فی الجنۃ وسموہ بیت الحمد۔ (الترغیب والترہیب)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ثمرہ کی تفسیر ولد کے ساتھ صحیح ہے کیونکہ اس میں استبعاد تھا۔ لیکن امام شافعی نے اس پر حضور ﷺ یا کسی صحابی یا تابعی سے کوئی روایت پیش نہیں کی۔ یہ تفسیر خود ان کی ہے۔ بہرحال اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

رکوع ۱۹

155۔ وَ لَنَبلُوَنَّکُم بِشَیءٍ مِّنَ الخَوفِ وَ الجُوعِ وَ نَقصٍ مِّنَ الأَموَالِ وَ الأَنفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ وَ بَشِّرِ الصَّابِرِینَ
156۔ الَّذِینَ إِذَا أَصَابَتہم مُّصِیبَۃ قَالُوا إِنَّا لِلَّہِ وَ إِنَّا إِلَیہِ رَاجِعُونَ
157۔ أُولَٰیکَ عَلَیہِم صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّہِم وَ رَحمَۃ وَ أُولَیکَ ہُمُ المُہتَدُونَ
158۔ إِنَّ الصَّفَا وَ المَروَۃ مِن شَعَایِرِ اللَّہ فَمَن حَجَّ البَیتَ أَوِ اعتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیہِ أَن یَطَّوَّفَ بِہِمَا وَ مَن تَطَوَّعَ خَیرًا فَإِنَّ اللَّہ شَاکِرٌ عَلِیمٌ
159۔ إِنَّ الَّذِینَ یَکتُمُونَ مَا أَنزَلنَا مِنَ البَیِّنَاتِ وَ الہُدَی مِن بَعدِ مَا بَیَّنَّاہ لِلنَّاسِ فِی الکِتَابِ أُولَیکَ یَلعَنُہمُ اللَّہ وَ یَلعَنُہمُ اللَّاعِنُونَ
160۔ إِلَّا الَّذِینَ تَابُوا وَ أَصلَحُوا وَ بَیَّنُوا فَأُولَیکَ أَتُوبُ عَلَیہِم وَ أَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیمُ
161۔ إِنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا وَ مَاتُوا وَ ہم کُفَّارٌ أُولَیکَ عَلَیہِم لَعنَۃ اللَّہ وَ المَلَایکۃ وَ النَّاسِ أَجمَعِینَ
162۔ خَالِدِینَ فِیہا لَا یُخَفَّفُ عَنہمُ العَذَابُ وَ لَا ہم یُنظَرُونَ
163۔ وَ إِلَٰہکُم إِلَہ وَاحِدٌ لَّا إِلَہ إِلَّا ہوَ الرَّحمَنُ الرَّحِیمُ

ترجمہ:

۱۵۶۔ وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔
۱۵۷۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت اور یہی ہدایت پانے والے ہیں۔
۱۵۸۔ بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کے درمیان طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو بے شک اللہ قدردان جاننے والا ہے۔

۱۵۹.   بے شک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو جسے ہم نے نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر دیا یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔
۱۶۰.   مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور ظاہر کر دیا پس یہی لوگ ہیں کہ میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہوں۔
۱۶۱.   بے شک جنہوں نے انکار کیا اور انکار ہی کی حالت میں مر بھی گئے تو ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں اور سب لوگوں کی بھی۔
۱۶۲.   وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔
۱۶۳.   اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

افاداتِ محمود

الخَوفِ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَنَبلُوَنَّکُم یعنی مستقبل میں یہ آزمائشیں آئیں گے اور اللہ کے خوف کے تو ہم پہلے ہی مکلف ہیں کہ ہر مومن کے دل میں خوف ہے۔ جبکہ خطاب یٰٓاَیُّہَا الَّذِینَ اٰمَنُوا سے ہے اور قلب مومن تو پہلے ہی اللہ کے خوف سے معمور ہے۔ پھر مستقبل میں کیا خوف ہے۔ یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی؟

یہاں خوف سے مراد خوف الکفار اور خوف الاعدا ہے، آپ اس خوف میں مبتلا ہو جائیں گے، جیسے مشرکین مکہ نے گھیراؤ کیا تھا، پھر خندق کھودا گیا، اس لیے کہ خوف تھا، یہاں خوف الاعدا مراد ہے، خوف المحاربین والاعدا مراد ہے اور یہ ایک نئی آزمائش ہو گی۔

جوع سے مراد اگر صوم رمضان ہے تو صوم رمضان کو جوع کہنا صحیح نہیں کہ یہ تو عبادت ہے۔ اس کو بھی جوع سے تعبیر کرنا، یہ بات بھی کچھ دل کو لگتی نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ قحط سالی میں مبتلا ہو سکتے ہیں، جہاد میں ممکن ہے کہ آپ کو کچھ نہ ملے، جیسے کہ حدیث میں ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح غزوہ سیف البحر میں تشریف لے گئے اور سمندر کے کنارے کچھ نہ تھا۔ اونٹوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو پھر سوچ کر وہ بھی ذبح نہ کیے۔ جن لوگوں کے پاس کچھ چیزیں تھیں، جن میں کھجور زیادہ تھی ان سب کو جمع کیا اور روزانہ تقسیم کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دانہ فی کس حصے میں آتا تھا، راوی سے پوچھا گیا کہ ماتغنی الجوع؟ یعنی ایک دانہ سے بھوک کیسے ختم ہو سکتی تھی؟ فرمایا بھائی جب ایک بھی نہیں رہی تو پھر ایک کی طاقت معلوم ہوئی۔ پھر اللہ نے ان کے لیے سمندر سے پہاڑ کی طرح بڑی مچھلی نکالی تو پانی ہٹ گیا اور وہ وہاں پھنس گئی۔ انہوں نے خوب کھایا، سب سیر ہو گئے۔ ایک آنکھ کے خول کی گہرائی میں چھ آدمی بیٹھ گئے اور گھڑوں سے چربی نکالتے تھے اور جب پسلیوں کو کھڑا کیا تو ایک اونٹ سوار شخص اس کے نیچے سے گزر گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے منقول ہے کہ غزوات میں بعض دفعہ درخت کے پتے اور چھال کھائے، حتی کہ منہ کے کنارے زخمی ہو گئے۔

تقترحت اشد اقنا کنا نبعر بعرا و فی روایۃ کنا نضع کما تضع الشاء والبعیر۔

ہمارے منہ کے دونوں جانب زخمی ہو جاتے تھے اور سخت چیزیں کھانے کی وجہ سے ہم اونٹوں اور بکریوں کی مانند مینگنیاں کرتے تھے۔

ایسے ایسے واقعات صحابہ پر آئے اگر یہی مراد لیا جائے تو اچھا ہے۔ یہاں جوع سے مراد روزہ جیسی عبادت مراد لینا مناسب نہیں ہے۔

وَنَقصٍ مِّنَ الاَمَوَالِ سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ سے مال بڑھتا ہے۔ لفظ زکوٰۃ دال علی معنی النماء او معنی التطہیر فاذا کانت الزکوٰۃ بمعنی النماء ہے تو اسے نقص اموال سے تعبیر کیوں کیا گیا؟ حالانکہ حدیث میں ہے:

و یربی الصدقات کما یربی احدکم فلوہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے دیے ہوئے صدقہ کی ایسی پرورش ہوتی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے جانور کے چھوٹے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ کھجور کا ایک دانہ احد کے پہاڑ سے بڑھ جاتا ہے۔

سعدی نے کہا ہے کہ:

زکوٰۃ مال مدہ کرو کہ فضلہ عزرا

چوں باغبان نبرند تو بیثیت دید انگور

چنانچہ حدیث میں انماھی اوساخ الناس کہا گیا ہے کہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے، اس لیے حضور ﷺ نے خود کو اپنے

خاندان کو زکوٰۃ کا مال لینے سے منع فرما دیا۔
حضرت حسن نے صدقے کی کھجور منہ میں ڈالی تو فرمایا کہ صدقہ ہونے کی وجہ سے یہ منہ سے نکال دو۔ نقص من الاموال کا معنی یہ ہے کہ تمہارے پاس مال نہ ہو گا، جیسا کہ عائشہ صدیقہ کی روایت ہے کہ گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔
نقص انفس سے مراد امراض ہو سکتے ہیں اور نقص ثمرات سے مراد یہ ہے کہ باغات اجڑ جائیں۔
اس سے اگر اولاد مراد نہ لی جائے اور مراد المثرۃ بالعموم ہوں تو بھی مراد اولاد ہو سکتی ہے۔ اس لیے اسے اولاد کے ساتھ مختص نہ کیا جائے۔ حرم کے بارے میں ہے یجبی الیہ ثمرات کل شیئ کہ وہاں ہر چیز ہے، لیکن باغ گھاس نہیں صرف ایک تربوز مکہ کا اپنا ہے۔ ایک بہت بڑا عالم تھا اس نے کہا کہ ثمرات کل شیئ حتی ثمرات الانسان۔ اس لیے اسے عمومی معنی میں لیا جائے تو مناسب ہے۔
یہاں میرا مقصد یہ نہیں کہ میں امام شافعی کی تفسیر کو غلط قرار دے دوں۔ چونکہ یہ تفسیر منقول من الصحابہ نہیں ہے، اس لیے مودبانہ اختلاف کر رہا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ با ادب اختلاف کرنے کی گنجائش ہے۔
اِنَّ الصَّفَا وَالمَروَۃَ مِن شَعَاۗىِٕرِاللّٰہِ الخ۔
پہلے تحویل قبلہ کا ذکر تھا اور اس کے آخر میں ہے ولاتم نعمتی علیکم کہ صحیح قبلہ ابراہیمی ہے۔ اگرچہ مصلحتاً چند ماہ کے لیے بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تھا تو صرف نماز پڑھنے کا ذکر نہیں، بلکہ تکمیل یہ ہے کہ حج و عمرہ بھی وہاں ادا کرو۔
صلوۃ بھی بہت بڑی عبادت ہے اور حج و عمرہ بھی بڑی عبادتیں ہیں، اس لیے تکمیل کے طور پر اس کا ذکر شروع کر دیا۔
حقیقت صفا و مروہ۔۔۔ اس میں تیز دوڑنا اور سعی کرنا یہ صابرین کی جماعت کی خصلت ہے۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ ماں بیٹا کیسے صبر کے ساتھ پہاڑوں میں رہے۔ جہاں پرندہ بھی نہیں تھا۔ پرندہ وہاں جاتا ہے جہاں پانی ہو، وہ وادی غیر ذی زرع تھی، وہاں پانی بالکل نہ تھا۔ صرف صبر و استقامت ہی اس بیگانگی کے ساتھی تھے۔ الجوع شامل للعطش یعنی بھوک پیاس برداشت کرتے ہوئے ماں پہاڑ پر چڑھیں۔ وہاں سے کعبہ نظر آ رہا تھا، پھر جب وادی میں آتی تھیں تو وہاں سے بھاگی کہ کعبہ نظر نہ آ رہا تھا، اس لیے سات مرتبہ بھاگیں، یہ صابرین کا مسئلہ ہے۔ پھر عَلَیہِم صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّہِم الخ اس طرح ہوا کہ بچے کی ایڑیاں مارنے کی جگہ سے پانی نکلا۔ حضرت ہاجرہ نے ایک بند باندھ لیا۔ آج بھی اس چشمے کا پانی بہت زیادہ ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ بہرحال صفا و مروہ کا تذکرہ مضمون سابق کی تکمیل ہے۔ یہ صابرین کے ساتھ متعلق ہے کہ دیکھو ان پر کیسی رحمتیں ہوتی ہیں۔
فَلَا جُنَاحَ عَلَیہِ اَن یَّطَّوَّفَ بِہِمَا الخ۔
لا جناح علیہ پر شبہ اور اس کا جواب:
اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعبیر عجیب ہے کہ ایک آدمی طواف صفا و مروہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر نہ کرے تو ترک اولی ہونا نظر آتا ہے۔ یہ کیسی تعبیر فرمائی جبکہ سعی بین الصفا و المروہ واجب ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں لا باس بہ کہا جائے تو اس کا ترک افضل ہے اور جبکہ یہاں صفا مروہ کے طواف کے ترک پر دم لازم آتا ہے یعنی صفا مروہ کا طواف ترک کرنے پر قربانی بطور کفارہ دینی پڑتی ہے۔
جواب یہ ہے کہ اصل میں یہاں پر ایک واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ صفا پر بھی اور مروہ پر بھی ایک ایک بت رکھا ہوا تھا جو بت صفا پر تھا اس کا نام اصاف تھا اور جو مروہ پر تھا اس کا نام نائلہ تھا۔ یہ عورت تھی۔ مشرکین ان دونوں کی پوجا کرتے تھے اور طواف و سعی کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں نے کعبہ میں زنا کیا تو اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا۔ گویا انہیں مسخ کر دیا گیا۔ یہ پتھر بن گئے تو عبرتا لوگوں نے انہیں صفا ومروہ پر رکھ دیا تاکہ حرم میں گناہ کرنے والوں کو عبرت ہو جائے۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد لوگوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔ کسی جگہ آپ کتے کو دفن کر دیں اور قبر پر جھنڈیاں وغیرہ لگا دیں تو لوگ پوجنا شروع کر دیں گے۔ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ دو کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے کتا دفن کیا ہے تو لوگ کہتے ہیں یہ کوئی اور جگہ ہے۔ اس طرح مشرکین مکہ یہاں پوجا پاٹ کرنے لگے۔ اہل مدینہ کی عادت تھی کہ وہ صفا ومروہ کی سعی نہ کرتے تھے۔ یہی ان دونوں میں امتیاز تھا۔ جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے اس سے پرہیز کیا کہ یہاں بت پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے حرج محسوس کیا کہ یہ تو بت پرستی کا حصہ ہے۔ گویا انصار و مہاجرین کا اتفاق تھا کہ صفا و مروہ کی سعی نہ کرنی چاہیے۔ اللہ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ صفا و مروہ ان صابرین کی یاد گار ہے۔ اس لیے یہاں سعی سے گناہ نہیں ہے۔ لا جناح ولا اثم ولا باس یعنی کوئی گناہ نہیں اور پھر بتوں کو ہٹا دیا اور پھر شعائر اللہ کی سعی جاری ہوئی۔ اس لیے یہ پیرایہ بیان اختیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حرج نہیں ہے۔
عبداللہ بن مسعود سے منسوب قرات شاذ ہے کہ ان لا یطوف بہما ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک سعی مسنون ہے واجب نہیں۔
لیکن یہاں متواتر قرات کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

اِنَّ الَّذِینَ یَکتُمُونَ مَآ اَنزَلنَا الخ
کتمان حق کی قسمیں:
تورات میں بھی تحویل قبلہ کا ذکر تھا، لیکن انہوں نے حق پوشی کی، حضرت سعد بن معاذ نے مسلمان ہونے کے بعد بتلائی کہ یہ حضرت ابراہیم کا قبلہ ہے۔ یہ آپ کا اور آپ کی امت کا قبلہ رہے گا مگر یہود نے اس آیت کو چھپا کے رکھا، تو اللہ کریم ان پر لعنت کرتے ہیں۔
یہود کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ موت سے پہلے توبہ کر لیں، توبہ قبل الغرغرہ قبول ہے، ایک وہ ہیں کہ مر گئے اور توبہ نہ کی، بعد الموت توبہ قبول نہیں ہے، اگر وہ زندگی میں اصلاح کر لیں جیسے عبداللہ بن سلام نے مسلمان ہو کر تورات کی صحیح باتیں بتلائیں تو فرمایا کہ میں ان کی توبہ قبول کروں گا۔
وَالنَّاسِ اَجمَعِینَ۔
اس لیے اس عالم میں جب گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو پھر قحط آتا ہے۔ قحط کے لیے صلوۃ استسقاء ہے کہ رجوع الی اللہ ہے، زلزلے، سیلاب، مصیبتیں تب آتی ہیں جب گناہوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں کی وجہ سے وباء آئی، مصیبت آئی، قحط آئے تو متاثرین ان پر لعنت کریں گے۔ دیہاتی، حیوانات، جن، فرشتے تمام مخلوقات ان پر لعنت بھیجتی ہے۔ اس لیے لعنت کو عام کر دیا۔
وَلَا ھُم یُنظَرُونَ۔
ینظرون باب افعال سے مضارع مجہول ہے۔ انظر ینظر انظار تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے:
فَنَظِرَۃٌ اِلَی مَیسَرَۃٍ (بقرہ: 280) یعنی (تنگدست کو) مہلت دینی ہے فراختی تک۔
یا ثلاثی مجرد ہے نصر ینصر سے۔ معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم رہیں گے۔ یعنی ان کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا۔
لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحمٰنُ الرَّحِیمُ۔
یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں۔ مرتد طریقت بہت برا ہے مرتد شریعت سے، یہ من گھڑت مسئلے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے، طریقت شریعت کے متوازی نہیں ہے، یہ تو شریعت کو خلوص دل سے اپنانے کا نام ہے۔

رکوع ۲۰

164۔ اِنَّ فِی خَلقِ السَّمَاوَاتِ وَ الأَرضِ وَ اختِلَافِ اللَّیلِ وَ النَّہارِ وَ الفُلکِ الَّتِی تَجرِی فِی البَحرِ بِمَا یَنفَعُ النَّاسَ وَ مَا أَنزَلَ اللَّہُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحیَا بِہِ الأَرضَ بَعدَ مَوتِہا وَ بَثَّ فِیہا مِن کُلِّ دَابَّۃٍ وَ تَصرِیفِ الرِّیَاحِ وَ السَّحَابِ المُسَخَّرِ بَینَ السَّمَاءِ وَ الأَرضِ لَآیَاتٍ لِّقَومٍ یَعقِلُونَ
165۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَن یَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّہِ أَندَادًا یُحِبُّونَہم کَحُبِّ اللَّہِ وَ الَّذِینَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّہِ وَ لَو یَرَی الَّذِینَ ظَلَمُوا إِذ یَرَونَ العَذَابَ أَنَّ القُوَّۃَ لِلَّہِ جَمِیعًا وَ أَنَّ اللَّہَ شَدِیدُ العَذَابِ
166۔ إِذ تَبَرَّأَ الَّذِینَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِینَ اتَّبَعُوا وَ رَأَوُا العَذَابَ وَ تَقَطَّعَت بِہِمُ الأَسبَابُ
167۔ وَ قَالَ الَّذِینَ اتَّبَعُوا لَو أَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّأَ مِنہم کَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا کَذَلِکَ یُرِیہِمُ اللَّہُ أَعمَالَہم حَسَرَاتٍ عَلَیہِم وَ مَا ہم بِخَارِجِینَ مِنَ النَّارِ

ترجمہ:

۱۶۴۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کی نفع دینے والی چیزیں لے کر چلتے ہیں اور اس پانی میں جس سے اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان حکم کا تابع ہے البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔
۱۶۵۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ سے رکھنی چاہیئے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش دیکھتے وہ لوگ جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔
۱۶۶۔ جب وہ لوگ بیزار ہو جائیں گے جن کی پیروی کی گئی تھی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب

دیکھ لیں گے اور ان کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔
۱۶۷.   اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی تھی کاش ہمیں دوبارہ جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں اسی طرح اللہ انہیں ان کے اعمال حسرت دلانے کے لیے دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں۔

افادات محمود

اِنَّ فِی خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ الخ۔
اس سے پہلے رکوع کے آخر میں اللہ کی وحدانیت کا ذکر ہے۔ اس رکوع میں اس پر استدلال کیا ہے یعنی دلیل مدعی رکوع اول ہے۔
غور کیجیے متعدد خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ مشرکین کہتے ہیں کہ یہ بت، باری کا بخار توڑتا ہے، کوئی بت بچے دینے میں ماہر بتایا جاتا ہے۔ کوئی شادی کراتا ہے، کوئی ریاح کے لیے مفید ہے، کوئی درد سر کے لیے مفید ہے۔ انہوں نے مختلف کام تقسیم کر دیئے ہیں کہ ایک خدا یہ تمام کام کیسے کر سکتا ہے؟ یہاں ان کی دلیل کا جواب ہے، لیکن مشرکین صرف انسانوں کے کام بتوں سے متعلق کرتے ہیں۔ باقی عالم کے کام اللہ سے متعلق کر دیتے ہیں۔
الفلک یہ ایسا لفظ ہے کہ جمع بھی ہے اور مفرد بھی ہے، تو مراد یہاں جمع ہے۔
کَحُبِّ اللّٰہِ۔
یعنی اشارہ کر دیا کہ اللہ کا مثل ماننا زبان کی حد تک نہیں ہے، بلکہ محبت قلبی بھی اس سے متعلق ہے مسلمانوں کی محبت خالصۃً اللہ کے لیے ہے، مگر یہ اللہ کے ساتھ ساتھ ویسی ہی محبت بتوں سے کرتے ہیں۔ یہاں ڈپٹی نذیر احمد نے آیت کا ترجمہ کرنے میں غلطی کی ہے۔ اس کے بعد بہت سوں نے اس کی تقلید میں غلط ترجمہ کیا ہے۔ درست ترجمہ وہی ہے جو موضح القرآن میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے کیا ہے اور ہمارے اکابر نے اسی ترجمے کو اختیار کیا ہے۔
فرق بین محبۃ المشرکین و محبۃ المومنین:
مومنوں اور مشرکوں کی محبت میں فرق یہ ہے کہ مومنین کی محبت اللہ سے خالص ہے۔ ان کے برعکس مشرکین کی محبت مستقل یا لازوال نہیں ہے۔ لازوال محبت کو ترجیح حاصل ہے کہ مومن آخرت میں بھی ابد الآباد تک اللہ سے محبت کرتے رہیں گے تو مومن کی محبت باللہ ابدی و ازلی ہے اور ان کی عارضی ہے۔ یہ یہاں بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر مصیبت آ جائے، گھبراہٹ آ جائے تو بھاگ جاتے ہیں۔ اگر ایک مقصد حاصل نہیں ہوتا تو پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ دنیا کی محبت بھی ایسی ہی ہے۔
اِذ تَبَرَّاَ الَّذِینَ الخ، ان دو آیتوں میں قیامت کے دن ان کے بتوں کا ان کی شفاعت اور عبادت سے انکار و بیزاری اور پھر یاس و حسرت سے ان کفار کا عزم لاحاصل کہ اگر ہمیں دنیا میں بھیجا گیا تو ہم بھی ان سے اسی طرح بیزاری اور نفرت کریں گے۔
حَسَرٰتٍ عَلَیہِم الخ۔اعمال صالحہ بغیر الایمان ضبط ہو جاتے ہیں۔ اس لیے مشرکین کا کوئی عمل قبول نہ ہو گا۔

رکوع ۲۱

168۔ یَا أَیُّہا النَّاسُ کُلُوا مِمَّا فِی الأَرضِ حَلَالًا طَیِّبًا وَ لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّیطَانِ إِنَّہ لَکُم عَدُوٌّ مُّبِینٌ
169۔ إِنَّمَا یَأمُرُکُم بِالسُّوءِ وَ الفَحشَاءِ وَ أَن تَقُولُوا عَلَی اللَّہِ مَا لَا تَعلَمُونَ
170۔ وَ إِذَا قِیلَ لَہمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّہُ قَالُوا بَل نَتَّبِعُ مَا أَلفَینَا عَلَیہِ آبَاءَنَا أَوَ لَو کَانَ آبَاؤُہم لَا یَعقِلُونَ شَیئا وَ لَا یَہتَدُونَ
171۔ وَ مَثَلُ الَّذِینَ کَفَرُوا کَمَثَلِ الَّذِی یَنعِقُ بِمَا لَا یَسمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَ نِدَاءً صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ فَہم لَا یَعقِلُونَ
172۔ یَا أَیُّہا الَّذِینَ آمَنُوا کُلُوا مِن طَیِّبَاتِ مَا رَزَقنَاکُم وَ اشکُرُوا لِلَّہِ إِن کُنتُم إِیَّاہ تَعبُدُونَ
173۔ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیکُمُ المَیتَۃ وَ الدَّمَ وَ لَحمَ الخِنزِیرِ وَ مَا أُہِلَّ بِہ لِغَیرِ اللَّہِ فَمَنِ اضطُرَّ غَیرَ بَاغٍ وَ لَا عَادٍ فَلَا إِثمَ عَلَیہِ إِنَّ اللَّہَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ
174۔ إِنَّ الَّذِینَ یَکتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّہُ مِنَ الکِتَابِ وَ یَشتَرُونَ بِہ ثَمَنًا قَلِیلًا أُولَیکَ مَا یَأکُلُونَ فِی بُطُونِہم إِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُہمُ اللَّہُ یَومَ القِیَامَۃ وَ لَا یُزَکِّیہم وَ لَہم عَذَابٌ أَلِیمٌ
175۔ أُولَیکَ الَّذِینَ اشتَرَوُا الضَّلَالَۃ بِالہدَی وَ العَذَابَ بِالمَغفِرَۃ فَمَا أَصبَرَہم عَلَی النَّارِ
176۔ ذَلِکَ بِأَنَّ اللَّہَ نَزَّلَ الکِتَابَ بِالحَقِّ وَ إِنَّ الَّذِینَ اختَلَفُوا فِی الکِتَابِ لَفِی شِقَاقٍ بَعِیدٍ

ترجمہ:

۱۶۸.   اے لوگو ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

۱۶۹.   وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی ہی کا حکم دے گا اور یہ کہ اللہ کے ذمے تم وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے۔

۱۷۰.   اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگر چہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ پائی ہو۔

۱۷۱.   اور ان کی مثال جو کافر ہیں اس شخص کی سی ہے جو اس چیز کو پکارتا ہے جو سوائے پکار اور آواز کے نہیں سنتی وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس وہ نہیں سمجھتے۔

۱۷۲.   اے ایمان والو پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

۱۷۳.   سوائے اس کے نہیں کہ تم پر مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور اور اس چیز کو کہ اللہ کے سوا اور کے نام سے پکاری گئی ہو حرام کیا ہے پس جو لاچار ہو جائے نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نے حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

۱۷۴.   بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا مول لیتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے مگر آگ اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۷۵.   یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو بدلے ہدایت کے خریدا اور عذاب کو بدلے بخشش کے پس دوزخ کی آگ پر ان کا کتنا بڑا صبر ہے۔

۱۷۶.   یہ اس لیے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ اتاری اور بے شک جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا البتہ ضد میں بہت دور جا پڑے۔

افاداتِ محمود

یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ کُلُوا مِمَّا فِی الاَرضِ الخ۔

یہ مشرکین، جنہوں نے بت بنائے تھے یہ قبروں اور بتوں پر جانوروں کے چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ ان کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے۔ انہیں ہاتھ لگانا حرام سمجھتے تھے۔ کوئی مارتا یا بھگاتا نہیں تھا۔ چاہے یہ کچھ بھی خراب کرے، یہ سانڈ بڑے بڑے موٹے ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ انہیں کھاتے نہیں تھے، گویا انہوں نے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کر دیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ یہاں سے تحریم حلال پر گرفت فرما رہے ہیں کہ جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا یا نامزد کرنا یہ شیطانی عمل ہے اس سے باز آ جاؤ۔

حلالا طیبا در اصل اشیاء میں حلت اصلی ہے یعنی کوئی شے اس وقت تک حلال ہے جب تک کہ کوئی حکم شرعی اسے حرام نہ کر دے۔ پھر جو اللہ نے حرام کر دیا ہے وہ حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرماتا ہے ادھر تو صریح حرام کھاتے ہو اور پھر حلال کو حرام قرار دیتے ہو۔

اِنَّمَا یَامُرُکُم بِالسُّوءِ

یہاں سے یہ بتلایا کہ تم اقوال و نصوص شریعہ میں تحریف نہ کرو۔

عالم کی تقلید جائز ہے جاہل کی نہیں:

اَلفَینَا عَلَیہِ اٰبَاءَنَا۔ یہ ان لوگوں کی ایک دلیل ہے کہ ہمارے باپ دادا نے سکھایا ہے۔ یہ درست ہے کہ بزرگوں کو مانو، لیکن وہ عالم ہیں تو تقلید کرو صرف باپ دادا ہونے کی بنا پر ان کی تقلید نہ کرو۔ اب ہم آئمہ کی تقلید کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان آئمہ کی علم کی بنیاد پر تقلید کرتے ہیں۔ صرف باپ دادا ہونے یا پرانے بزرگ ہونے کی وجہ سے تقلید نہیں کرتے۔

کیونکہ حکم خداوندی ہے:

فَاسأَلُوا أَہلَ الذِّکرِ إِن کُنتُم لا تَعلَمُونَ۔ (الانبیاء: 7) ہم اسی حکم خداوندی کی بنیاد پر تقلید کرتے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِینَ کَفَرُوا الخ۔

اگرچہ کان ہیں لیکن حق بات نہیں سنتے، یہ تو بہرے ہیں اندھے ہیں۔ اس طرح پھر لا یعقلون کہا کہ جب حواس خمسہ نہ رہے تو عقل بھی نہ رہی۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیکُمُ المَیتَۃَ الخ، آگے محرمات کا ذکر ہے۔
المَیتَۃَ وہ مردار جانور جس کے حلال ہونے کے لیے ازروئے شرع ذبح ضروری ہو۔ جو بغیر ذبح کے مر جائے یا ذبح کر دیا جائے لیکن شرعی طریق کے علاوہ ہو، یا گلا گھونٹ دیا جائے، یا ذبح کر لیا جائے لیکن اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر دیا جائے، یا درندہ پھاڑ دے۔ صرف دو میتے مستثنی ہیں۔
احلت لنا المیتتان السمک والجرادۃ اس کے حلال ہونے کی وجہ یہ ہے۔ علت ذبح دم مسفوح کا اخراج ہے یعنی التطہیر من دم المسفوح، لیکن جرادۃ اور سمک (یعنی ٹڈی اور مچھلی) میں دم نہیں ہے، اس لیے یہ مستثنی ہیں۔ حدیث میں ہے:
احلت لنا المیتتان والدمان السمک والجرادۃ والکبد والطحال۔
یعنی ہمارے لیے دو جاندار بغیر ذبح کیے اور دو قسم کا خون حلال ہیں۔ (1) مچھلی (2) ٹڈی (3) جگر (4) تلی۔ لیکن جو مچھلی خود مر کر سطح پانی پر آ جاتی ہے وہ حلال نہیں ہے اور وہ حلال جانور جس کو شکاری دھاری دار یا نوکیلی چیز سے زخمی کر دے اور تیر وغیرہ جانور کی طرف پھینکتے وقت اس نے بسم اللہ پڑھی ہو اور وہ مر جائے تو حلال ہے۔
بندوق کی گولی لگنے سے اگر جانور مر جائے تو حرام ہے اور خود زخمی ہو کر مرنے والا حلال جانور بھی حرام ہے۔ مردار جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔ خریدو فروخت بھی حرام ہے، کتے بلی کو کھلانا بھی حرام ہے۔ البتہ خود کھا لے تو مضائقہ نہیں۔ باقی جو چیزیں کھائی نہیں جاتیں جیسے چمڑا، سینگ وغیرہ ان کا استعمال جائز ہے۔ مردار کی چربی کھانا اور فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اس چربی سے بنائی گئی چیزیں استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ بہنے والے خون کا پینا بھی حرام ہے اور دیگر استعمال بھی جائز نہیں ہے۔ مچھر، مکھی، اور کھٹمل کا خون اگر بہت زیادہ ہو تو ناپاک ہے ورنہ پاک ہے اور ایک انسان کا دوسرے کو خون دینا بچے کو دودھ دینے کے مترادف ہے۔
خون سے تعویذ لکھنا ناجائز ہے:
دم مفسوح سے تعویذ لکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ یہ شعبدہ بازوں نے شروع کر رکھا ہے۔ قاضی خان نے لکھا ہے کہ قرآن کی آیت نجس شے سے لکھی گئی تو یہ کفر ہے۔
وَلَحمَ الخِنزِیرِ اس کو اگر ذبح بھی کیا جائے تو پھر بھی جائز نہیں ہے اور نجس العین ہونے کی وجہ سے اس کی کھال ہڈیاں چربی وغیرہ سب کچھ ناجائز ہیں۔ کھانے کی نسبت سے خاص لحم (گوشت) کا ذکر کیا، ورنہ خنزیر کی ہر چیز حرام ہے۔ البتہ بعض جانور ایسے ہیں کہ اگر انہیں ذبح کر دیا جائے یا نہ بھی کیا جائے تو وہ اعضا جن میں حیات نہیں ہے جیسے الشعر والعظم (بال اور ہڈیاں) ان کا استعمال جائز ہے۔
تحقیق وما اھل بہ لغیر اللہ الخ:
یہاں پر بعض مفسرین مثلاً جلالین وغیرہ نے ماذبح علی غیر اسم اللہ کو مقدر ٹھہرایا ہے یعنی جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، لیکن یہ ایک مغالطہ ہے، کیونکہ یہاں حرام صرف اس ایک قسم میں منحصر نہیں ہے۔ اس کی اور ہی قسمیں ہیں۔ اھل اھلالا کا معنی ہے پکارنا جیسے کہا جائے فلاں پیر کے لیے، فلاں بت کے لیے، لیکن اہلال سے مستقل حرمت ثابت نہیں ہوئی ان رجع عن عقیدتہ قبل الذبح فھو حلال یعنی اگر جانور ذبح کرنے سے قبل اس شخص نے اس فاسد عقیدہ سے رجوع کر لیا اور پھر جانور اللہ کے لیے ذبح کیا تو وہ حلال ہو گا۔ کیونکہ جانور کی ذات میں کوئی حرمت نہیں ہے۔ یہ حرمت خارج سے آئی ہے۔ اگر اسی عقیدہ فاسدہ پر ذبح کر دیا تو حرام ہے، ورنہ حلال ہے۔ وان ذکر اسم اللہ علیہ تب بھی حرام ہے یعنی جب غیر اللہ کے نام پر جانور مختص کر دیا گیا تو ذبح کے وقت اگر اللہ تعالیٰ کا بھی نام لیا جائے تو بھی یہ حرام ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے وان ذبح لقدوم الامیر لیس المراد ضیافتہ فھو الحرام ولو ذکر اسم اللہ علیہ۔ یعنی اگر کسی بڑے شخص کے احترام میں جانور کو ذبح کیا گیا اور مقصود اس کی مہمان نوازی نہ ہو، محض اظہار بڑائی کے لیے خون بہانا ہو تو یہ جانور حرام ہو گا۔ اگرچہ اس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ بلوچوں میں بھی یہ رواج ہے کہ جب بادشاہ آتا ہے تو تعظیم کے لیے دنبے ذبح کرتے ہیں یعنی خون بہانا ہی تعظیم کے لیے ہے تو یہ صورت بھی حرام ہے۔ البتہ اگر ضیافت مقصود ہو تو پھر مسنون ہے۔ تعظیم اور ضیافت میں فرق یہ ہے کہ اگر یہ گوشت امیر کو کھلا دیا تو ضیافت ہے اور اگر نہیں کھلایا تو محض تعظیم ہے۔ غیر اللہ کی تعظیم کے لیے خون بہانا حرام ہے۔ شامی کی درج بالا عبارت کا یہی مفہوم ہے۔
فَمَنِ اضطُرَّ مضطر وہ ہے جس کو اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ مضطر اور مجبور شخص کے لیے اس وقت حرمت اٹھا دیتے ہیں۔ وہ شخص باغی نہ ہو یعنی کھانے والے کو حرام چیز کھانے کی خواہش نہ ہو کیونکہ خواہش نفس کا نام اضطرار نہیں ہے۔ اضطرار اور چیز ہے خواہش اور چیز ہے۔ جیسے خدانخواستہ اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ کہے کہ میں نے یہ کام اضطراری حالت میں کیا ہے تو یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔ شادی کے بغیر کوئی شخص مرتا نہیں ہے، لہذا اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کئی جوان عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں پھر بھی دوسری شادی ہیں کرتیں تو معلوم ہوا کہ یہاں اضطرار نہیں ہے، البتہ اضطرار کا تعلق اکل و شرب یعنی کھانے پینے کے ساتھ ہے۔

مودودی صاحب کا حالت اضطرار میں متعہ کو جائز قرار دے دینا:
مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ حالت اضطرار میں متعہ جائز ہے۔ یعنی وہ چاہت جماع کو اکل و شرب پر قیاس کرتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی اور عورت دونوں جہاز میں بیٹھے ہیں اور جہاز غرق ہو جاتا ہے۔ وہ دونوں ایک تختہ پر زندہ بچ جاتے ہیں اور وہ تختہ کسی جزیرہ پر جا لگتا ہے، پھر ان دونوں کو گناہ کی خواہش ہو جاتی ہے تو وہ مجبور ہوں گے۔ اسی طرح اگر انسان مجبور ہو جائے تو گناہ کرنے سے تو متعہ اچھا ہے کہ وہ دونوں متعہ کر لیں۔ (آہ) لیکن اس میں (مفتی محمود) کہتا ہوں کہ یہاں ہلاکت نفس کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ یہ خواہش ہے اور ایسا کوئی مستقل ضابطہ نہیں ہے کہ انسان کی خواہش پوری نہ ہو تو وہ مر جائے۔ جیسے کسی کو خنزیر کے گوشت کا قورمہ کھانے کا شوق یا خواہش ہو تو کیا اس کو اس کی خواہش کی وجہ سے اجازت دی جا سکتی ہے یا اس کی اس خواہش کو مجبوری و اضطرار سے تعبیر کرنا درست ہے؟ ہرگز نہیں۔
الاضطرار لا یکون الا بخوف النفس ولا اضطرار فی الجماع۔
اضطرار اسی کو کہا جائے گا جہاں نفس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو اور جماع کی طلب و چاہت میں یہ بات نہیں ہے، لہذا یہ بناء الفاسد کے قبیل سے ہے۔ یعنی پوری عمارت ہی دلیل فاسد پر استوار ہے۔ مودودی صاحب خواہش اور اضطرار میں فرق نہ کر سکے اور آگے مزید کہا کہ دو جڑواں بہنیں ہوں تو ان سے نکاح کس طرح کیا جائے گا دو آدمی بھی نہیں کر سکتے اور اگر ایک شخص ایک سے نکاح کرتا ہے تو استمتاع بالواحدہ استمتاع بالاخری کو مستلزم ہے، حالانکہ دونوں بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا وان تجمعوا بین الاختین کے ضابطہ کے مطابق حرام ہے تو جیسے یہ نکاح با امر مجبوری جائز ہے اسی طرح ضبط کے لیے متعہ جائز ہے۔
اس ساری منطق کی بنیاد ہی فاسد ہے۔ وہ خواہش کو اضطرار سمجھ بیٹھے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے مودودی صاحب کی یہ ساری منطق ہی غلط ہے۔
حَرَّمَ عَلَیکُمُ المَیتَۃَ
محرمات ثلاثہ میں حصر کا شبہ اور اس کا جواب:
بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی تین چیزیں حرام ہیں جو آیت مذکورہ میں منقول ہیں، حالانکہ حرام چیزیں اور بھی بہت ہیں۔ جیسے ذی مخلب من الطیور۔ وہ پرندے جو پنجوں میں چیز اٹھا کر لے جاتے ہیں وسباع من البھائم جانوروں میں سے چیر پھاڑ کرنے والے۔ لفظ انما چونکہ حصر کے لیے استعمال ہوتا ہے لہذا محرمات کا ان تین میں منحصر ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔
(1) اس شب ہے کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حصر فی المحرمات نہیں ہے، بلکہ حصر فی المحرم ہے تو آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے حرام قرار دے دیا ہے۔ اسے نہ تو حضور ﷺ نے اور نہ صحابہ کرام نے حرام کیا ہے یعنی ان تحریم ھذہ الاشیاء محصور او مقھورا للہ تعالی۔ یعنی ان چیزوں کو ایک اللہ ہی نے حرام قرار دے دیا ہے۔ کسی اور کا کوئی دخل نہیں ہے۔
(2) اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ حصر موجود ہے تو پھر یہ حصر اضافی ہے حصر حقیقی نہیں ہے۔ حصر اضافی کا مقصد یہ ہے کہ تم نے اپنے پاس سے جو جانور حرام قرار دے دیے ہیں جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلۃ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام قرار نہیں دیا۔ وہ تمہارے خود ساختہ حرام کیے ہوئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان چیزوں کو حرام قرار دے دیا ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔
وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ جو دنیا میں خدا کو نہیں مانتے آخرت میں کیسے مانیں گے، لیکن پھر بھی اللہ رب العزت ان سے گفتگو نہیں فرمائیں گے۔ گویا وہاں اللہ تعالیٰ کی نظر میں ذلیل و رسوا ہونے کے باعث کلام کے مستحق نہیں ہوں گے۔

رکوع ۲۲

177۔ لَّیسَ البِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوہَکُمۡ قِبَلَ المَشرِقِ وَ المَغرِبِ وَ لَکِنَّ البِرَّ مَن آمَنَ بِاللَّہِ وَ الیَومِ الآخِرِ وَ المَلَایکَۃِ وَ الکِتَابِ وَ النَّبِیِّینَ وَ آتَی المَالَ عَلَی حُبِّہِ ذَوِی القُربَی وَ الیَتَامَی وَ المَسَاکِینَ وَ ابنَ السَّبِیلِ وَ السَّایِلِینَ وَ فِی الرِّقَابِ وَ أَقَامَ الصَّلَاۃَ وَ آتَی الزَّکَاۃَ وَ المُوفُونَ بِعَہدِہِم إِذَا عَاہَدُوا وَ الصَّابِرِینَ فِی البَأسَاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَ حِینَ البَأسِ أُولَیکَ الَّذِینَ صَدَقُوا وَ أُولَیکَ ہُمُ المُتَّقُونَ
178۔ یَا أَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیکُمُ القِصَاصُ فِی القَتلَی الحُرُّ بِالحُرِّ وَ العَبدُ بِالعَبدِ وَ الأُنثَی بِالأُنثَی فَمَن عُفِیَ لَہ مِن أَخِیہِ شَیءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالمَعرُوفِ وَ أَدَاءٌ إِلَیہِ بِإِحسَانٍ ذَلِکَ تَخفِیفٌ مِّن رَّبِّکُم وَ رَحمَۃ فَمَنِ اعتَدَی بَعدَ ذَلِکَ فَلَہ عَذَابٌ أَلِیمٌ
179۔ وَ لَکُم فِی القِصَاصِ حَیَاۃ یَا أُولِی الأَلبَابِ لَعَلَّکُم تَتَّقُونَ

180- كُتِبَ عَلَيكُم إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ المَوتُ إِن تَرَكَ خَيرًا الوَصِيَّۃ لِلوَالِدَينِ وَ الأَقرَبِينَ بِالمَعرُوفِ حَقًّا عَلَى المُتَّقِينَ
181- فَمَن بَدَّلَہ بَعدَمَا سَمِعَہ فَإِنَّمَا إِثمُہ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَہ إِنَّ اللّٰہ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
182- فَمَن خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَو إِثمًا فَأَصلَحَ بَينَہم فَلَا إِثمَ عَلَيہ إِنَّ اللّٰہ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ:

١٧٧. یہی نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو بلکہ نیکی تو یہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر اور ا سکی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں مال دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ عہد کر لیں اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔
١٧٨. اے ایمان والو مقتولوں میں برابری کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے پس جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کیا جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیئے اور اسے نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے پس جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔
١٧٩. اور اے عقلمندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) بچو۔
١٨٠. تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے اگر وہ مال چھوڑے تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے مناسب طور پر وصیت کرے یہ پرہیزگاروں پر حق ہے۔
١٨١. پس جو اسے اس کے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ ان ہی پر ہے جو اسے بدلتے ہیں بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔
١٨٢. پس جو وصیت کرنے والے سے طرف داری یا گناہ کا خوف کرے پھر ان کے درمیان اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

افاداتِ محمود

لَيسَ البِرَّ اَن تُوَلُّوا الخ۔
اب تردید ہے اہل کتاب کی، جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اس لیے ہدایت یافتہ ہیں کہ ہم اس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں جو تورات میں قبلہ قرار دے دیا گیا ہے۔ اس لیے ہمارے تمام اعمال دوسروں کے لیے قابل تقلید ہیں، نہ کہ ہم کسی کی پیروی کرتے پھریں۔ یہ ان کا تکبر تھا، یہ تکبر حمق سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ احمق یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کیونکر کسی کی پیروی کریں، وہ تو اس قابل ہیں کہ دوسرے ان کی پیروی کریں، اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ جب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا تو وہی قبلہ درست تھا اور اب جب کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہی درست ہے۔ تم نے تو سارا دین سمت قبلہ میں منحصر کر دیا ہے۔ یہ درست نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، قیامت پر ایمان لانا، اور دیگر ضروریات دین پر ایمان لانا، پیغمبروں کی تصدیق کرنا یہ بر اور نیکی کا کام ہے۔ عبادت کے لیے کوئی بھی سمت فی ذاتہ مطلوب نہیں ہے۔ مقصود تو حکم ربانی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔
يٰاَيُّہَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيكُمُ القِصَاصُ الخ۔
اگر کبیر نے صغیر کو قتل کیا تو کبیر قصاصاً قتل ہو گا۔ مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو یہ بھی قصاص ہے۔ و دمائھم کدمائنا یعنی ان (ذمیوں) کا خون ہمارے (مسلمانوں کے) خون کی طرح محفوظ ہے۔ غلام کو حر نے قتل کیا یا مرد نے عورت کو یا اس کے برعکس قتل کیا گیا تو یہ قصاص ہے۔ گویا تمام نفس برابر ہیں۔ اگر کروڑ پتی نے مسکین کو قتل کر دیا تو قصاص ہے۔ نیز اسلام نے ہدایات بھی دی ہیں کہ صرف قاتل کو ہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ مقتولین کے درمیان مساوات ہو گی امیر کو غریب پر کوئی برتری عند القصاص حاصل نہ ہو گی۔
آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام کو اور عورت کے بدلے عورت کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر قتل عمدا نہ ہو تو قصاص نہیں ہے مگر دیت دینی پڑے گی۔ اسی طرح اگر مقتول کے دو وارثوں میں سے ایک نے معاف کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گی اور معاف نہ کرنے والے وارث کو دیت کا نصف حصہ دیا جائے گا۔ دیت، قصاص لینے اور معاف کرنے کے

بعد دوبارہ قتل کرنا حرام ہو گا۔ آج کل کے حساب سے 36 سیر 36 تولے اور آٹھ ماشے چاندی قتل کی کل دیت ہے جو 100 اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس درہم کے برابر ہو گی لیکن یہودیوں نے ایک عجیب بات بنائی تھی۔ انہوں نے مرد و عورت، عبد و حر اور شریف و مسکین میں بھی فرق کر رکھا تھا کہ شریف کا قصاص ہے، مسکین کا نہیں۔ شریف کا قتل ہوا تو غریب کے دو بھائی قتل کیے جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حرمت نفس میں سب انسان برابر ہیں۔
اگرچہ اس آیت میں اللہ نے العبد بالحر والانثی بالذکر سے سکوت فرمایا، لیکن احادیث میں اس کی تفصیل ہے۔ ہاں اگر کسی نے اپنے غلام کو قتل کر دیا یا والد نے اپنے بیٹے کو قتل کیا تو قصاص نہیں ہے۔
وَلَکُم فِی القِصَاصِ حَیٰوۃٌ الخ۔
بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک تو مرگیا ہے، اب دوسرے کو کیوں مار دیا۔ تو فرمایا کہ قصاص میں زندگی ہے۔ اگر قصاص کا حکم ہے تو زیادہ زندگی رہے گی، ورنہ ہر ایک ریت اور رسم پر قتل کرے گا۔ گویا قصاص میں زندگی ہے۔
کُتِبَ عَلَیکُم اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ المَوتُ الخ۔
اس کا ذکر مقدمہ میں ہو چکا ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ دو حیثیتوں سے (1) میراث کا مفصل حکم آیا تو حصص مقرر ہوئے۔ (2) دوسرا حکم حدیث میں آیا کہ لا وصیۃ لوارث یعنی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔
جَنَفًا جانبداری یا طرفداری کرنا گناہ ہے۔
اَو اِثمًا گناہ یہ ہے کہ اس نے امور خلاف شرع میں وصیت کی جیسے کسی نے کہا کہ سینما بنا دو۔ ایسی وصیت کو بدل دینا چاہیے۔

رکوع ۲۳

183۔ یَا أَیُّہا الَّذِینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِینَ مِن قَبلِکُم لَعَلَّکُم تَتَّقُونَ
184۔ أَیَّامًا مَّعدُودَاتٍ فَمَن کَانَ مِنکُم مَّرِیضًا أَو عَلَی سَفَرٍ فَعِدَّۃ مِّن أَیَّامٍ أُخَرَ وَ عَلَی الَّذِینَ یُطِیقُونَہ فِدیَۃ طَعَامُ مِسکِینٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَیرًا فَہوَ خَیرٌ لَّہ وَ أَن تَصُومُوا خَیرٌ لَّکُم إِن کُنتُم تَعلَمُونَ
185۔ شَہرُ رَمَضَانَ الَّذِی أُنزِلَ فِیہِ القُرآنُ ہدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنَاتٍ مِّنَ الہدَی وَ الفُرقَانِ فَمَن شَہِدَ مِنکُمُ الشَّہرَ فَلیَصُمہ وَ مَن کَانَ مَرِیضًا أَو عَلَی سَفَرٍ فَعِدَّۃ مِّن أَیَّامٍ أُخَرَ یُرِیدُ اللَّہ بِکُمُ الیُسرَ وَ لَا یُرِیدُ بِکُمُ العُسرَ وَ لِتُکمِلُوا العِدَّۃ وَ لِتُکَبِّرُوا اللَّہ عَلَی مَا ہدَاکُم وَ لَعَلَّکُم تَشکُرُونَ
186۔ وَ إِذَا سَأَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَإِنِّی قَرِیبٌ أُجِیبُ دَعوَۃ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلیَستَجِیبُوا لِی وَ لیُؤمِنُوا بِی لَعَلَّہم یَرشُدُونَ
187۔ أُحِلَّ لَکُم لَیلَۃ الصِّیَامِ الرَّفَثُ إِلَی نِسَایکُم ہنَّ لِبَاسٌ لَّکُم وَ أَنتُم لِبَاسٌ لَّہنَّ عَلِمَ اللَّہ أَنَّکُم کُنتُم تَختَانُونَ أَنفُسَکُم فَتَابَ عَلَیکُم وَ عَفَا عَنکُم فَالآنَ بَاشِرُوہنَّ وَ ابتَغُوا مَا کَتَبَ اللَّہ لَکُم وَ کُلُوا وَ اشرَبُوا حَتَّی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الخَیطُ الأَبیَضُ مِنَ الخَیطِ الأَسوَدِ مِنَ الفَجرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّیَامَ إِلَی اللَّیلِ وَ لَا تُبَاشِرُوہنَّ وَ أَنتُم عَاکِفُونَ فِی المَسَاجِدِ تِلکَ حُدُودُ اللَّہ فَلَا تَقرَبُوہا کَذَلِکَ یُبَیِّنُ اللَّہ آیَاتِہ لِلنَّاسِ لَعَلَّہم یَتَّقُونَ
188۔ وَ لَا تَأکُلُوا أَموَالَکُم بَینَکُم بِالبَاطِلِ وَ تُدلُوا بِہا إِلَی الحُکَّامِ لِتَأکُلُوا فَرِیقًا مِّن أَموَالِ النَّاسِ بِالإِثمِ وَ أَنتُم تَعلَمُونَ

ترجمہ:

۱۸۳۔ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔
۱۸۴۔ گنتی کے چند روز پھر جو کوئی تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے اور ان پر جو اس کی طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔
۱۸۵۔ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے واسطے ہدایت ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پالے تو اس کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر ے اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر تنگی نہیں چاہتا اور تاکہ تم گنتی پوری کر لو اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔
۱۸۶۔ اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے پھر چاہیئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

۱۸۷.	تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں سے مباشرت کرنا حلال کیا گیا ہے وہ تمہارے لیے پردہ ہیں اور تم ان کے لیے پردہ ہو اللہ کو معلوم ہے تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے پس تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف کر دیا سو اب ان سے مباشرت کرو اور طلب کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمہارے لیے سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کے وقت صاف ظاہر ہو جاوے پھر روزوں کو رات پورا کرو اور ان سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان کے قریب نہ جاؤ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیز گار ہو جائیں۔

۱۸۸.	اور ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور انہیں حاکموں تک نہ پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

افادات محمود

يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيكُمُ الصِّيَامُ الخ. وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهٗ

اس کا ذکر بھی مقدمہ میں اس مقام پر ہو چکا جہاں منسوخ آیات زیر بحث آئی ہیں۔ بہرحال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے امم سابقہ میں بھی فرض تھے لیکن شکل و صورت تعداد وغیرہ مختلف تھی۔ پہلی امتوں میں روزہ افطار کرنے کے بعد سونے تک کھانے پینے کی اجازت ہوتی تھی سونے کے بعد اجازت نہ تھی۔ اسلام میں بھی ابتدا میں یہی صورت حال تھی، بعد میں سحری والی سہولت مل گئی۔

شَہرُ رَمَضَانَ الَّذِیَ الخ۔

رمضان المبارک کے بہت زیادہ فضائل ہیں جن میں سے قرآن کریم اور دیگر کتب سماویہ کا نزول فی رمضان بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

اُحِلَّ لَکُم لَیلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ۔

یہاں سے امم سابقہ کے روزے سے احتراز و فرق کا ذکر ہے کہ پہلی امتوں میں سونے سے پہلے کھانا جائز تھا اور سونے کے بعد تمام چیزیں ناجائز تھیں، لیکن اب صبح تک جائز ہے، چاہے سو جاؤ یا نہ سوؤ۔

الرَّفَثُ عورتوں سے بے باک ہونا۔ اس لیے شادی دونوں کے درمیان پردہ پوشی ہوتی ہے۔

تَختَانُونَ اَنفُسَکُم یعنی خیانت ہو جاتی تھی کہ یہ سو گئے تھے پھر جماع کر لیا تو یہ بات اب نہیں ہے۔ بلکہ صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ حلال ہیں۔ یہ عدل اور وسعت شریعت محمدیہ کا امتیاز ہے۔

رکوع ۲۴

189۔ یَسأَلُونَکَ عَنِ الأَہِلَّۃِ قُل ہِیَ مَوَاقِیتُ لِلنَّاسِ وَ الحَجِّ وَ لَیسَ البِرُّ بِأَن تَاتُوا البُیُوتَ مِن ظُہُورِہَا وَ لَکِنَّ البِرَّ مَنِ اتَّقَی وَ أتُوا البُیُوتَ مِن أَبوَابِہَا وَ اتَّقُوا اللہَ لَعَلَّکُم تُفلِحُونَ

190۔ وَ قَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللہِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُم وَ لَا تَعتَدُوا إِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ المُعتَدِینَ

191۔ وَ اقتُلُوہِم حَیثُ ثَقِفتُمُوہِم وَ أَخرِجُوہِم مِّن حَیثُ أَخرَجُوکُم وَ الفِتنَۃُ أَشَدُّ مِنَ القَتلِ وَ لَا تُقَاتِلُوہِم عِندَ المَسجِدِ الحَرَامِ حَتَّی یُقَاتِلُوکُم فِیہِ فَإِن قَاتَلُوکُم فَاقتُلُوہِم کَذَلِکَ جَزَاءُ الکَافِرِینَ

192۔ فَإِنِ انتَہوا فَإِنَّ اللہَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ

193۔ وَ قَاتِلُوہِم حَتَّی لَا تَکُونَ فِتنَۃٌ وَ یَکُونَ الدِّینُ لِلہِ فَإِنِ انتَہوا فَلَا عُدوَانَ إِلَّا عَلَی الظَّالِمِینَ

194۔ الشَّہرُ الحَرَامُ بِالشَّہرِ الحَرَامِ وَ الحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعتَدَی عَلَیکُم فَاعتَدُوا عَلَیہِ بِمِثلِ مَا اعتَدَی عَلَیکُم وَ اتَّقُوا اللہَ وَ اعلَمُوا أَنَّ اللہَ مَعَ المُتَّقِینَ

195۔ وَ أَنفِقُوا فِی سَبِیلِ اللہِ وَ لَا تُلقُوا بِأَیدِیکُم إِلَی التَّہلُکَۃِ وَ أَحسِنُوا إِنَّ اللہَ یُحِبُّ المُحسِنِینَ

196۔ وَ أَتِمُّوا الحَجَّ وَ العُمرَۃَ لِلہِ فَإِن أُحصِرتُم فَمَا استَیسَرَ مِنَ الہدیِ وَ لَا تَحلِقُوا رُءُوسَکُم حَتَّی یَبلُغَ الہدیُ مَحِلَّہُ فَمَن کَانَ مِنکُم مَّرِیضًا أَو بِہِ أَذًی مِّن رَّأسِہِ فَفِدیَۃٌ مِّن صِیَامٍ أَو صَدَقَۃٍ أَو نُسُکٍ فَإِذَا أَمِنتُم فَمَن تَمَتَّعَ بِالعُمرَۃِ إِلَی الحَجِّ فَمَا استَیسَرَ مِنَ الہدیِ فَمَن لَّم یَجِد فَصِیَامُ ثَلَاثَۃِ أَیَّامٍ فِی الحَجِّ وَ سَبعَۃٍ إِذَا رَجَعتُم تِلکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ ذَلِکَ لِمَن لَّم یَکُن أَہلُہُ حَاضِرِی المَسجِدِ الحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللہَ وَ اعلَمُوا أَنَّ اللہَ شَدِیدُ

العِقَابِ

ترجمہ:

۱۸۹.	آپ سے چاندوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت کے اندازے ہیں اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔
۱۹۰.	اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
۱۹۱.	اور انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور غلبہ شرک قتل سے زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تم بھی انہیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے۔
۱۹۲.	پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔
۱۹۳.	اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی جائز نہیں۔
۱۹۴.	حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے اور سب قابلِ تعظیم باتوں کا بدلہ ہے پھر جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی کہ اس نے تم پر زیادتی کی اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔
۱۹۵.	اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
۱۹۶.	اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو پس اگر روکے جاؤ تو جو قربانی سے میسر ہو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اسے سر میں تکلیف ہو تو روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے فدیہ دے پھر جب تم امن میں ہو تو عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھائے تو قربانی سے جو میسر ہو (دے) پھر جو نہ پائے تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب تم لوٹو یہ دس پورے ہو گئے یہ اس کے لیے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

افادات محمود

يَسئلُونَکَ عَنِ الاَہِلَّۃِ. پہلے صوم کا ذکر ہوا۔ اب حج کا ذکر آ رہا ہے اور صوم و حج کا تعلق ہلال سے ہے۔ اس لیے اس کا حکم بتلا دیا ہے، لوگ سوال کرتے تھے کہ سورج تو بالکل درست رہتا ہے، لیکن چاند کم کیوں ہوتا ہے، بڑھتا کیوں ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس کے ذریعہ نمازوں، روزوں کے اوقات مقرر ہوتے ہیں۔
مِن ظُہُورِھَا زمانہ جاہلیت میں ان لوگوں کی عادت تھی کہ احرام باندھ لینے کے بعد کوئی چیز یاد آئی تو گھر کے دروازے سے نہیں آتے تھے، بلکہ دیوار میں نقب لگا کر یا پیچھے سے آتے تھے تو اس جگہ اس ناروا پابندی پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح مرد و عورت ننگے طواف کرتے تھے اور تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کیے ہیں وہ حرم میں لانے کے قابل نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذریعے انسان کو اس طرح کے اصر اور اغلال سے آزادی عطا فرما دی۔
وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰہِ تمام فقہاء امت اس بات پر متفق ہیں کہ ہجرت سے قبل مسلمانوں کو جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا بلکہ عفو و درگزر کرنے کا حکم تھا اور صبر کی تلقین تھی۔ مدینہ پہنچ کر پہلے محدود جہاد کا حکم تھا یعنی صرف ان لوگوں سے قتل و مقاتلہ کر سکتے ہو جو تم سے قتال کرتے ہوں۔ عورتوں بچوں اور مذہبی راہبوں سے جو قتال میں حصہ نہ لیتے ہوں قتال ممنوع تھا۔ اب یہاں مہینوں کا ذکر تھا تو بعض مہینوں میں قتال ممنوع ہے یعنی اشہر الحرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحج، محرم۔ اللہ نے فرمایا کہ تم قتال کرو ان سے جو تم سے قتال کرتے ہیں۔ حدیبیہ کا واقعہ بھی ذی قعدہ میں پیش آیا تھا۔ آپ 1400 صحابہ کرام کے ساتھ عمرے کے لیے مکہ کی طرف گئے، لیکن مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو روکا اور قتال کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ گویا اس طرح انہوں نے شہر الحرام کو چھوڑ دیا، اس لیے یہاں قتال جائز ہے، لیکن صرف ان لوگوں کے خلاف جو تم سے قتال کریں۔
اسلام میں حکم ہے کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو، کیونکہ وہ آپ سے قتال نہیں کرتے۔
وَالفِتنَۃُ اَشَدُّ مِنَ القَتلِ یہ فتنہ مسجد حرام سے منع کرنا تھا کہ وہ مسجد حرام میں جانے نہیں دیتے تھے تو فرمایا کہ فتنہ قتل سے

بھی بڑا گناہ ہے۔ ویسے شرک کرنا بھی قتل سے بڑا گناہ ہے۔
وَاَنفِقُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ یہاں مفہوم ہے کہ جہاد میں خرچ کرو، ورنہ تم ضعیف و کمزور ہو جاؤ گے۔ ضعف تو تمہاری ہلاکت ہے، اس لیے وَلَا تُلقُوا بِاَیدِیکُم اِلَی التَّہلُکَۃِ فرمایا ہے، بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ اگر تمہاری طاقت زائد نہیں تو یہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔ حالانکہ یہاں جہاد نہ کرنے کو ہلاکت کہا گیا ہے۔
حدیبیہ حرم و حل کی سرحد کے بین بین ہے۔ اس لیے آپﷺ نے ھدی کے جانور ذبح کرنے کا حکم دیا، لیکن کسی کا دل نہیں مانتا تھا۔ آپ خیمہ میں آئے تو حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ آپ بغیر کچھ کہے ذبح کر دیجیے۔ آپ نے ہدی کا جانور ذبح کیا تو تمام صحابہ کرام نے بغیر پوچھے ذبح شروع کر دیا اور پھر سر منڈوایا۔ مجھے بھی کراچی میں حکومت نے حج پر جانے سے روک دیا تھا تو میں نے ان سے کہا کہ میں پورے ملک کا دورہ کروں گا اور لوگوں کو بتاؤں گا کہ رسول اکرمﷺ کو مشرکین نے روکا تھا، لیکن مجھے یہاں اسلامی حکومت نے روکا ہے۔ سرگودھا میں میٹنگ میں وزیر اعظم نے کہا کہ اس کو اجازت ملنی چاہیے؟ نیچے والوں نے کہا کہ مت دو اجازت۔ تو وزیر اعظم نے کہا اصل بات یہ ہے کہ مفتی صاحب کے ساتھ علماء ہیں اور حج اکبر بھی ہے تو انہوں نے اجازت دے دی۔
مِّن صِیَامٍ
تین روزے رکھو۔ یا صدقہ دو یعنی مسکینوں کو صبح و شام کھلاؤ۔ تین صاع گندم ہر ایک کو نصف نصف صاع دو۔ ایک کو سارا نہیں دینا اور نسک یا دم دے دو۔ اگر مرض کی وجہ سے سر نہیں منڈوا سکتے۔
دم التمتع والقران دم الجنایت نہیں، جیسے شوافع کے نزدیک ہے۔ یہ دم شکر ہے اس لیے احناف کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور شوافع کے نزدیک جائز نہیں ہے۔
ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ فِی الحَجِّ الخ
یعنی 9۔ 8۔ 7 کو روزہ رکھ لیا اور پھر سات روزے اس وقت رکھو جبکہ تم حج سے واپس آ جاؤ۔ یہاں گھر واپس آنا مراد نہیں ہے، بلکہ حج سے فارغ ہونا مراد ہے۔
ذٰلِکَ لِمَن لَّم یَکُن اَھلُہٗ الخ یعنی مکہ کے رہنے والے کے لیے تمتع و قران نہیں۔ اس لیے یہ حکم باہر سے آنے والے کے لیے ہے۔

رکوع ۲۵

197۔ الْحَجُّ أَشْهرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوقَ وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْہ اللّٰہ وَ تَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَی وَ اتَّقُونِ يَا أُولِی الْأَلْبَابِ
2۔ 198۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰہ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوہ كَمَا ہدَاكُمْ وَ إِن كُنتُم مِّن قَبْلِہ لَمِنَ الضَّالِّينَ
199۔ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰہ إِنَّ اللّٰہ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
200۔ فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰہ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْيَا وَ مَا لَہ فِی الْآخِرَۃ مِنْ خَلَاقٍ
201۔ وَ مِنْہم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَۃ وَ فِی الْآخِرَۃ حَسَنَۃ وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ
202۔ أُولَـٰئِکَ لَہمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَ اللّٰہ سَرِيعُ الْحِسَابِ
203۔ وَ اذْكُرُوا اللّٰہ فِی أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِی يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْہ وَ مَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْہ لِمَنِ اتَّقَی وَ اتَّقُوا اللّٰہ وَ اعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْہ تُحْشَرُونَ
204۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُکَ قَوْلُہ فِی الْحَيَاۃ الدُّنْيَا وَ يُشْہدُ اللّٰہ عَلَی مَا فِی قَلْبِہ وَ ہوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ
205۔ وَ إِذَا تَوَلَّی سَعَی فِی الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيہا وَ يُہلِکَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰہ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ
206۔ وَ إِذَا قِيلَ لَہ اتَّقِ اللّٰہ أَخَذَتْہ الْعِزَّۃ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُہ جَہنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِہادُ
207۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِی نَفْسَہ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہ وَ اللّٰہ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ
208۔ يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ كَافَّۃ وَ لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّہ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ
209۔ فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰہ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
210۔ ہلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَہمُ اللّٰہ فِی ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلَائِكَۃ وَ قُضِیَ الْأَمْرُ وَ إِلَی اللّٰہ تُرْجَعُ الْأُمُورُ

ترجمہ:

۱۹۷. حج کے چند مہینے معلوم ہیں سو جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو مباشرت جائز نہیں اور نہ گناہ کرنا اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا کرنا اور تم جو نیکی کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے اور زادِ راہ لے لیا کرو اور بہترین زادِ راہ پرہیزگاری ہے اور اے عقلمندوں مجھ سے ڈرو۔
۱۹۸. تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو پھر جب تم عرفات سے پھرو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کی یاد اس طرح کرو کہ جس طرح اس نے تمہیں بتائی ہے اور اس سے پہلے تو تم گمراہوں میں سے تھے۔
۱۹۹. پھر تم لوٹ کر آؤ جہاں سے لوٹ کر آتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔
۲۰۰. پھر جب حج کے ارکان ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے یا اس سے بھی بڑھ کر یاد کرنا پھر بعض تو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔
۲۰۱. اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔
۲۰۲. یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی کمائی کا حصہ ملتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔
۲۰۳. اور اللہ کو چند گنتی کے دنوں میں یاد کرو پھر جس نے دو دن کے اندر کوچ کرنے میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں جو (اللہ سے) ڈرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔
۲۰۴. اور بعض ایسے بھی ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنی دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔
۲۰۵. اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں فساد ڈالتا اور کھیتی اور مویشی کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔
۲۰۶. اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو شیخی میں آ کر اور بھی گناہ کرتا ہے سو اس کے لیے دوزخ کافی ہے اور البتہ وہ برا ٹھکانہ ہے۔
۲۰۷. اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا جو ئی کے لیے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔
۲۰۸. اے ایمان والو اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیوں کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔
۲۰۹. پھر اگر تم کھلی کھلی نشانیاں آ جانے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔
۲۱۰. کیا وہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ ان کے سامنے بادلوں کے سایہ میں آ موجود ہو اور فرشتے بھی آ جائیں اور کام پورا ہو جائے اور سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔

افادات محمود

اَلحَجُّ اَشہُرٌ مَّعلُومٰتٌ
شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ، یعنی ذی الحجہ کے دس ملا کر تین مکمل مراد لیے اس لیے اشہر جمع لائے ہیں، لیکن اشہر الحرم سے قبل احرام باندھنا مکروہ ہے اور تمتع و قران کے لیے بھی اشہر حج میں احرام باندھنا چاہیے۔
فَاِنَّ خَیرَ الزَّادِ التَّقوٰی
یعنی مراد یہ ہے کہ لوگوں سے نہ مانگنا اور سوال نہ کرنا تقویٰ ہے۔
فَاِذَا قَضَیتُم مَّنَاسِکَکُم الخ
پہلے عرب لوگ جب مناسک حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں ٹھہرتے تھے تو اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ اپنے باپ دادا سے زیادہ اللہ کو یاد کیا کرو۔ اسی طرح میدان عرفات نہ جاتے تھے اس کو اپنی امتیازی شان خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بری رسمیں ختم فرما دیں۔

وَيُہلِکَ الحَرثَ وَالنَّسلَ۔
یعنی جنگ پھیلا کر اور پھر فساد کرا کر یہ کھیتوں کو ختم کر دے گا۔

رکوع ۲۶

211۔ سَلْ بَنِی إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاہم مِّنْ آيَۃ بَيِّنَۃ وَ مَن يُبَدِّلْ نِعْمَۃ اللَّہ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْہ فَإِنَّ اللَّہ شَدِيدُ الْعِقَابِ
212۔ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاۃ الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ الَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَہمْ يَوْمَ الْقِيَامَۃ وَ اللَّہ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
213۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّۃ وَاحِدَۃ فَبَعَثَ اللَّہ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ وَ أَنزَلَ مَعَہمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيہ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيہ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوہ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْہمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَہمْ فَہدَى اللَّہ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيہ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِہ وَ اللَّہ يَہدِی مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ
214۔ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّۃ وَ لَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْہمُ الْبَأْسَاءُ وَ الضَّرَّاءُ وَ زُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَہ مَتَى نَصْرُ اللَّہ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّہ قَرِيبٌ
215۔ يَسْأَلُونَکَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِينَ وَ الْيَتَامَى وَ الْمَسَاكِينِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ وَ مَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّہ بِہ عَلِيمٌ
216۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ ہوَ كُرْہ لَّكُمْ وَ عَسَى أَن تَكْرَہوا شَيْئًا وَ ہوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسَى أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَ ہوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللَّہ يَعْلَمُ وَ أَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

ترجمہ:

۲۱۱. بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے انہیں کتنی روشن دلیلیں دیں اور جو اللہ کی نعمت کو بدل دیتا ہے بعد اس کے کہ وہ اس کے پاس آ چکی ہو تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔
۲۱۲. کافروں کو دنیا کی زندگی بھلی لگتی ہے اور وہ ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو ایمان لائے حالانکہ جو لوگ پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔
۲۱۳. سب لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل کیں تاکہ لوگوں میں اس بات میں فیصلہ کرے جس میں اختلاف کرتے تھے اور اس میں اختلاف نہیں کیا مگر انہیں لوگوں نے جنھیں وہ (کتاب) دی گئی تھی اس کے بعد کہ ان کے پاس روشن دلیلیں آ چکی تھیں آپس کی ضد کی وجہ سے پھر اللہ نے اپنے حکم سے ہدایت کی ان کو جو ایمان والے ہیں اس حق بات کی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔
۲۱۴. کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ (حالات) پیش نہیں آئے جو ان لوگوں کو پیش آئے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب ہو گی سنو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔
۲۱۵. آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں کہہ دو جو مال بھی تم خرچ کرو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے اور جو نیکی تم کرتے ہو سو بے شک اللہ خوب جانتا ہے۔
۲۱۶. تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے مضر ہو اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

افاداتِ محمود

سَل بَنِیۤ اِسرَاءِ یلَ کَم اٰتَینٰھُم الخ
اس رکوع میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل عذاب کے مستحق کیوں ہیں۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شخص یا ایک قوم کے ساتھ احسانات کیے جائیں اور انہیں نشانیاں دکھائی جائیں وہ اس کے باوجود کفران نعمت کرے تو عقل و نقل دونوں کا تقاضا

یہ ہے کہ انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس رکوع میں ایسے لوگوں کے ساتھ قتال کا بھی حکم ہے کہ انہیں دنیا کے اندر بھی ذلیل کیا جائے۔ ان کے لیے آخرت کا عذاب تو ہو گا ہی، لیکن وہ دنیا میں بھی ذلت و رسوائی کے مستحق ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا سَل بَنِیٓ اِسرَاءِیلَ کَم اٰتَینٰھُم الخ۔ ان کے لیے بحر کے اندر راستے بنائے گئے، پھر کفر کرنے کے بعد بھی انہیں معاف کر دیا گیا، لیکن یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے، بلکہ الٹا کفر کرتے ہیں۔

یہود کے شریعت محمدیہ پر ایمان نہ لانے کی وجہ:
یہ لوگ جناب نبی کریمﷺ کی صرف اس لیے مخالفت کرتے تھے کہ تکالیف سے بچ جائیں اور انہیں نذرانے ملتے رہیں۔ زندگی اچھی گزرے گی، مسلمانوں کی ریاست یہود پر قائم ہو جائے تو یہ نذرانے بند ہو جائیں گے۔ اس لیے ایمان لانا در اصل آخرت کو بیچ کر دنیا کو مول لینا ہے۔ ضعیف مسلمانوں، صہیب رومی یا حضرت بلال جیسے لوگوں پر کفار نے ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔ یہود انہیں اور دوسرے فقراء مہاجرین کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ احمق ہیں۔ بلا وجہ زندگی خراب کر دی اور پھر ہنستے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ کیا یہ لوگ قیصر روم کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ کسری کی فارسی قوم سے ان کا کیا مقابلہ ہو گا۔ یہ غریب غریب لوگ کیسا مقابلہ کریں گے اور یہ لوگ عرب کے بڑے بڑے سرداروں پر کیسے غالب آئیں گے اور ان کی یہ خواہش کیسے پوری ہو گی کہ دنیا کی حکومتوں پر دھاک بٹھائیں۔ تو فرمایا:
وَالَّذِینَ اتَّقَوا فَوقَھُم یَومَ القِیٰمَۃِ۔
اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کفار پر غالب رہیں گے قیامت کے دن تک۔
انہی مساکین کے ہاتھوں دو قومیں فتح ہوئیں۔ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں ایران اور روم کی دو بڑی طاقتیں زیر ہوئیں۔ ایران کے لوگ مفتوح تو ہو گئے، لیکن جیسے ایک مفتوح قوم کے دل میں فاتح کے خلاف جذبہ نفرت و عداوت ہوتا ہے۔ فاتح کا دین بھی قبول کر لیتے ہیں، لیکن نفرت و عداوت دل ہی دل میں چھپی رہتی ہے۔ اسی طرح ایرانیوں کے دلوں میں عمر فاروق کے خلاف نفرت کا جذبہ باقی رہا اور آج تک باقی ہے۔ چنانچہ بیشتر اہل فارس رافضی ہیں۔ حضرات شیخین کے خلاف ان کے دل میں نفرت ہے اور اسی بنیاد پر ان کو رافضی کہتے ہیں۔ ایران و فارس کے لوگ عمر کے نام سے بہت چڑتے ہیں، صدیق اکبر کے نام سے اتنا نہیں چڑتے، وہ کھلے عام کہتے ہیں از عمر خویش بیزارم۔ یہ سب نفرت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اپنی عمر سے بھی بیزار ہوں کہ اس کا نام عمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مساکین کو یہ مقام دیا کہ پوری دنیا پر غالب کر دیا اور فاتح بنایا۔
کتب بنی اسرائیل کا مقصد تفریق نہ تھا:
بنی اسرائیل کے پاس کتابیں آئیں۔ یہ اس لیے نہیں کہ کتابیں انہیں جدا جدا کر دیں۔ یہ کتابیں جدا جدا دین بنانے کے لیے نہیں آئیں، لیکن یہود نے فوراً باہم اختلاف شروع کر دیا، یہ سب آپس میں بغض و عناد کی وجہ سے تھا۔ جب نبی مبعوث ہوتے تو لوگ دو حصوں میں بٹ جاتے۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے، اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے نبی در نبی آئے، لیکن اختلاف کیسے ختم ہوں۔
اَم حَسِبتُم اَن تَدخُلُوا الجَنَّۃَ الخ
اس آیت میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ دیکھو پہلے لوگوں کے پاس کتابیں آئیں۔ وہ مکلف ہوئے، انہیں ایذائیں پہنچی تھیں، لیکن فرمایا کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے، تمہیں جنت میں داخل ہونے کے لیے یہ تکلیفیں برداشت کرنا ہوں گی، ابھی تم پر پہلے پیغمبروں والے حالات نہیں آئے۔
حَتّٰی یَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِینَ الخ
یہ مایوسانہ کلمات پیغمبر کی زبان سے کیسے نکلے۔ کیا وہ بھی مایوس ہو گئے؟
اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ مایوس ہو گئے تھے، یہ بتقاضائے بشریت تھا کہ جب ایک انسان مصیبتوں میں پھنس جائے اور امید و توقع بھی پوری ہوتی نظر نہ آتی ہو تو پریشانی کے عالم میں کہے کہ مدد کب آئے گی۔ یہ انکار نہیں ہے، مانگنے کا ایک انداز ہے۔ مراد یہ ہے کہ اب مدد آ جانی چاہیے۔ یہ مدد جلدی طلب کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ یہ خود بھی دلالت کرتا ہے، صرف جلدی مدد یعنی استعجال نصر مانگتے ہیں اور اسی کی پکار ہے۔
سابقہ آیات میں یہ مضمون بڑی تاکید سے بیان ہوا ہے کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ منافقانہ روش چھوڑ دو اور مال و جان خرچ کرو تو اس کا ذکر فرمایا۔
وانفقوا فی سبیل اللہ یہاں جان و مال کے انفاق کے متعلق مسائل جزئیہ کا ذکر ہے تاکہ اس کلیہ کے آنے کے بعد جزئیہ کی تاکید ہو جائے کہ نکاح، طلاق، انفاق وغیرہ جزئی مسائل کا ذکر ہے۔ کلیہ جو پہلے آیا تھا جزئیہ سے اس کو مضبوط کرنا ہے۔
یَسئَلُونَکَ مَاذَا یُنفِقُونَ سوال مال خرچ کرنے کا تھا، لیکن جواب علی اسلوب الحکیم دیا۔

فرمایا کہ یہ مت پوچھو کہ کیا خرچ کرنا ہے؟ بلکہ کہاں خرچ ہے؟ مصرف کیا ہے؟ اللہ نے ان کے سوال کو پھیر دیا اور متنبہ کیا کہ سوال یوں کرو کہ مصرف معلوم کرنا ہے۔ فَلِلوَالِدَینِ اگر والدین محتاج ہیں تو ان پر انفاق واجب ہے۔ اگر وہ مالدار ہیں تو وَالاَقرَبِینَ ہیں یعنی جو والد کے واسطے یا والدہ کے واسطے سے قریب ہیں، یہ بھی در حقیقت والدین پر خرچ کرنا ہے۔ جیسے چچا، تایا، ماموں پھوپھا وغیرہ۔
وَابنِ السَّبِیلِ جہاں کوئی مطبخ ہوٹل وغیرہ نہ ہو مسافر کو کھانا کھلانا واجب ہے۔
کُتِبَ عَلَیکُمُ القِتَالُ الخ۔ آگے قتال کا حکم ہے۔ مکہ میں قتال کا حکم نہ تھا۔ اسباب مہیا نہ تھے جب مدینہ ہجرت کی تو قتال کی اجازت مل گئی۔ یہ دفاعی جنگ کی اجازت تھی کہ کفار اگر حملہ کریں تو جواب دو۔ چنانچہ پہلی آیت تھی کہ تم قتال کرو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ الذین یقاتلونکم لیکن بعد میں بالعموم قتال کی اجازت دے دی گئی، لیکن دفاعی جنگ کے لیے کوئی شرط نہیں، یہاں تک کہ اگر مسلمان بھی آپ پر حملہ کر دے تو ان کا بھی دفاع کریں اور مقابل مسلمان ہے یا کافر، یہ بھی دفاعی جنگ میں شرط نہیں ہے۔ ایک جارحانہ جنگ ہے کہ آپ کفار پر حملہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں تو اس کے لیے شرائط ہیں کہ اولا کافروں کو دعوت پہنچاؤ۔ اگر وہ انکار کر دیں تو پھر قتال جائز ہے، عورتوں کا قتل ناجائز ہے، لیکن دفاع میں یہ بھی شرط نہیں ہے، جارحانہ جنگ فرض کفایہ ہے عند الفقہاء کہ ایک جماعت موجود ہو جیسے فوج ہے تو تمام لوگوں پر فرض عین نہیں ہے، لیکن اگر جارحانہ میں فرض کفایہ والے کفایت نہیں کر سکے تو پھر جتنی ضرورت ہوتی ہے، گویا کفایہ بڑھ سکتا ہے۔ آج یہاں کفر داخلی والے بھی ہیں، کفر خارجی والے بھی ہیں، اس کا مقابلہ اسلحہ سے ہو گا اور کفر داخلی کا مقابلہ بھی جہاد ہے، لیکن وہ اسلحہ سے نہیں ہوتا۔ وہ اتحاد سے ہوتا ہے۔ سیاسی قوت اتنی مضبوط کرو کہ داخلی کفر سرنگوں ہو جائے۔ نظام اس وقت اسلام کے مطابق نہیں ہے اور میرے نزدیک داخلی مقابلہ ہر مسلمان پر فرض ہے، کیونکہ اب داخلی کفر والے طاقتور ہیں اور مقابلہ کرنے والے کمزور ہیں۔ چونکہ یہ کفایت نہیں کر سکتے، اس لیے مسلمانوں پر ان کا ساتھ دینا فرض ہے، آج ملک میں اسلامی قانون نہیں ہے، اس کے لیے جد و جہد ہر فرد کر کرنی چاہیے۔

رکوع ۲۷

217۔ یَسْأَلُونَکَ عَنِ الشَّہرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیہِ قُلْ قِتَالٌ فِیہِ کَبِیرٌ وَ صَدٌّ عَن سَبِیلِ اللَّہ وَ کُفْرٌ بِہِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ إِخْرَاجُ أَہلِہِ مِنْہ أَکْبَرُ عِندَ اللَّہ وَ الْفِتْنَۃ أَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَ لَا یَزَالُونَ یُقَاتِلُونَکُمْ حَتَّی یَرُدُّوکُمْ عَن دِینِکُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَ مَن یَرْتَدِدْ مِنکُمْ عَن دِینِہ فَیَمُتْ وَ ہوَ کَافِرٌ فَأُولَئِکَ حَبِطَتْ أَعْمَالُہمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃ وَ أُولَئِکَ أَصْحَابُ النَّارِ ہمْ فِیہا خَالِدُونَ
218۔ إِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا وَ الَّذِینَ ہاجَرُوا وَ جَاہدُوا فِی سَبِیلِ اللَّہ أُولَئِکَ یَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّہ وَ اللَّہ غَفُورٌ رَّحِیمٌ
219۔ یَسْأَلُونَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیہِمَا إِثْمٌ کَبِیرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ إِثْمُہمَا أَکْبَرُ مِن نَّفْعِہمَا وَ یَسْأَلُونَکَ مَاذَا یُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ کَذَلِکَ یُبَیِّنُ اللَّہ لَکُمُ الْآیَاتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُونَ
220۔ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃ وَ یَسْأَلُونَکَ عَنِ الْیَتَامَی قُلْ إِصْلَاحٌ لَّہمْ خَیْرٌ وَ إِن تُخَالِطُوہمْ فَإِخْوَانُکُمْ وَ اللَّہ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَ لَوْ شَاءَ اللَّہ لَأَعْنَتَکُمْ إِنَّ اللَّہ عَزِیزٌ حَکِیمٌ
221۔ وَ لَا تَنکِحُوا الْمُشْرِکَاتِ حَتَّی یُؤْمِنَّ وَ لَأَمَۃ مُّؤْمِنَۃ خَیْرٌ مِّن مُّشْرِکَۃ وَ لَوْ أَعْجَبَتْکُمْ وَ لَا تُنکِحُوا الْمُشْرِکِینَ حَتَّی یُؤْمِنُوا وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّن مُّشْرِکٍ وَ لَوْ أَعْجَبَکُمْ أُولَئِکَ یَدْعُونَ إِلَی النَّارِ وَ اللَّہ یَدْعُو إِلَی الْجَنَّۃ وَ الْمَغْفِرَۃ بِإِذْنِہ وَ یُبَیِّنُ آیَاتِہ لِلنَّاسِ لَعَلَّہمْ یَتَذَکَّرُونَ

ترجمہ:

۲۱۷۔ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو اس میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کے راستہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس میں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان کا بس چلے اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر کافر ہی مر جائے پس یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے عمل دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی دوزخی ہیں جو اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔
۲۱۸۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔
۲۱۹۔ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو ان میں بڑا گنا ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں

اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دو جو زائد ہو ایسے ہی الله تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔

۲۲۰. دنیا اور آخرت کے بارے میں اور یتیموں کے متعلق آپ سے پوچھتے ہیں کہہ دو ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے اور اگر تم انہیں ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور الله بگاڑنے والے کو اصلاح کرنے والے سے جانتا ہے اور اگر الله چاہتا تو تمہیں تکلیف میں ڈالتا بے شک الله غالب حکمت والا ہے۔

۲۲۱. اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور مشرک عورتوں سے ایمان دار لونڈی بہتر ہے گو وہ تمہیں بھلی معلوم ہو اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگر چہ وہ تمہیں اچھا ہی لگے یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور الله جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے اور لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

افاداتِ محمود

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الشَّہۡرِ الۡحَرَامِ اب جہاد کرنے میں کیا فوائد ہیں، کیا نقصانات ہیں، لیکن کمزور عقل کے لوگ اس کو نہیں مانتے۔
شان نزول:
واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کو قتال کے لیے بھیجا تو وہ جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ تھی، رجب داخل نہ ہوا تھا، رب شہر حرام ہے، مسلمانوں نے یہ سوچا کہ جمادی الثانیہ کے آخری ایام ہیں، اس لیے قتال کی اجازت ہے، انہوں نے قتال کیا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ چاند ہو گیا تھا تو اس پر کافروں نے بڑا شور مچایا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ اشہر حرم کا احترام بھی نہیں کرتے اور دیکھو یہ حضور ﷺ اپنے لوگوں کو قتل اور لوٹ مار کا حکم دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے یہ واقعہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ہم نے جرم کیا ہے، اس لیے ہم عفو کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اس پر یہ آیت اتری۔
وَصَدٌّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ
یہ کفار الله کے راستے سے روکتے ہیں جیسے حدیبیہ میں عمرہ و حج سے روکا تھا تو انہوں نے زمین حرم و حالت احرام کا احترام نہ کیا، حجاج کرام جب حج کو جاتے تھے تو بدنہ یعنی ہدی کا جانور ساتھ لے جاتے تھے۔ حجاج کے ہدایا کو دشمن سے دشمن بھی ہاتھ نہ لگاتے تھے، جب ہدی کا احترام ہے تو خود انسان کا احترام کیوں نہیں ہے۔ انہوں نے خود محرم کی بے حرمتی کی، لیکن اس کے ہدی کا احترام کیا تو اس کا ذکر فرمایا:
وَ اِخۡرَاجُ اَہۡلِہٖ مِنۡہُ الخ
مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور بھی کر دیا تھا۔ یہ الله کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔
اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَجٰہَدُوۡا اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ وہ صحابہ کہ جنہوں نے رجب کے پہلے دنوں میں قتال کیا تو الله کے عدم مواخذہ کا علم تو ہو گیا تھا، لیکن صحابہ کرام کو یہ شبہ ہوا کہ اب اس جہاد پر ثواب ملے گا یا نہیں؟ تو الله تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل کر دی۔
یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ قُلۡ فِیۡہِمَاۤ الخ۔ شراب اور جوے کے بارے میں لوگ پوچھتے تھے کیونکہ ابتدائے اسلام میں شراب کا رواج تھا اور جوا بھی عام تھا، یہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا، لیکن صحابہ کرام سمجھ گئے تھے کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے۔ چند ایک اکابر صحابہ بالکل پرہیز کرتے تھے۔ عام لوگ مٹکے بھر بھر کے رکھتے تھے، اسلام نے اس کو بیک وقت منع نہیں کیا اس میں بڑی حکمت تھی کہ شراب کافی الفور چھوڑ دینا مشکل کام ہے۔ اس لیے تدریجاً چھڑوائی گئی۔
شراب کے مفاسد:
(1) شراب نوشی کی پہلی خرابی یہ ہے کہ عقل ختم ہو جاتی ہے کہ عقل کا مقصد بری باتوں سے روکنا ہے۔ شراب پینے والا عقل کھو دیتا ہے۔
(2) شرابی لڑائی بھی کرتے ہیں اور اس میں روحانی و جسمانی امراض بھی بہت ہیں۔ اس طرح جوا بھی حرام ہے کہ جواری کبھی کبھی اہل و عیال کا تمام نفقہ ہار جاتا ہے، لیکن اس میں کچھ منافع بھی ہیں۔ جیسے شراب کے پینے سے سرور و کیف حاصل ہوتا ہے اور جوے میں محنت و مشقت کے بغیر مال ہاتھ آ جاتا ہے، لیکن موازنہ کیا جائے تو یہ بات کھلتی ہے کہ وَاِثۡمُہُمَاۤ اَکۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِہِمَا اور ان دونوں (شراب نوشی و جوا) کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ اس آیت میں صراحتاً منع نہیں کیا گیا، بلکہ فرمایا گیا کہ اس میں خرابیاں اور منافع دونوں ہیں۔ ہوشیار صحابہ سمجھ گئے کہ یہ حرام ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے چھوڑ دیا، کیونکہ نفع کم اور گناہ زیادہ ہے اس طرح برائی دل میں بیٹھ گئی۔

پھر دوسری آیت نازل ہوئی:
یَا أَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا لا تَقرَبُوا الصَّلاۃَ وَأَنتُم سُکَارَی حَتَّی (النساء: 43)
اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ درآنحالیکہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔
یہاں آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب یہ چھوڑنا مشکل ہے تو پھر سرحد میں آپ نے پابندی کیوں لگائی؟
یہاں چودہ سو سال سے اسلام نافذ تھا، یہاں چند آدمی پیتے تھے، چودہ سو سال پہلے منع کیا گیا، اس لیے رعایت نہیں کی جا سکتی تھی اور منع کرنا آسان بھی تھا۔
اس آیت میں نماز کے اوقات میں منع کر دیا تو محدود حرمت آئی۔ تیسری آیت بالکل آخر میں آئی یہ سورۃ مائدہ کی آیت ہے:
یَا أَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنَّمَا الخَمرُ وَالمَیسِرُ وَالأنصَابُ وَالأزلامُ رِجسٌ مِن عَمَلِ الشَّیطَانِ فَاجتَنِبُوہُ لَعَلَّکُم تُفلِحُونَ۔
اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک شیطانی عمل ہیں سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدہ: 90)
اب یہ صریح حرام ہو گئی۔ صحابہ کرام نے گھروں کے مٹکے توڑ دیے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ ابو طلحہ انصاری کے گھر میں مٹکے تھے جن پر انہوں نے پتھر دے مارے۔ سارے مٹکے ٹوٹ گئے۔ بہرحال صریح حکم آنے کے بعد صحابہ کرام نے بے مثال، مثال قائم کی کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب موسلا دھار بارش کے پانی کی طرح بہتی رہی۔
وَیَسئَلُونَکَ مَاذَا یُنفِقُونَ پس قُلِ العَفوَ۔
پہلے سوال کیا گیا تو مصارف بتلا کر جواب دیا گیا تھا۔ اس لیے وہ مطمئن نہ تھے، دوبارہ یہ سوال کیا گیا تو فرمایا العفو یعنی جو ضرورت سے زائد ہو یعنی دنیا و آخرت کی ضرورت کو دیکھ کر خرچ کرو۔ خیر الصدقۃ ما تکون من ظھر غنی (الحدیث) یعنی ضرورت سے زائد ہو تو یہ عام مسلمانوں کے لیے حکم ہے، اس لیے کہ اگر پہلے تو سارا مال دیا پھر بعد میں نادم ہوا تو سارا ثواب ختم ہو گیا، لیکن خواص کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے، وہ تو ایک پیسہ بھی نہ رکھتے تھے، جیسے صدیق اکبر کہ انہیں بعد میں پشیمانی و ندامت نہیں ہوتی تھی۔ ایمان و توکل سے ان کا دل معمور تھا۔
وَیَسئَلُونَکَ عَنِ الیَتٰمیٰ الخ۔
اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور نابالغ بچے رہ جائیں تو وارثوں کے ذمہ ان کی دیکھ بھال فرض ہے اور ان بچوں کا مال میں پورا پورا حصہ ہوتا ہے۔ یتیم کا مال کھانا بہت بڑا جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا الخ۔ بیشک وہ لوگ جو ظالمانہ روش سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، بیشک وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام یتیموں کے معاملہ میں پریشان ہو گئے کہ ذرا سی غلطی سے بہت بڑا نقصان ہو گا۔ ان کا کھانا پینا آٹا وغیرہ سب کچھ ایک ہی گھر میں الگ رکھا جائے تو ہرج عظیم لازم آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو قل اصلاح لھم خیر ارشاد فرما کر حل کر دیا یعنی تم ان کے مالوں کو اس طرح کنٹرول کرو کہ ان کی بھلائی ہو اور تمہاری نیت میں کھوٹ نہ ہو تو تھوڑی بہت لغزش معاف ہو جائے گی۔
وَاللّٰہُ یَعلَمُ المُفسِدَ مِنَ المُصلِحِ یعنی مال کھانے کی نیت سے خلط نہ کرو اور اندازہ رکھو کہ یہ مال اپنے اوپر خرچ نہ کریں۔

وَلَا تَنکِحُوا المُشرِکٰتِ الخ۔ ابتدا اسلام میں کافر و مشرک عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا۔ اس حکم کو یہاں منسوخ کر دیا گیا۔ مشرک کوئی بھی ہو، لیکن مومن غلام اس سے اچھا ہے۔ تم کسی مسلمان لڑکی کو مسلمان غلام کے عقد میں دے دو یہ بہتر ہے اس سے کہ تم مشرک کو دے دو۔
اس طرح حدیث میں ہے حضرت ام سلیم جو حضرت انس کی والدہ تھیں۔ ابو طلحہ انصاری نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ جبکہ یہ ابو طلحہ مسلمان نہ تھے، ام سلیم مسلمان تھیں۔ انہوں نے فرمایا:
مثلک یا ابا طلحۃ لا یرد ولکنی امراۃ مسلمۃ وانت رجل مشرک۔
اے ابو طلحہ تیرے جیسے شخص کے پیغام کو رد تو نہیں کیا جا سکتا، لیکن میں ایک مسلمان خاتون ہوں اور تو مشرک شخص ہے۔ (رواہ النسائی)
ابو طلحہ نے مسلمان ہو کر نکاح کر لیا اور فمرایا فذالک مھرھا یہ مسلمان ہونا ہی مہر تھا۔ باقی یہ الگ مسئلہ ہے کہ یہ مال قرار پاتا ہے یا نہیں۔ مہر میں مال دینا پڑتا ہے۔ بہرحال مسلمان کا نکاح مشرک سے جائز نہیں ہے۔

رکوع ۲۸

222. وَ يَسْأَلُونَکَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ ہوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِى الْمَحِيضِ وَ لَا تَقْرَبُوہنَّ حَتَّى يَطْہرْنَ فَإِذَا تَطَہرْنَ فَأْتُوہنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّہ إِنَّ اللَّہ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَہرِينَ
223. نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِيتُمْ وَ قَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَ اتَّقُوا اللَّہ وَ اعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوہ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ
224. وَ لَا تَجْعَلُوا اللَّہ عُرْضَۃ لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَ تَتَّقُوا وَ تُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَ اللَّہ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
225. لَّا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّہ بِاللَّغْوِ فِى أَيْمَانِكُمْ وَ لَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَ اللَّہ غَفُورٌ حَلِيمٌ
226. لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَايہمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَۃ أَشْہرٍ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّہ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
227. وَ إِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّہ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
228. وَ الْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِہنَّ ثَلَاثَۃ قُرُوءٍ وَ لَا يَحِلُّ لَہنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّہ فِى أَرْحَامِہنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّہ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ بُعُولَتُہنَّ أَحَقُّ بِرَدِّہنَّ فِى ذَلِکَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَ لَہنَّ مِثْلُ الَّذِى عَلَيْہنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْہنَّ دَرَجَۃ وَ اللَّہ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

ترجمہ:

۲۲۲. اور آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو وہ نجاست ہے پس حیض میں عورتوں سے علیٰحدہ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو لیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور بہت پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
۲۲۳. تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ اور اپنے لیے آئندہ کی بھی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم ضرور اسے ملو گے اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو۔
۲۲۴. اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ نیکی اور پرہیز گاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے سے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔
۲۲۵. اللہ تمہیں تمہاری قسموں میں بے ہودہ گوئی پر نہیں پکڑتا لیکن تم سے ان قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جن کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہو اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔
۲۲۶. جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔
۲۲۷. اور اگر انہوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔
۲۲۸. اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ چھپائیں جو اللہ نے ان کے پیٹوں میں پیدا کیا ہے اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے خاوند اس مدت میں ان کو لوٹا لینے کے زیادہ حق دار ہیں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں اور دستور کے مطابق ان کا ویسا ہی حق ہے جیسا ان پر ہے اور مردوں کو ان پر فضیلت دی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

افادات محمود

وَيَسَئلُونَکَ عَنِ المَحِيضِ الخ۔
کفار کے ہاں حائضہ عورت کے ساتھ سلوک کرنے میں افراط و تفریط تھی۔ مجوسی اور یہودی عورت کو حالت حیض میں کمرہ میں اکٹھے بھی نہیں رہنے دیتے تھے۔ ان کے ہاتھ سے کھانا کھانا بھی بند کر دیتے تھے۔ ان سے بڑی سخت نفرت کرتے تھے، لیکن نصاریٰ نے تفریط کی، نصاریٰ عورتوں کے ساتھ حالت حیض میں مجامعت کرتے تھے۔ نصاریٰ اب بھی غلیظ ہیں، اسلام نے اعتدال کا حکم دیا کہ حیض کی حالت میں مجامعت جائز نہیں ہے، لیکن گھر میں رہنا اور بقیہ ہر قسم کا اختلاط جائز ہے اور ایک برتن میں کھانا بھی جائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:
عن عائشہ قالت کنت اشرب وانا حائض ثم انا ولہ النبیﷺ فیضع فاہ علی موضع فی فیشرب واتعرق العرق وانا حائض ثم انا ولہ النبیﷺ فیضع فاہ علی موضع فی۔ (مسلم)
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں ایام حیض میں ہوتی تھی پانی پی کر (برتن) حضورﷺ کو دے دیتی تھی تو حضور اس جس جگہ منہ رکھ کر نوش فرماتے تھے جدھر میرا منہ رکھا ہوا تھا اور مجھ کو پسینہ بھی آ چکا ہوتا اور میں ایام میں ہوتی تھی تو پانی پی کر پھر حضورﷺ کو (برتن) دے دیتی تھی آپ وہیں منہ لگا کر جہاں میرا منہ لگا ہوا ہوتا تھا نوش فرما لیتے تھے۔
گویا حائضہ کا لعاب بھی مل جائے تو اس سے بھی پرہیز نہیں ہے، لیکن دوسرے امور کے بارے میں فرمایا:

من اتی حائضا او امراۃ فی دبرھا فقد کفر بما انزل علی محمدﷺ (الترغیب والترہیب)
جس شخص نے حائضہ عورت سے مجامعت کی یا عورت کے ساتھ خلاف فطرت کام کیا تو تحقیق اس نے محمدﷺ کے دین کا انکار کیا۔
یعنی دونوں جگہ تلویث بالنجاسۃ (گندگی سے آلودہ ہونا) ہوتا ہے۔
اس جملہ سے بعض بیوقوفوں نے اتیان فی الدبر کا استدلال کیا ہے، بلکہ در حقیقت اس میں یہود کے ایک عقیدہ پر رد ہے کہ یہود وطی فی القبل من جانب الدبر کو ناجائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اس ہیئت کے ساتھ وطی کی جائے تو بچہ احول یعنی کانا ہوتا ہے۔ بہرحال فَأْتُوا حَرْثَكُم خود دال ہے کہ محل استمتاع وہ جگہ ہے جو محل حرث ہے اور دبر چونکہ محل حرث نہیں ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حضورﷺ نے بھی متعدد سوالوں کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ فی صحاخ واحد یعنی کیفیت جو بھی ہو لیکن محل استمتاع صرف قبل ہے، اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اتیان فی الدبر کبیرہ گناہ ہے۔
حالت حیض میں وطی سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ حیض کی وجہ سے عارضی طور پر وطی منع ہے، باقی محل تو وہی ہے، لیکن لواطت میں وہ محل ہی نہیں ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس بے حیائی کے مرتکب صرف انسان ہی ہو رہے ہیں۔
حیوان یہ کام نہیں کرتے۔ ایک گدھا گدھی کے پیچھے تین میل چلا جاتا ہے، لیکن اس کا ذہن اس طرف نہیں جاتا۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولئک کالانعام بل ہم اضل۔ جب انسان اپنے مقصد سے ہٹ جاتا ہے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ زنا جرم ضرور ہے، لیکن اس طرح خلاف فطرت کام نہیں جیسے لواطت ہے، لہذا زنا کی سزا یا تو رجم ہے یا کوڑے ہیں، لیکن لواطت کی سزا یا تو پہاڑ کے اوپر سے نیچے گرا دینا ہے یا اس جرم کے مرتکب کے اوپر چٹان گرا دینا ہے وغیرہ۔ یہ ایسی سزا ہے جیسی قوم لوط کو ملی تھی۔

سورۃ بقرہ کو سنام القرآن کہا گیا ہے:
سورۃ بقرہ میں چونکہ بہت سارے احکام مسائل بیان ہوئے ہیں اس وجہ سے اس کو سنام القرآن کہا گیا ہے۔ اب آگے یمین و قسم کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:
وَلَا تَجعَلُوا اللّٰہَ عُرضَۃً لِّاَیمَانِکُم الخ
یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ، قسمیں کھانا اچھی بات نہیں ہے، خصوصاً کسی نیک عمل سے رک جانے کی قسم کھانا تو کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے، اگر کسی نیک عمل سے رک جانے کی قسم کھائی تو قسم منعقد ہو جائے گی اور کفارہ دے کر اس قسم کو توڑ دینا چاہیے۔ چنانچہ حضورﷺ کا ارشاد ہے:
لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا اتیت الذی ہو خیر و تحلل تھا۔ (بخاری)
میں جب کبھی قسم کھا لیتا ہوں اور بہتری اس کے سوا کسی اور چیز میں دیکھتا ہوں تو وہ اچھا کام جس کے خلاف میں نے قسم اٹھائی تھی کر گزرتا ہوں اور قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔
اسی طرح حضرت صدیق اکبر کا واقعہ بخاری میں تفصیل سے موجود ہے۔ جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ پر الزام تراشی کی تو بعض ناواقف اور سادہ لوح مسلمانوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ان میں سے ایک حضرت مسطح بھی تھے۔ ان کی والدہ حضرت صدیق اکبر کی خالہ زاد بہن تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیق ان پر بہت کچھ خرچ فرماتے تھے، لیکن جب اس نے منافقین والی باتیں مدینہ میں اڑائیں اور اللہ کے حبیب اور اللہ کے حبیب کی حبیبہ کو اذیت پہنچائی تو حضرت صدیق اکبر نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح اور اس کے گھر والوں پر کچھ خرچ نہ کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
ولا یاتیل اولو الفضل منکم والسعۃ ان یاتوا اولی القربی و المسکین و المھجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم۔
اور نہ قسم کھانی چاہیے بزرگی والوں کو تم میں سے اور مقدور والوں کو اس بات سے کہ وہ دیں مال قرابت والوں اور مسکینوں اور ہجرت کرنے والوں کو راہ میں اللہ کی اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ معاف کر دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم والا ہے۔
سبحان اللہ کیا مقام ہے براہ راست ابو بکر کو عفو و درگزر کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبر نے اس ترغیب کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:
واللہ انی لاحب ان یغفر اللہ لی فرجع الی مسطح النفقۃ التی کان ینفق علیہ وقال واللہ لا انزعھا عنہ ابدا (بخاری شریف)
بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ میرا اللہ مجھ کو معاف کر دے تو مسطح کا وہ نان و نفقہ (جو پہلے آپ حضرت مسطح پر خرچ کرتے تھے) بحال کر دوں اور فرمایا کہ قسم ہے اللہ کی اب یہ نفقہ کبھی بند نہ کروں گا۔
خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کسی بھی نیک عمل سے اگر غلطی سے کسی نے قسم کھالی تو کفارہ دے کر اس قسم کا توڑنا واجب ہے۔

جیسا کہ حدیث بھی گزر چکی ہے اور صدیق اکبر کا عمل بھی آپ کے سامنے ہے۔
اب جو الیکشن کے دوران میں لوگ قسم دیتے دلاتے ہیں کہ ووٹ ہمیں دو گے تو اگر وہ شخص شرعاً ووٹ کا مستحق نہ ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہیے اور نا اہل کو ووٹ نہ دینا چاہیے۔
احکام و اقسام یمین:
وَلٰكِن يُّؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَت قُلُوبُكُم الخ۔ بعض لوگوں کی زبان سے بیہودہ قسمیں نکل جاتی ہیں۔
ان پر کفارہ اگرچہ نہیں ہوتا، لیکن یہ ایک قبیح و مذموم عمل ہے۔ چنانچہ فقہاء نے یمین کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ (1) یمین لغو (2) یمین غموس (3) یمین منعقدہ۔ یمین لغو کا تعلق ظن سے ہوتا ہے یعنی ماضی سے متعلق کوئی شخص قسم کھا لے کہ یہ فلاں بات ہو گئی ہے اور وہ بات فی الواقع نہ ہوئی اور قسم کھانے والا اپنے گمان کے مطابق سچا ہو۔
(2) غموس کے معنی چونکہ پانی میں ڈوبنے کے ہیں تو جھوٹی قسم کھانے کی وجہ سے انسان غموس فی النار کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ یمین غموس یہ ہے کہ ماضی یا حال سے متعلق جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھانا۔ علم کے باوجود یہ کہنا کہ فلاں کام نہیں ہوا۔ پھر بھی جھوٹی قسم کھا کر اس کے ہو جانے کا دعوی کرنا۔ یہ بیشک گناہ کبیرہ ہے، اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اس کے لیے صرف اپنے رب سے توبہ کرنی چاہیے، آج کل عدالتوں میں جو قسمیں دلائی جاتی ہیں، وہ سب یمین غموس میں داخل ہیں۔
(3) اور یمین منعقدہ یہ ہے کہ مستقبل سے متعلق قسم اٹھائی جائے کہ فلاں کام نہ ہو گا یا میں یہ کام نہ کروں گا تو وہ کام ہو جانے یا کر لینے کی صورت میں کفارہ لازم ہو گا۔ شوافع کے ہاں یمین لغو کی تفسیر یہ ہے کہ بات بات پر قسم کھانا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یمین لغو و یمین غموس میں کفارہ نہیں اور یمین لغو میں مواخذہ نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں صراحت سے واضح ہے کیونکہ نسیان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرماتے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:
رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔ حضورﷺ نے فرمایا میری امت کی بھول چوک معاف ہے اور یمین منعقدہ اگر توڑ دی گئی تو کفارہ لازم ہو گا۔ یہی مراد ہے بما کسبت قلوبکم سے۔ حلیم مقال ہے جلد باز کے۔ اللہ تعالیٰ جلد باز نہیں ہے، گویا یمین لغو میں جو کمزوری ہم سے سرزد ہوئی وہ ہمارے خمیر میں رکھی گئی تھی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ جلد بازی سے سزا نہ دیں گے۔ وہ بردبار ہیں۔
لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَابِہِم الخ
احکام ایلاء:
ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں جیسا کہ ولا یاتل الو الفضل الخ میں یہ آیت پیچھے گزر چکی ہے اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ چار ماہ یا زائد مدت کے لیے قسم کھانا کہ بیوی کے قریب نہ جاؤں گا۔ یا کوئی یہ قسم کھا لے کہ بیوی کے پاس تا ابد کبھی بھی نہ جاؤں گا۔ اگر چار ماہ مکمل ہونے سے پہلے بیوی کی طرف رجوع کر لیا تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور قسم کھانے کے بعد اس حال پر چار مہینے گزر گئے تو بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ حضورﷺ نے صرف ایک ماہ کے لیے ایلاء فرمایا تھا اور 29 تاریخ کو جب گھر والوں کو ملے تو حضرت صدیقہ نے کہا کہ حضور میں تو گنتی کرتی رہی۔ مہینہ پورا نہیں ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا الشھر ھکذا وھکذا یعنی آپ نے ہاتھوں کے اشارہ سے سمجھا دیا کہ مہینہ 29 دن کا بھی ہوتا ہے اور 30 دن کا بھی ہوتا ہے۔ یہ مہینہ 29 دن کا ہے۔
ایلاء کے لیے قسم کھانا شرط ہے:
مودودی صاحب نے کہا ہے کہ ایلاء کے لیے قسم کھانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ ویسے ہی اگر کوئی شخص بیوی سے چار ماہ الگ رہا تو بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ ایلاء نام ہی قسم کھانے کا ہے۔ قسم کو محض شرط کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ایلاء اور قسم ایک ہی چیز ہے۔ حالانکہ قانون یہ ہے کہ شرط شیئ خارج شیئ ہوتی ہے۔ مودودی صاحب کو یہ بھی پتا نہ چل سکا کہ قسم ایلاء کا رکن ہے یا شرط ہے؟ وہ ایلاء کے معنی ہی نہ سمجھ سکے۔ مودودی صاحب کی رائے کے مطابق جو شخص چار ماہ سفر پر رکھ کر گھر والوں سے الگ رہے تو اس کی بیوی تو گئی۔
فَاِن فَاءُو الخ اگر چار ماہ سے کم مدت کے لیے قسم کھائی کہ بیوی کے قریب نہ جاؤں گا۔ اس نے اگر قسم کی مدت پوری کی تو نہ کفارہ، نہ طلاق اور اگر مدت مکمل ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔
وَالمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصنَ الخ۔ قروء قرء کی جمع ہے۔ قرء کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس سے حیض اور بعض نے طہر مراد لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لغت عرب میں قرا حیض اور طہر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تفسیر میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے ہاں تین حیض مراد ہیں لیکن اس سے مراد وہ عورت ہے جو حاملہ نہ ہو، کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔
عدت کے احکام:
عورتیں چونکہ مختلف قسم کی ہوتی ہیں لہٰذا اس اعتبار سے عدت کے احکام مختلف ہوں گے۔

(1) اگر عورت غیر مدخول بہا ہو (یعنی اس سے ازدواجی تعلق نہ ہو) اور اسے طلاق ہو جائے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ۔
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے، پھر تم طلاق دے دو انہیں اس سے پہلے کہ تم چھوؤ ان کو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں۔ (الاحزاب: 49)
(2) اور اگر عورت مدخول بہا ہو تو حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش ہے، خواہ اسے طلاق ہو جائے یا اس کا شوہر فوت ہو جائے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے---
وَأُولاتُ الأحمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعنَ حَملَهُنَّ (الطلاق: 4)
اور جو حمل والیاں ہیں ان کی عدت ہے وضع حمل کرنا۔
حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ متوفی عنها زوجها کی عدت ابعد الاجلین ہے جبکہ حاملہ ہو یعنی جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو غیر حاملہ ہونے کی صورت تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل ہے اور وضع حمل ایک گھنٹے کے بعد بھی ہو سکتا ہے، ایک دن، ایک ماہ یا چند ماہ کے بعد بھی ہو سکتا ہے، لہذا وہ ان دونوں میں سے زیادہ عرصے والی عدت گزارے گی خواہ وہ زیادہ وقت وضع حمل میں ہو یا چار ماہ دس دن میں ہو۔
(3) اور اگر عورت مدخول بہا ہو اور اسے طلاق ہو جائے اور اسے حیض بھی آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہواریوں کا گزر جانا ہے جیسا کہ اسی آیت میں مذکور ہے۔
(4) اور اگر عورت مدخول بہا ہو اور اسے طلاق جائے، لیکن اسے حیض نہ آتا ہو خواہ بڑھاپے کی وجہ سے یا نوعمر ہونے کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:
وَاللائِی يَئِسنَ مِنَ المَحِيضِ مِن نِسَائِكُم إِنِ ارتَبتُم فَعِدَّتُهُنَّ ثَلاثَةُ أَشهُرٍ وَاللائِی لَم يَحِضنَ (طلاق: 4)
اور جو عورتیں مایوس ہو گئیں حیض سے تمہاری بیبیوں میں سے اگر تمہیں کچھ شبہ ہو تو ان کی عدت ہے تین مہینے اور ان کی بھی جن کو ابھی حیض نہیں آیا۔
(5) اور اگر عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:
وَالَّذِينَ يُتَوَفَّونَ مِنكُم وَيَذَرُونَ أَزوَاجًا يَتَرَبَّصنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَربَعَةَ أَشهُرٍ وَعَشرًا۔ (بقرہ: 234)
اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی بیویاں، وہ بیویاں انتظار کریں اپنے اوپر چار مہینے دس دن۔
شرعی عدت اور ہمارے عائلی قوانین:
ہمارے عائلی قوانین میں عورت کی عدت کے لیے 90 دن مقرر ہیں۔ آگے اس کے نہ کوئی تفصیل ہے، نہ وضحت، حالانکہ حیض کے ذریعے گزرنے والی عدت 39 دن کی بھی ہو سکتی ہے، اور یہ کم سے کم مدت ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ اگر طہر کے اختتام پر طلاق دی ہو اور متصل ہی حیض شروع ہو جائے اور یہ بات سب پر عیاں ہے کہ حیض کی کم از کم مدت 3 دن اور طہر کی کم از کم مدت 15 دن ہے۔ تو پہلے حیض 3 دن دن پھر طہر 15 دن پھر حیض 3 دن پھر طہر 15 دن پھر تیسرا حیض 3 دن یہ کل 39 دن ہو گئے۔ گویا عدت کی کم از کم مدت 39 دن ہو سکتی ہے، لیکن عائلی قوانین بنانے والوں نے 90 دن مقرر کیے ہیں۔ یہ اب بھی بضد ہیں۔ کسی کی بات سننے اور سمجھنے کے روادار نہیں ہیں لیکن یہ انتہائی بے وقوفی کی بات ہے۔ عدت کو 90 دن کے ساتھ خاص کرنا صریح نص کے مخالف ہے۔ یہ 90 دن والی عدت صرف دو قسم کی عورتوں کی عدت ہو سکتی ہے۔
(1) جس لڑکی کو صغر سنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ (2) جس عورت کو بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، پھر مزے کی بات یہ ہے کہ جو عورت غیر مدخول بہا ہو اور اسے طلاق دی جائے تو اس کی عدت ہے ہی نہیں، لیکن عائلی قوانین میں اس کے لیے بھی 90 دن مقرر ہیں۔ یہ صریح نص کی مخالفت ہے، لیکن وہ لوگ بضد ہیں۔ اب اس قانون کو بدلتے بھی نہیں۔
وَلِلرِّجَالِ عَلَيهِنَّ دَرَجَةٌ
اس سے معلوم ہوا کہ طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہے عورت کو نہیں ہے۔

رکوع ۲۹

229. الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَن يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَ مَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ
230. فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّى تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
231. وَ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَ لَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَ مَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَ لَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ مَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

ترجمہ:

۲۲۹. طلاق دو مرتبہ ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دنیا ہے اور تمہارے یے اس میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں جو تم نے انہیں دیا ہے مگر یہ کہ دونوں ڈریں کہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت معاوضہ دے کر پیچھا چھڑا لے یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا سو وہی ظالم ہیں۔
۲۳۰. پھر اگر اسے طلاق دے دی تو اس کے بعد اس کے لیے وہ حلال نہ ہو گی یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں اگر ان کا گمان غالب ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم سکیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں وہ انہیں کھول کر بیان کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔
۲۳۱. اور جب عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں حسن سلوک سے روک لو یا انہیں دستور کے مطابق چھوڑ دو اور انہیں تکلیف دینے کے یے نہ روکو تاکہ تم سختی کرو اور جو ایسا کرے گا تو وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا اور اللہ کی آیتوں کا تمسخر نہ اڑاؤ اور اللہ کے احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے اور جو اس نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری ہے کہ تمہیں اس سے نصیحت کرے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

افادات محمود

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الخ۔ ابتدا میں مردوں کو اختیار تھا کہ وہ جتنی جی چاہے طلاقیں دے دیتے۔ وہ بعد میں رجوع کر سکتے تھے، لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ مقرر فرما دیا، ماضی میں عورتوں پر ظلم ہوتا تھا ان کی حق تلفی ہوتی تھی اور ان کو ایذا پہچانے کے لیے بار بار طلاق دی جاتی تھی۔ پھر رجوع کیا جاتا تھا، اب ضابطہ بتلا دیا گیا کہ اب دو طلاق کے بعد تو رجوع کر سکتے ہو، لیکن تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اب اگر کسی اور جگہ عورت کی شادی ہو جاتی ہے اور اتفاقا دوسرا شوہر بھی طلاق دے دیتا ہے یا خدانخواستہ فوت ہو جاتا ہے تو عدت گزار کر وہ عورت پہلے شوہر کے نکاح میں عقد ثانی سے آ سکتی ہے۔
فَاِن خِفتُم اَلَّا یُقِیمَا حُدُودَ اللّٰہِ ۙ فَلَاجُنَاحَ عَلَیھِمَا فِیمَا افتَدَت بِہٖ۔
اب یہاں سے خلع کا مسئلہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر نباہ نہ ہو سکے اور عورت کو خواہش ہو کہ اسے جدا کر دیا جائے تو اس صورت میں اگر نشوز (غلطی) مرد کی طرف سے ہے تو عورت سے کچھ لینا گناہ ہے۔ اس کو ویسے ہی طلاق دے دینی چاہیے۔ اگر نشوز اور غلطی عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے لیے طلاق کے عوض مال لینا یا مہر معاف کرانا، یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ چنانچہ ایک صحابیہ حضور کی خدمت میں حاضر کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے شوہر سے جدائی کا تذکرہ کیا۔ حضور نے اس عورت سے فرمایا کہ جو باغ تجھ کو مہر میں ملا ہے، کیا تو اسے واپس کر دے گی؟ کہنے لگی ہاں۔ چنانچہ بطور مہر لیا ہوا باغ اس عورت نے واپس کر دیا اور شوہر نے طلاق دے دی، اسی کا دوسرا نام خلع ہے۔
خلع: لفظ خلع سے بھی ہوتا ہے اور طلاق سے بھی ہو جاتا ہے جبکہ مقابلہ میں مال وغیرہ ہو۔
حَتّٰی تَنکِحَ زَوجًا غَیرَہٗ الخ۔ حلالہ کا یہ تصور ہے کہ حلال کرنے کے لیے نکاح کرو اور پھر طلاق دو۔ کیونکہ حضور ﷺ نے محلل اور محلل لہ دونوں پر لعنت فرمائی، البتہ حلالہ کی اتفاقی صورت درست ہے کہ شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے کہ حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ عدت گزارنے کے بعد اس نے دوسری جگہ شادی کر لی، لیکن وہ شخص نامرد تھا۔ وہ خاتون حضور ﷺ سے پوچھنے لگی کہ اب دوسرے شوہر نے بھی طلاق دے دی ہے، کیا میں پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ عقد کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لا حتی یذوق

الاخر عسیلتک وتذوقی عسیلتہ یعنی دوسرے شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ عورت سے ہم بستری کرے۔ صرف نکاح سے شوہر اول کے لیے حلال نہ ہو گی۔ لفظ نکاح لغت عربی کے اعتبار سے عقد نکاح اور وطی دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں (تنکح) کو جماع کے معنی میں مراد لیا ہے، لیکن مجھ کو یہ توجیہ پسند نہیں ہے، کیونکہ تنکح کا فاعل عورت ہے اور وطی کی نسبت اس نوعیت سے عورت کی طرف کرنا مناسب نہیں ہے۔ وطی کا فاعل حقیقت میں مرد ہی ہوتا ہے، البتہ اگر مفاعلہ کا باب ہوتا تو گنجائش تھی، لیکن یہاں ثلاثی مجرد کا باب استعمال ہوا ہے تو یہ عقد نکاح کے معنی ہی میں ہے اور وطی جو عقد ثانی میں شرط ہے، یہ حدیث عسیلہ سے ثابت ہے۔ یہ خبر مشہور ہے اگرچہ بعض لوگوں نے اسے خبر واحد بھی کہا ہے۔

رکوع ۳۰

232۔ وَ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَہنَّ فَلَا تَعْضُلُوہنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَہنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَہم بِالْمَعْرُوفِ ذَلِکَ يُوعَظُ بِہ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ
بِاللَّہِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَ أَطْہرُ وَ اللَّہُ يَعْلَمُ وَ أَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
233۔ وَ الْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَہنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَۃَ وَ عَلَى الْمَوْلُودِ لَہ رِزْقُہنَّ وَ كِسْوَتُہنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ
نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَہا لَا تُضَارَّ وَالِدَۃ بِوَلَدِہا وَ لَا مَوْلُودٌ لَّہ بِوَلَدِہ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِکَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْہمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْہمَا وَ إِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَ اتَّقُوا اللَّہَ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّہَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ
234۔ وَ الَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَ يَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِہنَّ أَرْبَعَۃَ أَشْہرٍ وَ عَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَہنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِی
أَنفُسِہنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَ اللَّہُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ
235۔ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِہ مِنْ خِطْبَۃِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِی أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّہُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَہنَّ وَ لَكِن لَّا تُوَاعِدُوہنَّ سِرًّا إِلَّا أَن
تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَ لَا تَعْزِمُوا عُقْدَۃَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَہ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّہَ يَعْلَمُ مَا فِی أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوہ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّہَ غَفُورٌ
حَلِيمٌ

ترجمہ:

۲۳۲۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو اب انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہو جائیں تم میں سے یہ نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے یہ تمہارے لیے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی کی بات ہے اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۲۳۳۔ اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں یہ اس کے لیے ہے جو دودھ کی مدت کو پورا کرنا چاہے اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے کسی کو تکلیف نے دی جائے مگر اسی قدر کہ اس کی طاقت ہو نہ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور وارث پر بھی ویسا ہی نان نفقہ ہے پھر اگر دونوں اپنی رضا مندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر کسی اور سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ تم دے دو جو دستور کے مطابق تم نے دینا ٹھہرایا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے۔

۲۳۴۔ اور جو تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس دن تک اپنے نفس کو روکنا چاہیئے پھر جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

۲۳۵۔ اور تم پر اس میں گناہ نہیں ہے کہ ان عورتوں کو اشارہ سے پیغام نکاح دو اور یا تم اسے اپنے دل میں چھپاؤ اللہ جانتا ہے کہ تمہیں ان عورتوں کا خیال پیدا ہو گا لیکن مخفی طور پر ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو مگر یہ کہ قاعدہ کے مطابق کوئی بات کہو اور جب تک میعاد نوشتہ پوری نہ ہو اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرتے رہو اور جان لو اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

افادات محمود

وَاِذَا طَلَّقتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغنَ اَجَلَہُنَّ الخ

یہاں بلوغ الی الاجل سے مراد یہ ہے کہ عدت قریب الاختتام ہو، کیونکہ عدت ختم ہونے کے بعد رجوع اور امساک والی بات صحیح نہیں رہتی۔ اس وجہ سے یہاں صاحب جلالین نے ای قاربن انقضاء عدتھن کو مقدر ٹھہرایا ہے یعنی طلاق رجعی کی صورت میں جب عدت ختم ہونے لگے اور دوبارہ بسانے کا ارادہ ہو تو رجوع کر لیا جائے۔ اگر دوبارہ بسانے کا ارادہ نہ ہو تو ایذا رسانی کے لیے رجوع نہ کرے، بلکہ بطریق احسن اس کو رخصت کر دے، ہمارے عائل قوانین کے مطابق تین طلاقوں کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے۔ چاہے دس بھی دے دے، تب بھی رجوع ممکن ہے۔

فَلَا تَعضُلُوھُنَّ اَن یَّنکِحنَ اَزوَاجَہُنَّ الخ

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت معقل بن یسار کی ہمشیرہ کو شوہر نے طلاق دے دی، جب عدت بھی گزر گئی تو سابق شوہر نے دوبارہ پیغام نکاح بھیج دیا۔ چونکہ طلاق رجعی میں شوہر انقضائے عدت کے بعد عقد ثانی سے رجوع کر سکتا ہے تو سابق شوہر نے پیغام دیا۔ عورت کا بھی میلا تھا کہ اسی شوہر سے عقد ثانی ہو جائے، لیکن حضرت معقل بن یسار، جو اس عورت کے بھائی ہیں، کو غصہ آیا اور انہوں نے بہن کو منع کر دیا کہ جب ایک شخص نے ایک دفعہ تجھ کو طلاق دے کر گھر سے باہر کر دیا۔ اب پھر تم اس گھر میں نہیں جاؤ گی۔ شریف اور عفیف عورتیں لوگوں کے پاس نہیں جایا کرتیں،ل کہ ولی ان کا نکاح کراتے ہیں، یہاں عورت کے میلان کے باوجود اس نے کوئی خفیہ ڈیل نہیں کی تو آیت ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو یہ ضابطہ سمجھا دیا کہ جب شرعی رکاوٹ نہ ہو اور میاں بیوی دونوں رجوع پر رضامند ہوں تو لڑکی کے اولیاء یا لڑکے کے عزیز و اقارب اس میں رکاوٹ نہ بنیں اور گزشتہ اختلافات طلاق وغیرہ کی وجہ سے انتقامی کار روائی نہ کریں۔

وَالوَالِدٰتُ یُرضِعنَ اَولَادھُنَّ الخ۔

طلاق کبھی ایسے موقع پر دی جاتی ہے کہ بچے چھوٹے ہوتے ہیں، ان کی پرورش اور دودھ پلانے کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا اب دودھ پلانے کے احکام کا بیان ہے کہ اگر عورت کو طلاق ہو جائے تو اسے چاہیے کہ انتقامی کار روائی کے طور پر بچے کی خدمت و پرورش وغیرہ نہ چھوڑے۔ اسے دودھ پلانے کی مدت میں دودھ پلانا چاہیے، البتہ عورت کا حق الخدمت شوہر پر واجب ہو گا۔ اگر بچے کا والد زندہ ہے تو اس پر واجب ہے اور اگر والد زندہ نہ ہو تو دیگر ورثاء پر واجب ہے کہ عورت کی خدمت کریں اور اس کے نان و نفقہ وغیرہ کا انتظام کریں۔ طلاق کے بعد عورت پر اپنے بچے کو دودھ پلانا قضا واجب نہیں ہے دیانتہً واجب ہے۔

لَا تُضَارَّ وَالِدَۃٌبِوَلَدِھَا الخ۔

بچے کے معاملہ میں عورت کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ مثلاً اگر عورت خوشی سے دودھ پلانا نہیں چاہتی تو اس پر جبر کرنا یا اس کے نان و نفقہ اور حق الخدمت کا انتظام نہ کرنا یا بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی غیر عورت کے حوالہ کرنا جبکہ بچے کی والدہ دودھ پلانے کے لیے تیار ہو اور کوئی ناجائز مطالبہ بھی نہ کرتی ہو، یہ سب صورتیں ممنوع ہیں۔

مدت رضاعت اور جواز رضاعت میں فرق:

امام اعظم ابو حنیفہ کے ہاں مدت رضاعت ڈھائی سال ہے، جبکہ صاحبین کے ہاں دو سال ہے، یہ حضرات حولین کاملین سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اجرت پر دودھ پلانے سے متعلق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر بچے کی ضرورت دو سال میں پوری ہو گئی تو آگے ضرورت نہیں اور اگر بچے کی ضرورت ہو تو ڈھائی سال تک پلانا جائز ہے اور اس کے بعد ناجائز ہے۔

وَالَّذِینَ یُتَوَفَّونَ مِنکُم الخ۔ عورت کو دوران عدت پیغام دینا بھی حرام ہے، البتہ اشارات و کنایات استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

رکوع ۳۱

236۔ لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوہنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَہنَّ فَرِيضَۃ وَ مَتِّعُوہنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُہ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُہ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

237۔ وَ إِن طَلَّقْتُمُوہنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوہنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَہنَّ فَرِيضَۃ فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِی بِيَدِہ عُقْدَۃ النِّكَاحِ وَ أَن تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَ لَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللہ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

238۔ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَ الصَّلَاۃ الْوُسْطَى وَ قُومُوا لِلہ قَانِتِينَ

239۔ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللہ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

240۔ وَ الَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَ يَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّۃ لِّأَزْوَاجِہِم مَّتَاعًا إِلَی الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِی مَا فَعَلْنَ فِی أَنفُسِہِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ وَ اللَّہُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
241۔ وَ لِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِينَ
242۔ كَذَلِکَ يُبَيِّنُ اللَّہُ لَكُمْ آيَاتِہِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ
243۔ أَلَمْ تَرَ إِلَی الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِہِمْ وَ ہِمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَہُمُ اللَّہُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاہِمْ إِنَّ اللَّہَ لَذُو فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ
244۔ وَ قَاتِلُوا فِی سَبِيلِ اللَّہِ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّہَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

ترجمہ:

۲۳۶۔ تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب کہ انہیں ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور ان کے لیے کچھ مہر بھی مقرر نہ کیا ہو اور انہیں کچھ سامان دے دو وسعت والے پر اپنے قدر کے مطابق اور مفلس پر اپنے قدر کے مطابق سامان حسب دستور ہے نیکو کاروں پر یہ حق ہے۔
۲۳۷۔ اور اگر تمہیں انہیں طلاق دو اس سے پہلے کہ انہیں ہاتھ لگاؤ حالانکہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو نصف اس کا جو تم نے مقرر کیا تھا مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور تمہارا معاف کر دینا پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنا نہ بھولو کیوں کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔
۲۳۸۔ سب نمازوں کی حفاظت کیا کرو اور (خاص کر) درمیانی نماز کی اور اللہ کے لیے ادب سے کھڑے رہا کرو۔
۲۳۹۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار ہی (پڑھ لیا کرو) پھر جب امن پاؤ تو اللہ کو یاد کیا کرو جیسا اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔
۲۴۰۔ اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو انہیں اپنی بیویوں کے لیے سال بھر کے لیے گزارہ کے واسطے وصیت کرنی چاہیئے گھر سے باہر گئے بغیر پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ عورتیں اپنے حق میں دستور کے موافق کریں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔
۲۴۱۔ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے دستور کے موافق خرچ دینا پرہیز گاروں پر یہ لازم ہے۔
۲۴۲۔ اسی طرح اللہ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔
۲۴۳۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے حالانکہ وہ ہزاروں تھے پھر اللہ نے ان کو فرمایا کہ مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔
۲۴۴۔ اور اللہ کی راہ میں لڑو اور سمجھ لو کہ بے شک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

افاداتِ محمود

فَنِصفُ مَا فَرَضتُم الخ۔ عورت کو کچھ دینے سے متعلق یہاں کل چار صورتیں ہیں، کیونکہ طلاق قبل الدخول دی ہو گی یا بعد الدخول۔ پھر ہر ایک صورت دو قسموں پر منقسم ہے کہ مہر پہلے مقرر کیا ہو گا یا نہیں اور ہر قسم کا حکم الگ ہے۔
(1) اگر طلاق قبل الدخول دے دی اور مہر بھی مقرر نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں متعہ واجب ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے دیا:
وَّمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَی المُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَی المُقتِرِ قَدَرُهُ
یعنی ان عورتوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ صاحب استطاعت پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے۔ ان جملوں میں پہلی صورت کی طرف اشارہ ہے کہ جب عورت کو طلاق دے دی گئی، وہ بدنام بھی ہو گئی، اب اسے کچھ نہ کچھ ملنا چاہیے، اس میں ایک جوڑا کپڑے اور دیگر ضروریات زندگی شامل ہے، جو شخص صاحب استطاعت ہے، اسے چاہیے کہ فراخ دلی کا ثبوت دے اور جو تنگ دست ہے وہ اپنی طاقت و بساط کے مطابق کچھ دے دے۔
(2) اگر طلاق بعد الدخول دی گئی لیکن مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا تو اس عورت کے لیے شوہر پر مہر مثل واجب ہے۔ مہر مثل سے مراد یہ ہے کہ اس لڑکی کی بہنوں کو جو مہر دیا گیا ہے اور اس کی پھوپھیوں کو جیسا ابن مسعود فرماتے ہیں وھن اقارب الاب یعنی مثل سے مراد وہ عورتیں ہیں جو باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں، لیکن یہاں فقہاء نے مہر مثل کے لیے آٹھ صفات

میں مشترک ہونا بیان فرمایا ہے۔ (والتفصیل فی المطولات)
(3) اور اگر بعد الدخول طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر کیا جا چکا تھا تو پورا مہر دینا واجب ہے۔
(4) اور اگر قبل الدخول طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر کیا جا چکا تھا تو نصف مہر واجب ہے، یہاں یہ ذکر بے جا نہیں کہ مہر فاطمی (130) تولہ چاندی ہے۔ آج کل اس کی مالیت 2080 روپے ہے (یہ مالیت 1976 ء کے نرخ کے مطابق ہے) یہ مالیت چاندی کی قیمت کے کم یا زیادہ ہونے سے کم یا زیادہ ہو جائے گی۔
حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ الخ. اب عود ہے حقوق العباد سے حقوق اللہ کی طرف، راجح مذہب کے مطابق صلوۃ وسطی سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اگرچہ ہر ایک نماز صلوۃ وسطی کا مصداق بن سکتی ہے اور اکابر احناف کے ہاں فرض نماز سواری پر جائز نہیں ہے۔ اگر حملے کا خطرہ ہو تو صلوۃ خوف ادا کرو جیسا کہ کتب فقہ میں مفصل مذکور ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کو نماز سے بھی زیادہ درجہ دیا گیا ہے۔ جنگ خندق میں چار نمازیں قجا ہوئی تھیں، حضورﷺ نے ان میں بھی صلوۃ وسطی کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضورﷺ نے ارشاد فرمایا:
ملاء اللہ علیھم بیوتھم و قبورھم نارا کما شغلونا عن الصلوۃ الوسطی حتی غابت الشمس۔
اللہ تعالیٰ ان (کفار) کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطی یعنی درمیانی نماز سے مشغول کیے رکھا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی قضا ہے اور جہاد کی قضا نہیں ہے۔

رکوع ۳۲

245۔ مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَ اللَّهُ يَقْبِضُ وَ يَبْسُطُ وَ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ
246۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِن بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِن كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَ مَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ قَدْ أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَ أَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ
247۔ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ وَ اللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَ اللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
248۔ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَ آلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

ترجمہ:

۲۴۵. ایسا کون شخص ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے پھر اللہ اس کو کئی گناہ بڑھا کر دے اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور کشائش کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
۲۴۶. کیا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو موسیٰ کے بعد نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں پیغمبر نے کہا کیا یہ بھی ممکن ہے اگر تمہیں لڑائی کا حکم ہو تو تم اس وقت نہ لڑو انہوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہیں لڑیں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے پھر جب انہیں لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔
۲۴۷. ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر فرمایا ہے انہوں نے کہا اس کی حکومت ہم پر کیوں کر ہو سکتی ہے اس سے تو ہم ہی سلطنت کے زیادہ مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی کشائش نہیں دی گئی پیغمبر نے کہا بے شک اللہ نے اسے تم پر پسند فرمایا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخ دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔
۲۴۸. اور بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق واپس آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو موسیٰ اور ہارون کی اولاد چھوڑ گئی تھی اس صندوق کو فرشتے اٹھا لائیں گے بے شک اس میں تمہارے لیے پوری نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

اَلَم تَرَ اِلَی الَّذِینَ خَرَجُوا الخ۔
مال اور جان یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنا نفس پر شاق ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کر کے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ جہاد سے جی نہیں چرانا چاہیے۔ آیت ذیل میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے کچھ لوگ، جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، بیماری کے ڈر سے یا دشمن کے ڈر سے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا اور دو فرشتوں کو عذاب نازل کرنے کا حکم دے دیا۔ جس وادی سے یہ لوگ گزر رہے تھے، ایک فرشتہ نے وادی کے ایک سرے پر اور دوسرے فرشتہ نے وادی کے دوسرے سرے پر کھڑے ہو کر ایک زور دار چیخ مار دی۔ اس سے یہ سب کے سب لقمہ اجل بن گئے۔ پھر یہ لوگ حزقیل پیغمبر کی دعا سے زندہ کیے گئے۔ سات دن کے بعد یا زیادہ عرصہ کے بعد یہ لوگ زندہ کیے گئے تاکہ توبہ کریں۔

دنیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا:
یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ موت کے بعد دوبارہ کیسے زندگی ملی، جبکہ دوبارہ زندہ ہونا تو قیامت کے روز ہو گا؟ جواب اس کا وہی ہے جو ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ لیست هذه موت اجل بلهی موت عقوبۃ یعنی یہ جو موت ان لوگوں پر طاری ہوئی تھی، وہ موت نہ تھی جو اجل مقرر اور وقت مقرر پر آتی ہے، بلکہ یہ بطور سزا ان پر طاری کر دی گئی تھی، تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ بیماری یا دشمن کے خوف سے بھاگنا حیات کا سبب نہیں ہے۔ موت اور زندگی کے نظام کو اللہ تعالیٰ کنٹرول کیے ہوئے ہیں۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں ہے، انہیں دوبارہ زندگی مل گئی تاکہ یہ لوگ توبہ بھی کریں اور آئندہ ایسی ناشکری کے مرتکب نہ ہوں۔
قرآن کریم میں یہ واقعہ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا ہے کہ جہاد سے جی چرانا اور جہاد میں شریک نہ ہونا زندگی اور زندہ رہنے کا سبب نہیں ہے، بلکہ جہاد میں عدم شمولیت کو ہلاکت سے تعبیر فرمایا ہے:
ہے کبھی جان اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
وَقَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ الخ
یہاں جہاد بالنفس کا بیان ہے اور اگلی آیت میں جہاد بالمال کا بیان ہے۔
فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضعَافًا کَثِیرَۃً۔
انسانوں کے لیے تو ضابطہ یہ ہے کہ جب ایک دوسرے کو قرض دیں تو بلا سود ہو تب وہ قرض حسنہ ہو گا، لیکن اللہ تعالیٰ کو جب قرضہ دیا جاتا ہے تو وہ سود پر ہے۔ اس کا بہت زیادہ نفع ملے گا۔ اس کی طرف مندرجہ بالا الفاظ سے اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس کے عوض کئی گنا زیادہ دیا جائے گا۔
اَلَم تَرَ اِلَی المَلَاِ الخ۔
یہ بیان بھی پچھلے مضمون کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔ اس واقعہ سے بھی یہی مقصود ہے کہ جب بنی اسرائیل کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور جالوت نے ان کو مغلوب کر دیا تو انہوں نے نبی وقت کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ اگر آپ ہمارے لیے کسی کو بادشاہ مقرر کر دیں تو ہم اس کی قیادت میں قوم عمالقہ سے لڑنے کے لیے تیار ہیں اور یہ نبی حضرت شموئیلؑ ہیں، لیکن یہاں بھی بنی اسرائیل پر جبل گردد و جبلت نہ گردد والی مثال صادق آ گئی۔ جب حضرت طالوت بادشاہ مقرر ہو گئے تو بنی اسرائیل نے شکوک و شبہات پیش کرنا شروع کر دیئے، کہا کہ یہ تو غریب آدمی ہے، اس کے پاس دنیوی وسائل اور مال نہیں ہے۔ جاہ و جلال نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ یہ ایمانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے مضبوط ہیں اور قیادت کا اہل ہیں۔ قوم کا قاعد عالم با عمل اور مجاہد ہونا چاہیے۔ یہ بزدل اور ڈرپوک نہ ہو، معلوم ہوا کہ قیادت کا دار و مدار مال پر نہیں ہے۔

اَن یَّاتِیَکُمُ التَّابُوتُ الخ۔
یہ بنو اسرائیل کا تابوت تھا، اس میں پیغمبروں کے کچھ تبرکات تھے، بنو اسرائیل اس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے تھے تو ان کو فتح نصیب ہو جاتی تھی، لیکن جالوت جب بنی اسرائیل پر غالب آیا تو وہ ان سے یہ صندوق بھی چھین کر لے گیا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ یہ لوگ جہاں بھی صندوق کو رکھتے وہاں وباء پھیل جاتی، آخر لاچار ہو کر انہوں نے اس کو بیل گاڑی پر رکھا اور بیلوں کو ہنکا دیا، فرشتے ان بیلوں کو لے کر طالوت بادشاہ کے دروازہ پر لے آئے، اس طرح یہ صندوق دوبارہ بنی اسرائیل کو

مل گیا۔

رکوع ۳۳

249۔ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّہ مُبْتَلِيكُم بِنَہرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْہ فَلَيْسَ مِنِّی وَ مَن لَّمْ يَطْعَمْہ فَإِنَّہ مِنِّی إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَۃ بِيَدِہ فَشَرِبُوا مِنْہ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْہمْ فَلَمَّا جَاوَزَہ ہوَ وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَہ قَالُوا لَا طَاقَۃ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَ جُنُودِہ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّہم مُّلَاقُو اللَّہ كَم مِّن فِئۃ قَلِيلَۃ غَلَبَتْ فِئۃ كَثِيرَۃ بِإِذْنِ اللَّہ وَ اللَّہ مَعَ الصَّابِرِينَ
250۔ وَ لَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَ جُنُودِہ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ انصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ
251۔ فَہزَمُوہم بِإِذْنِ اللَّہ وَ قَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَ آتَاہ اللَّہ الْمُلْکَ وَ الْحِكْمَۃ وَ عَلَّمَہ مِمَّا يَشَاءُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللَّہ النَّاسَ بَعْضَہم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَ لَكِنَّ اللَّہ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ
252۔ تِلْکَ آيَاتُ اللَّہ نَتْلُوہا عَلَيْکَ بِالْحَقِّ وَ إِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ

ترجمہ:

۲۴۹. پھر جب طالوت فوجیں لے کر نکلا کہا بے شک اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے جس نے اس نہر کا پانی پیا تو وہ میرا نہیں ہے اور جس نے اسے نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو اسے معاف ہے) پھر ان میں سے سوائے چند آدمیوں کے سب نے اس کا پانی پی لیا پھر جب طالوت اور ایمان والے اس کے ساتھ پار ہوئے تو کہنے لگے آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں جن لوگوں کو خیال تھا کہ انہیں اللہ سے ملنا ہے وہ کہنے لگے بار ہا بڑی جماعت پر چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے غالب ہوئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
۲۵۰. اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے ہوئے تو کہا اے رب ہمارے دلوں میں صبر ڈال دے اور ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور اس کافر قوم پر ہماری مدد کر۔
۲۵۱. پھر اللہ کے حکم سے مومنوں نے جالوت کے لشکروں کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے سلطنت اور حکمت داؤد کو دی اور جو چاہا اسے سکھایا اور اگر اللہ کا بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع کرا دینا نہ ہوتا تو زمین فساد سے پُر ہو جاتی لیکن اللہ جہان والوں پر بہت مہربان ہے۔
۲۵۲. یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم تمہیں ٹھیک طور پر پڑھ کر سناتے ہیں اور بے شک تو ہمارے رسولوں میں سے ہے۔

افاداتِ محمود

وَمَن لَّم يَطعَمہُ الخ۔
اس سے معلوم ہوا کہ پانی پر بھی طعام کا اطلاق ہوتا ہے۔ طالوت بادشاہ کے ساتھ ہزاروں بنی اسرائیل تھے، لیکن صرف 313 ایسے تھے جنہوں نے پانی نہیں پیا، وہی کامیاب ہوئے۔ جن لوگوں نے حکم کی تعمیل کی وہ کامران ہوئے اور جن لوگوں نے حکم توڑا وہ ناکام و نامراد قرار پائے۔
تِلکَ الرُّسُلُ فَضَّلنَا بَعضہُم عَلیٰ بَعضٍ الخ۔
اب حضور ﷺ کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے کہ بنی اسرائیل میں بیک وقت بہت سے نبی مبعوث ہوتے تھے، کوئی ایک قوم کے لیے، کوئی دوسری قوم کے لیے، کوئی ایک علاقہ کے لوگوں کے لیے، کوئی دوسرے اہل علاقہ کے لیے، فضیلت کام کی اہمیت و نوعیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضور ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تمام انس و جن کے لیے نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا۔
المبعوث الی الاسود والاحمر
آپ ﷺ کا مشن آپ کا پروگرام وسیع اور عام ہے۔ آیت مذکور میں پہلے بعضھم سے مراد حضور ﷺ ہیں اور علی بعض سے مراد دوسرے انبیاء کرام ہیں آگے مِنہُم مَّن کَلَّمَ اللّٰہُ الخ، سے دیگر انبیاء کی فضیلت بیان فرمائی جا رہی ہے تاکہ ان کی شان کم

ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

رکوع ۳۴

253. تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَہمْ عَلَی بَعْضٍ مِّنْہم مَّن کَلَّمَ اللَّہ وَ رَفَعَ بَعْضَہمْ دَرَجَاتٍ وَ آتَيْنَا عِيسَی ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَ أَيَّدْنَاہ بِرُوحِ الْقُدُسِ وَ لَوْ شَاءَ اللَّہ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِن بَعْدِہم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْہمُ الْبَيِّنَاتُ وَ لَکِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْہم مَّنْ آمَنَ وَ مِنْہم مَّن کَفَرَ وَ لَوْ شَاءَ اللَّہ مَا اقْتَتَلُوا وَ لَکِنَّ اللَّہ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ

254. يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاکُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيہ وَ لَا خُلَّۃ وَ لَا شَفَاعَۃ وَ الْکَافِرُونَ ہمُ الظَّالِمُونَ

255. اللَّہ لَا إِلَہ إِلَّا ہوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُہ سِنَۃ وَ لَا نَوْمٌ لَّہ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَہ إِلَّا بِإِذْنِہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيہمْ وَ مَا خَلْفَہمْ وَ لَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِہ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ کُرْسِيُّہ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ وَ لَا يَئُودُہ حِفْظُہمَا وَ ہوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

256. لَا إِکْرَاہ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَن يَکْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَ يُؤْمِن بِاللَّہ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃ الْوُثْقَی لَا انفِصَامَ لَہا وَ اللَّہ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

257. اللَّہ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُہم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَی النُّورِ وَ الَّذِينَ کَفَرُوا أَوْلِيَاؤُہمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَہم مِّنَ النُّورِ إِلَی الظُّلُمَاتِ أُولَئِکَ أَصْحَابُ النَّارِ ہمْ فِيہا خَالِدُونَ

ترجمہ:

۲۵۳. یہ سب رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمائی اور بعضوں کے درجے بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو صریح معجزے دیے تھے اور اسے روح القدس کے ساتھ قوت دی تھی اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ جو ان پیغمبروں کے بعد آئے وہ آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس صاف حکم پہنچ چکے تھے لیکن ان میں اختلاف پیدا ہو گیا پھر کوئی ان میں سے ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۲۵۴. اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش اور کافر وہی ظالم ہیں۔

۲۵۵. اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا نہ اس کی اونگھ دبا سکتی ہے نہ نیند آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے سوا اس کے ہاں سفارش کر سکے مخلوقات کے تمام حاضر اور غائب حالات کو جانتا ہے اور وہ سب اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا کہ وہ چاہے اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہی سب سے برتر عظمت والا ہے۔

۲۵۶. دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے بے شک ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے پھر جو شخص شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

۲۵۷. اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں یہی لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

افادات محمود

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا الخ۔

گزشتہ رکوع میں قتال فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان تھا یہاں پھر انفاق مال کا ذکر ہے۔

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت:

(1) ایک حدیث میں ہے کہ قرآنی آیات میں سے آیۃ الکرسی عظیم ترین آیت ہے۔

(2) ایک روایت میں ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آیۃ الکرسی تمام آیات قرآنیہ کی سردار ہے اور جس گھر میں یہ آیت پڑھی جائے، وہاں سے شیچان بھاگ جاتا ہے۔
(3) ایک روایت میں ہے جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھا کرے تو جنت میں داخل ہونے کے لیے سوائے اس کے مر جانے کے اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے یعنی موت کے بعد فوراً جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (الترغیب) یہ قرآن کریم کی عظیم ترین آیت اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی ناموں پر مشتمل ہے۔ یہ توحید ذاتی و صفاتی پر مشتمل ہے۔
قرآن کریم میں عموماً تین علوم سے بحث کی جاتی ہے۔
(1) علم التوحید و الصفات (2) علم الاحکام (3) علم القصص
اس آیت میں توحید و صفات کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں مضمون پوری تفصیل سے بیان فرما دیئے ہیں۔ (1) جامعیت یعنی تمام صفات کمالیہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (2) قیومیت، دیگر عبادات کی تہذیب و تنقیح بھی ان ہی صفات سے وابستہ ہے۔
لَآ اِكرَاهَ فِی الدِّینِ الخ۔
دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے کیونکہ ایمان کا تعلق حقیقت میں قلب کے ساتھ ہوتا ہے اور زبان پر جبری طور پر اجرائے کلمہ سے ایمان قلب میں نہیں اترتا، جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے:
فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفسَکَ عَلَى آثَارِہِم إِن لَم يُؤمِنُوا بِہَذَا الحَدِيثِ أَسَفًا۔ (کہف: 6)
پس شاید کہ آپ تو ہلاک کر ڈالیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے، اگر وہ ایمان نہ لائیں اس کلام (قرآن کریم) پر افسوس کے مارے۔
مفہوم یہ ہے کہ آپ کو اتنی جان کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی شخص کو مسلمان بنانا اور اس کے دل میں ایمان ڈالنا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہدایت و ضلالت کے دونوں راستے اس نے سمجھا دیئے ہیں۔

رکوع ۳۵

258۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِی حَاجَّ إِبْرَاہِيمَ فِی رَبِّہٖ أَنْ آتَاہ اللَّہُ الْمُلْکَ إِذْ قَالَ إِبْرَاہِيمُ رَبِّیَ الَّذِی يُحْيِی وَ يُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِی وَ أُمِيتُ قَالَ إِبْرَاہِيمُ فَإِنَّ اللَّہَ يَأْتِی بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِہا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُہِتَ الَّذِی كَفَرَ وَ اللَّہُ لَا يَہدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ
259۔ أَوْ كَالَّذِی مَرَّ عَلَى قَرْيَۃٍ وَ ہِیَ خَاوِيَۃٌ عَلَى عُرُوشِہا قَالَ أَنَّى يُحْيِی ہٰذِہِ اللَّہُ بَعْدَ مَوْتِہا فَأَمَاتَہُ اللَّہُ مِايَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِايَۃَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمْ يَتَسَنَّہْ وَ انظُرْ إِلَى حِمَارِکَ وَ لِنَجْعَلَکَ آيَۃً لِّلنَّاسِ وَ انظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُہَا ثُمَّ نَكْسُوہا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَہٗ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّہَ عَلَى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيرٌ
260۔ وَ إِذْ قَالَ إِبْرَاہِيمُ رَبِّ أَرِنِی كَيْفَ تُحْيِی الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَى وَ لَكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِی قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْہُنَّ إِلَيْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْہُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُہُنَّ يَأْتِينَکَ سَعْيًا وَ اعْلَمْ أَنَّ اللَّہَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

ترجمہ:

۲۵۸۔ کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کی بابت جھگڑا کیا اس لیے کہ اللہ نے اسے سلطنت دی تھی جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے بے شک اللہ سورج مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ تب وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ بے انصافوں کی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔
۲۵۹۔ یا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو ایک شہر پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گرا ہوا تھا کہا اسے اللہ مرنے کے بعد کیوں کر زندہ کرے گا پھر اللہ نے اسے سو برس تک مار ڈالا پھر اسے اٹھایا کہا تو یہاں کتنی دیر رہا کہا ایک دن یا اس سے کچھ کم رہا فرمایا بلکہ تو سو برس رہا ہے اب تو اپنا کھانا اور پینا دیکھ وہ تو سڑا نہیں اور اپنے گدھے کو دیکھ اور ہم نے تجھے لوگوں کے واسطے نمونہ چاہا ہے اور ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر گوشت پہناتے ہیں پھر اس پر یہ حال ظاہر ہوا تو کہا میں یقین کرتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
۲۶۰۔ اور یاد کر جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تو مردے کو کس طرح زندہ کرے گا فرمایا کہ کیا تم یقین نہیں لاتے کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے فرمایا تو چار جانور اڑنے والے

پکڑے پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لے پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر ان کو بلا تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

افادات محمود

اَلَم تَرَ اِلَی الَّذِی حَاجَّ اِبرٰھِمَ الخ۔
ما قبل کے ساتھ ربط (1) ایک تو یہ ہے کہ پہلے رکوع میں مبدا و معاد کا بیان تھا، اب تین مثالیں پیش کیں۔ پہلی مثال کا تعلق مبدا سے اور دوسری و تیسری مثال کا تعلق معاد سے ہے۔
(2) گزشتہ رکوع کے اختتام پر یہ ذکر تھا کہ کفار ظلمات میں اور ایمان والے نور ہدایت میں ہوتے ہیں۔ اس مضمون کو واضح کرنے کے لیے آگے چند نظائر بیان کیے جاتے ہیں۔
(1) مثال اول:
حضرت ابراہیمؑ نمرود کے دربار میں گئے تو انہوں نے سجدہ نہیں کیا،، نمرود نے پوچھا کہ آپ نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتا۔ نمرود نے کہا کہ میں ہی رب ہوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں دنیاوی حاکم کو رب نہیں سمجھتا، بلکہ رب وہ ہے جو زندگی دیتا اور مارتا ہے تو نمرود نے کہا کہ میں بھی زندگی دیتا اور مارتا ہوں۔ اس نے ایک بے قصور کو مار دیا اور ایک قصور وار کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ یہ بے عقل ہے، لہذا ایسی دلیل دی کہ نمرود کو مبہوت کر دیا۔ یہاں حضرت ابراہیم تحقیقی جواب دے سکتے تھے، لیکن مناظرے میں ارخائے عنان (بات کا رخ پھیرنا) ہوتا ہے اس لیے بات کا رخ دوسری طرف پھیر دیا۔
(2) مثال دوم:
اَو کَالَّذِی الخ یہ حضرت عزیرؑ کا واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں بخت نصر بادشاہ تھا، اس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا تھا اور بہت سے بنی اسرائیل کو قیدی بنا لیا تھا، ان میں حضرت عزیرؑ بھی تھے۔ اس نے تورات کے تمام نسخے جلا ڈالے تھے۔
حضرت عزیر جیل سے چھوٹ کر واپس جا رہے تھے کہ ایک ویران بستی دیکھی اور کہا اے باری تعالیٰ یہ بستی کیسے آباد ہو گی؟ اور اس بستی والے کیسے زندہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر پر سو سال کے لیے موت طاری کر دی، جو کھانے پینے کی چیزیں تھیں وہ سو سال تک بدستور صحیح سالم پڑی رہیں، لیکن جس گدھے پر وہ سوار ہو کر جا رہے تھے، اس کی ہڈیاں گل سڑ گئیں۔ اس طویل عرصہ میں بخت نصر بھی مرگیا، پھر کوئی دوسرا بادشاہ آیا اور وہ بستی بھی آباد ہو گئی، حضرت عزیر کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرما دیا، اب وہ بیت المقدس آ گئے۔ چونکہ تورات کے تمام نسخے ضائع ہو گئے تھے اور وہ کسی کو یاد بھی نہ تھی۔ اس اثناء میں جو بچے تھے وہ بھی بوڑھے ہو گئے، لیکن حضرت عزیر اس طرح نوجوان تھے اور زبانی تورات سنا رہے تھے، اس وقت یہود گمراہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ) حضرت عزیر کا سوال بھی مشاہدہ پر مبنی ہے، ورنہ اس بستی کے آباد ہونے کا ان کو بھی پورا یقین تھا۔
(3) مثال سوم:
وَاِذ قَالَ اِبرٰھِمُ رَبِّ اَرِنِی کَیفَ تُحیِ المَوتٰی الخ
ایمان علم الیقین کا نام ہے جو کہ حضرت ابراہیم کو اعلی درجہ کا حاصل تھا، اس سے اوپر عین الیقین ہے جو کہ مشاہدہ ہے اور اس سے اوپر حق الیقین ہے یعنی مباشرۃ بالنفس۔ جیسے کسی پھل کے متعلق آپ کچھ جانتے ہیں تو یہ علم الیقین ہے۔ اگر اس کو آنکھ سے دیکھ لیا تو یہ عین الیقین ہے اور اگر اس کو کھا لیا تو یہ حق الیقین ہے۔ کیف تحی الموتی یہ الفاظ خود بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کا سوال مطلق احیاء موتی کے متعلق نہ تھا، بلکہ کیفیت احیاء کے متعلق تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پوچھا اولم تو من تو حضرت ابراہیم نے فرمایا بلی کیوں نہیں۔ اب قیامت تک آنے والے انسانوں کی زبانیں بند کر دی گئیں کہ کوئی جملہ اعتراض اور حرف شکایات زبانوں پر نہ لائیں۔
اَربَعَۃً مِّنَ الطَّیرِ سے مراد:
چار پرندوں سے مراد، مور، مرغ، کوا اور کبوتر ہیں بعض مفسرین نے اور چار پرندے ذکر کیے ہیں۔

رکوع ۳۶،۳۷

261. مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَہمْ فِی سَبِيلِ اللَّہ كَمَثَلِ حَبَّۃ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِی كُلِّ سُنبُلَۃ مِّايۃ حَبَّۃ وَ اللَّہ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَ اللَّہ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

262. الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَہمْ فِی سَبِيلِ اللَّہ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَ لَا أَذًى لَّہمْ أَجْرُہمْ عِندَ رَبِّہمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْہمْ وَ لَا ہمْ يَحْزَنُونَ

263. قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَ مَغْفِرَۃ خَيْرٌ مِّن صَدَقَۃ يَتْبَعُہا أَذًى وَ اللَّہ غَنِیٌّ حَلِيمٌ

264. يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَ الْأَذَى كَالَّذِی يُنفِقُ مَالَہ رِياءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّہ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُہ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْہ تُرَابٌ فَأَصَابَہ وَابِلٌ فَتَرَكَہ صَلْدًا لَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَ اللَّہ لَا يَہدِی الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

265. وَ مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَہمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّہ وَ تَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِہمْ كَمَثَلِ جَنَّۃ بِرَبْوَۃ أَصَابَہا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَہا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْہا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَ اللَّہ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

266. أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَہ جَنَّۃ مِّن نَّخِيلٍ وَ أَعْنَابٍ تَجْرِی مِن تَحْتِہا الْأَنْہارُ لَہ فِيہا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ أَصَابَہ الْكِبَرُ وَ لَہ ذُرِّيَّۃ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَہا إِعْصَارٌ فِيہ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّہ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ

267. يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْہ تُنفِقُونَ وَ لَسْتُم بِآخِذِيہ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيہ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّہ غَنِیٌّ حَمِيدٌ

268. الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَ اللَّہ يَعِدُكُم مَّغْفِرَۃ مِّنْہ وَ فَضْلًا وَ اللَّہ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

269. يُؤْتِی الْحِكْمَۃ مَن يَشَاءُ وَ مَن يُؤْتَ الْحِكْمَۃ فَقَدْ أُوتِیَ خَيْرًا كَثِيرًا وَ مَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

270. وَ مَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَۃ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّہ يَعْلَمُہ وَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ

271. إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا ہیَ وَ إِن تُخْفُوہا وَ تُؤْتُوہا الْفُقَرَاءَ فَہوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ يُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّيَاتِكُمْ وَ اللَّہ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

272. لَّيْسَ عَلَيْكَ ہدَاہمْ وَ لَكِنَّ اللَّہ يَہدِی مَن يَشَاءُ وَ مَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ وَ مَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْہ اللَّہ وَ مَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَ أَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ

273. لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِی سَبِيلِ اللَّہ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِی الْأَرْضِ يَحْسَبُہمُ الْجَاہلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُہم بِسِيمَاہمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَ مَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّہ بِہ عَلِيمٌ

ترجمہ:

۲۶۱. ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ کہ اگائے سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ جس کے واسطے چاہے بڑھاتا ہے اور اللہ بڑی وسعت جاننے والا ہے۔

۲۶۲. جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہیں کے لیے اپنے رب کے ہاں ثواب ہے اور ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۲۶۳. مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے پروا ا نہایت تحمل والا ہے۔

۲۶۴. اے ایمان والو! احسان رکھ کر اور ایذا دے کے اپنی خیرات کو ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر کچھ مٹی پڑی ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسا پھر اسی کو بالکل صاف کر دیا ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا ہاتھ بھی نہ لگے گی اور اللہ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

۲۶۵. اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور اپنے دلوں کو مضبوط کر کے خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جس طرح بلند زمین پر ایک باغ ہو اس پر زور کا مینہ برسا تو وہ باغ اپنا پھل دوگنا لایا اور اگر اس پر مینہ نہ برسایا تو شبنم ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

۲۶۶. کیا تم میں کسی کو یہ بات پسند آتی ہے کہ اس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اسے اس باغ میں اور بھی ہر طرح کا میوہ حاصل ہو اور اس پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کی اولاد ضعیف ہو تب اس باغ پر ایک بگولہ آ پڑا جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل گیا اللہ تمہیں اس طرح نشانیاں سمجھاتا ہے تاکہ تم سوچا کرو۔

۲۶۷. اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے ستھری چیزیں خرچ کرو اور اس چیز میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہے اور اس میں سے ردی چیز کا ارادہ نہ کرو کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اسے کبھی نہ لو مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور سمجھ لو کہ بے شک اللہ بے پرواہ تعریف کیا ہوا ہے۔

۲۶۸. شیطان تمہیں تنگدستی کا وعدہ دیتا ہے اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا

ہے اور اللہ بہت کشائش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔
۲۶۹. جس کو چاہتا ہے سمجھ دے دیتا ہے اور جسے سمجھ دی گئی تو اسے بڑی خوبی ملی اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔
۲۷۰. اور جو تم خیرات کے طور پر خرچ کرو گے یا تم کوئی منت مانگو گے تو بے شک اللہ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔
۲۷۱. اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو بھی اچھی بات ہے اور اگر اسے چھپا کر دو اور فقیروں کو پہنچا دو تو تمہارے حق میں وہ بہتر ہے اور اللہ تمہارے کچھ گناہ دور کر دے گا اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبر رکھنے والا ہے۔
۲۷۲. انہیں راہ پر لانا تیرے ذمہ نہیں اور لیکن اللہ جسے چاہے راہ پر لاتا ہے اور جو مال تم خرچ کرو گے اس کا نفع تمہاری جان کے لیے ہے اور اللہ ہی کی رضا مندی کے لیے خرچ کرو اور جو اچھی چیز تم خرچ کرو گے اس کا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا ا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔
۲۷۳. خیرات ان حاجت مندوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں ملک میں چل پھر نہیں سکتے ناواقف ان کے سوال نہ کرنے سے انہیں مال دار سمجھتا ہے تو ان کے چہرے سے پہچان سکتا ہے لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور جو کام کی چیز تم خرچ کرو گے بے شک وہ اللہ کو معلوم ہے۔

افاداتِ محمود

يٰۤاَيُّہَا الَّذِينَ اٰمَنُوۤا اَنفِقُوا الخ۔
اب یہاں سے انفاق فی سبیل اللہ کی شرائط بیان ہو رہی ہیں۔ اِن تُبدُوا الصَّدَقٰتِ الخ عام حالات میں تو خفیہ صدقہ کرنا ہی بہتر ہے، لیکن ترغیباً اگر صدقہ ظاہر کر کے دیا جائے تاکہ دوسرے لوگ بھی آمادہ ہوں تو یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ بعض صورتوں میں موقع و محل کی مناسبت سے افضل بھی ہے۔ لِلفُقَرَاءِ یہاں سے مصارف صدقات کا بیان ہے، اُحصِرُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ الخ جیسے طالب علم ہوتے ہیں جیسے اصحاب صفہ تھے۔ طالب علم کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ جہاد بھی کرے اور علم بھی حاصل کرے۔ آج طالب علم کو ان چیزوں سے الگ کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ حصول علم اور جہاد دونوں ہونے چاہئیں۔
لَا یَسئَلُونَ النَّاسَ اِلحَافًا الخ
حضرت مفتی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا کہ بازاروں میں سائلوں کو دینا حرام ہے۔ کیونکہ ان کا مانگنا حرام ہے تو انہیں دینا دلانا تعاون علم الاثم ہے، اس لیے دینا بھی حرام ہے، البتہ حاجت مند کو دینا جائز ہے۔

رکوع ۳۸

274- الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَہم بِاللَّيْلِ وَ النَّہارِ سِرًّا وَ عَلَانِيَۃ فَلَہمْ أَجْرُہمْ عِندَ رَبِّہمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْہمْ وَ لَا ہمْ يَحْزَنُونَ
275- الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِی يَتَخَبَّطُہ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّہمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَ أَحَلَّ اللَّہ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَاءَہ مَوْعِظَۃ مِّن رَّبِّہ فَانتَہی فَلَہ مَا سَلَفَ وَ أَمْرُہ إِلَى اللَّہ وَ مَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ہمْ فِيہا خَالِدُونَ
276- يَمْحَقُ اللَّہ الرِّبَا وَ يُرْبِی الصَّدَقَاتِ وَ اللَّہ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ
277- إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ أَقَامُوا الصَّلَاۃ وَ آتَوُا الزَّكَاۃ لَہمْ أَجْرُہمْ عِندَ رَبِّہمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْہمْ وَ لَا ہمْ يَحْزَنُونَ
278- يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّہ وَ ذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ
279- فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّہ وَ رَسُولِہ وَ إِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَ لَا تُظْلَمُونَ
280- وَ إِن كَانَ ذُو عُسْرَۃ فَنَظِرَۃ إِلَى مَيْسَرَۃ وَ أَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ
281- وَ اتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيہ إِلَى اللَّہ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ ہمْ لَا يُظْلَمُونَ

ترجمہ:

۲۷۴. جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں رات اور دن چھپا کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے اپنے رب کے ہاں

ثواب ہے ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۲۷۵. جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن وہ نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح کہ وہ شخص اٹھتا ہے جس کے حواس جن نے لپٹ کر کھو دیئے ہیں یہ حالت ان کی اس لیے ہو گی کہ انہوں نے کہا تھا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے سوداگری کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے پھر جسے اپنے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو پہلے لے چکا ہے وہ اسی کا رہا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے اور جو کوئی پھر سود لے وہی لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۷۶. اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔

۲۷۷. جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے تو ان کے رب کے ہاں ان کا اجر ہے اور ان پر کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۲۷۸. اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔

۲۷۹. اگر تم نے نہ چھوڑا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اور اگر توبہ کر لو تو اصل مال تمھارا تمہارے واسطے ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

۲۸۰. اور اگر وہ تنگ دست ہے تو آسودہ حالی تک مہلت دینی چاہیئے اور بخش دو تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

۲۸۱. اور اس دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

افاداتِ محمود

اَلَّذِینَ یُنفِقُونَ اَموَالھُم الخ

گزشتہ رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ اور اس کی برکات کا ذکر تھا، اس رکوع کی پہلی آیت میں تو انفاق کی ترغیب و برکات کا بیان ہے۔ آگے پہلے رکوع کے احکام پر عمل کرنے والوں کا بیان ہے یعنی سود کے ذریعہ کمائی اور اس کے نقصانات کا بیان ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ مندرجہ بالا آیت حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان کے پاس چار درہم تھے۔ فتصدق بدرھم لیلا و بدرھم نھارا و بدرھم سرا وبدرھم علانیۃ ایک درہم رات کو صدقہ کر دیا، ایک دنکو، ایک درہم چھپ کر صدقہ کر دیا اور ایک ظاہر کر کے، یعنی مختلف اوقات میں سب کے سب درہم تقسیم کر دیئے تو اللہ تعالیٰ کو یہ عمل پسند آیا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے، لیکن اس روایت میں صراحتاً حضرت علی کا نام نہیں ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں نزلت فی رجل ممکن ہے حضرت علی کا نام کسی اور روایت میں ہو، کیونکہ ہم نے کوئی استقراء تو کیا نہیں ہے۔

اَلَّذِینَ یَاکُلُونَ الرِّبٰوا الخ یہاں یَاکُلُونَ بمعنی یاخذون یا یکسبون ہے۔ یہاں سودی کاروبار کرنا مراد ہے۔ خواہ کھائے یا نہ کھائے۔ یہ جو یاکلون سے تعبیر فرمایا ہے یہ ابتدا بغایۃ الامر ہے۔ یعنی جو لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں، غایۃ ان کا مقصد اکل ہی ہوتا ہے۔ حرمت ربوا کی علت اکل نہیں ہے، بلکہ ربوا علی الاطلاق حرام ہے، خواہ کھائے یا پیے یا کسی اور مد میں استعمال کرے۔

یَتَخَبَّطُہُ الشَّیطٰنُ الخ

جنات جب انسان کو پکڑ لیتے ہیں تو وہ کیا کچھ بکتا ہے، اسی طرح سود خور جب قیامت کے روز اٹھیں گے تو دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گی تاکہ خوب رسوا ہوں، انہوں نے دنیا میں کام ہی دیوانوں والا کیا کہ حرام کے نام بدل بدل کر مختلف بہانوں سے ان کو حلال کرتے تھے اور پھر استعمال کرتے تھے۔

قَالُوٓا اِنَّمَا البَیعُ مِثلُ الرِّبٰوا الخ۔

ربوا اور بیع کی حقیقت:

ربوا کو بیع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ بیع کی تعریف یہ ہے مبادلۃ المال بالمال۔ یعنی مال کو مال سے تبدیل کرنا۔

واما فی الربوا فیاخذ مال الغیر بدون العوض

یعنی سود میں کسی کا مال ناحق بغیر عوض کے لیا جاتا ہے۔

کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس کا مال بغیر عوض کے لینا بھی حرام اور اس کا منافع بھی حرام ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اسلام سے قبل اور حرمت ربوا کا حکم آنے سے قبل جو سودی معاملات ہو چکے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَلَہٗ مَا سَلَفَ اس حکم کے نزول سے قبل جو سودی معاملات ہو چکے ہیں، وہ معاف ہیں۔ البتہ اگر کسی نے سچی توبہ نہ کی اور

منافقین کی روش چلتا رہا تو پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے ان شاء عذبہ وان شاء غفرلہ۔
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيمٍ الخ
اثیم کی قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے قید احترازی مراد لی ہے کہ کفار دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
(1) زمین میں تخم اور بیج چھپانے والا کاشت کار (2) اور ایک لفظ کافر کا عام فہم معنی ہے تو اثیم کی قید لگا کر غیر اثیم سے احتراز کیا۔
یہ متعدد روایات ربوا سے متعلق ہیں۔ کچھ آیتیں آگے بھی ہیں، قرآن کریم نے ربوا کی تفصیل و حقیقت نہیں بتلائی کہ جو زیادتی حرام ہے اس سے کیا مراد ہے۔ ایک حدیث میں ربوا کی کچھ وضاحت کی گئی ہے۔ یہ صحاح ستہ کی کتابوں میں موجود ہے۔
حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:
قال رسول اللہ ﷺ الذھب بالذھب والفضہ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر الملح بالملح مثلاً بمثل ید ابید والفضل ربوا،
اور مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے:
مثلاً بمثل ید ابید فمن زاد او استزاد فقد اخذ الربوا الاخذ و المعطی فیہ سواء فی اثم العقد۔
سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گندم گندم کے عوض، جو جو کے عوض، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے نمک برابر سرابر، اور دونوں طرف سے قبضہ اور (کسی ایک طرف سے) زیادتی سود شمار ہو گی۔
اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے دونوں طرف (مندرجہ بالا چھ چیزیں) سے برابر سرابر اور دونوں طرف سے قبضہ بھی دیا جائے پس جو کسی ایک طرف سے زیادہ دے دیے یا زیادہ لے لے تو تحقیق کہ اس نے سود لیا۔ لینے اور دینے والا دونوں برابر کے شریک ہیں گناہ میں۔
حاصل یہ ہے کہ سود دینے والے نے گویا حرام کھلایا اور سود لینے والے نے حرام کھایا تو دونوں عقد حرام کا سبب بن گئے۔
سود لینا، دینا، لکھنا یا گواہ بننا، یہ سب کام کرنے والے اس جرم میں شامل ہوتے ہیں، حضرت عبادہ بن صامت کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:
فاذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم
اشیاء ستہ مندرجہ بالا کو دیتے اور لیتے وقت اگر ان کی جنس بدل دی جائے، جیسے ایک طرف سونا، دوسری طرف چاندی، ایک طرف جو، ایک طرف گندم وغیرہ ہو تو پھر اضافہ کے ساتھ بیچنا جائز ہے لیکن نسیہ (ادھار) جائز نہ ہو گا یعنی ایک طرف ایک من گندم ہو اور دوسری طرف 50 کلو جو ہوں تو یہ جائز ہے، لیکن دونوں طرف سے قبضہ اسی مجلس میں دینا ضروری ہے اور کسی ایک طرف سے ادھار جائز نہیں نسئیہ کی صورت میں یہ بھی سود ہو جائے گا۔
علت ربوا:
حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کے آخری حصہ کو فاذا اختلف ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم پڑھنے سے علت ربوا کی طرف کچھ اشارات ملتے ہیں۔ گزشتہ روایات میں چھ چیزوں کا ذکر ہے جن میں سے دو یعنی سونا چاندی وزنی ہیں اور بقیہ چار کیلی (ماپ سے مقدار کا تعین کرنا) ہیں۔ کھجوریں تو سعودی عرب میں اب بھی کیل سے بکتی ہیں، مدینہ میں مد اور صاع سے بیچتے ہیں اور ملح (نمک) سمندری پسا ہوا ہو تو اس کو بھی کیل سے فروخت کرتے ہیں۔ اس روایت سے کافی ھد تک اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ حرمت ربوا میں کیل اور وزن کو بڑا دخل ہے۔ اس جنس کو قدر کہا جاتا ہے اور عند الاحناف حرمت ربوا کی ایک علت یہی قدر ہے۔
واما ما یوزن فی الوزن ولا یکال فی الکیل فلیس فیہ الربوا وان کان من جنس واحد کبیع الحیوان بالحیوان فمن باع بعیرا ببعیرین فھو جائز۔
اور جو چیزیں وزن نہیں کی جاتیں اور وہ چیزیں جو کیل نہیں کی جاتیں تو ان میں سود متحقق نہ ہو گا۔ اگرچہ دونوں چیزیں ایک ہی جنس کی کیوں نہ ہوں۔ جیسے حیوان کو حیوان کے بدلے فروخت کرنا، اگر کوئی شخص ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے بدلے میں بیچے تو یہ جائز ہے۔
تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ ربوا متحقق ہوتا ہے جنس کے اتحاد سے، کیونکہ مختلف الجنس اشیاء میں سود نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث کے آخری جملوں سے معلوم ہوتا ہے فاذا اختلف ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم، اس اصول کی روشنی میں ایک صاع بر (گندم) کے بدلے دو صاع شعیر جائز ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ہم جنس ہونا بھی ربوا میں داخل ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہ کے ہاں حرمت ربوا کی دوسری علت جنس کا متحد ہونا ہے۔ گویا حرمت ربوا کی دو علتیں ہیں۔ (1) قدر (2) جنس۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو ربوا متحقق نہ ہو گی اور کلا الا مرین کا اجتماع علت ربوا ہے، یعنی قدر و جنس دونوں کا بیک وقت پایا جانا علت ربوا ہے۔

ابو داؤد میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کے آخر میں ہے ولا بائس ببیع الذھب بالفضۃ والفضۃ اکثرھما یدا بید واما نسیا فلا یہ جملے بھی حدیث ہی کے ہیں یعنی جب جنس تبدیل ہو گئی جیسے سونا بمقابلہ چاندی یا گندم بمقابلہ جو تو تفاضل عن احد الجانبین (کسی ایک طرف سے اضافہ) جائز ہے۔ ادھار اب بھی حرام ہے اور ادھار کی حرمت کے لیے قدر و جنس کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ بل احدھما یکفی لحرمۃ النساء، نساء کی حرمت کے لیے دونوں میں سے ایک کا پایا جانا بھی کافی ہے۔
بہرحال اس مسئلہ کی تفصیلات تو آپ حضرات نے کتب تفسیر و فقہ میں پڑھی ہوں گی یا پڑھیں گے، یہاں آپ لوگوں کو اتنا اندازہ ہوا ہو گا کہ نسیئہ کی حرمت کی علت کیا ہے اور ربوا کی حرمت کی علت کیا ہے؟
حلت ربوا کے لیے عصر حاضر کے ملحدین کی کوششیں:
ربوا کی حرمت پر قطعی دلائل موجود ہیں جن کا کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا اور وعیدیں بھی انتہائی شدید ہیں، لیکن ملحدین کی یہ کوشش ہے کہ کسی طرح مروج ربوا کو حلال قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں لبنان کے ایک قاضی، جو وہاں کے ہائی کورٹ کے جج بھی ہیں، نے ایک عجیب تحقیق پیش کی ہے کہ قرض دو قسم کے ہوتے ہیں۔
(1) القروض الانفاقیہ
(2) القروض النتاجیہ، یعنی جو شخص قرض اس وجہ سے لیتا ہے کہ اس رقم کو اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرے، جیسے عید کے موقع پر یا شادی کے موقع پر کپڑے وغیرہ بنوائے جاتے ہیں تو یہ قروض انفاقیہ ہیں۔ ایسی رقم سود پر لینا اور دینا حرام ہے، لیکن کوئی شخص اس وجہ سے کسی بنک سے یا ادارے سے یا فرد سے رقم قرض لیتا ہے کہ اس پر کاروبار کرے گا اور کمائی کرے گا تو یہ قروض انتاجیہ ہیں اور ایسی رقم سود پر لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے، وہ پہلے والی قسم ہے اور قرض کی دوسری قسم پر چونکہ لوگ نفع کماتے ہیں، اس وجہ سے وہ حرام نہیں ہے، لبنانی قاضی کو قرض کی یہ دونوں شقیں اس وجہ سے نکالنی پڑیں کہ اگر وہ صریحاً کہہ دیتا کہ سود حلال ہے تو لوگ لعن طعن کرتے کہ ایک قطعی حکم کا منکر ہوا ہے۔ اپنے آپ کو بچانے اور لوگوں کو تشویش میں ڈالنے کے لئیے اس نے دو قسمیں بنا دیں، تاکہ لوگوں کی مشکل بھی حل ہو جائے، اور اس پر کوئی دھبا بھی نہ لگے۔ اہل تحقیق اس تشویش میں پڑے رہیں کہ یہاں قرض کی دو قسمیں کی گئی ہیں تاکہ ان سے کوئی جواب بن نہ پڑے، کبھی تو قرض کی دونوں قسموں کی تعبیر مندرجہ بالا الفاظ سے کی، اور کبھی پہلی قسم کو القروض الاستھلاکیۃ یعنی وہ قرض رقم جو ضروریات زندگی پر صرف ہو جائے اور القروض الاستغلالیہ یعنی وہ قرض رقم جس سے نفع حاصل کیا جائے اس کے ذریعہ کمائی کی جائے، فالی اللہ المشتکی۔
مروج ربوا کے متعلق ڈاکٹر فضل الرحمن کی رائے اور اس کا محققانہ جواب:
ہمارے ایک پاکستانی ڈاکٹر فضل الرحمن نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ قرآن کریم میں جس ربوا سے منع کیا گیا ہے، وہاں سورۃ آل عمران میں یہ الفاظ مذکور ہیں، اضعافا مضاعفۃ ہیں، یعنی دو چند در دو چند سود نہ کھاؤ۔ تو یہاں دو چند در دو چند سے منع کیا گیا ہے۔ مطلق سود سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ہزار روپے قرض لے کر دو ہزار واپس کرتا ہے تو یہ دو چند ہونے کی وجہ سے حرام ہے، لیکن اگر ایک ہزار کا ڈیڑھ ہزار واپس کرتا ہے تو یہ جائز ہے اس پر اس نے بڑا زور لگایا، کیونکہ اس سے بنک والوں کا بھی مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ بنک کا سود% 6 اور% 7 ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن نے بنک کے سود خوروں کے سود کو اور پیشہ ور سود کو حلال قرار دے دیا ہے، لیکن اس کی رائے کی تردید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

وَاِن تُبتُم فَلَکُم رُءُوسُ اَموَالِکُم۔
اور اگر تم سودی کاروبار سے توبہ کرو گے تو تمہیں تمہارے راس المال مل سکتے ہیں۔
فَلَکُم میں لام استحقاق کے لیے ہے کہ شرعی قانون کی رو سے تم اپنے راس المال کے مستحق ہو۔ یہ مقام ترغیب الی التوبہ کا مقام ہے۔ اگر ہزار کا ڈیڑھ ہزار جائز ہوتا تو پھر صرف راس المال کا ذکر کیوں ہوتا، بلکہ یوں کہا جاتا فَلَکُم رُءُوسُ اَموَالِکُم مع شیئ زائد لم یبلغ الضعف، یعنی راس المال کے ساتھ اتنا اضافہ بھی جائز ہے جو دو چند کی حد کو نہ پہنچے، اس صورت میں زیادہ رغبت ہوتی کہ صرف دو گنا سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے کم سے منع نہیں کیا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف راس المال کا ذکر فرمایا ہے۔ مقام ترغیب میں سوائے راس المال کے اور کسی مال کا ذکر نہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ راس المال کے سوا اور کوئی مال سود کے معاملہ میں جائز نہیں ہے خواہ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔
(2) رہی یہ بات کہ اضعافا مضاعفۃ کی قید کیونکر لگائی گئی ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جو عربیت کا ذرا شعور رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اضعافا والی قید احترازی نہیں، بلکہ اتفاقی اور واقعی قید ہے جس وقت یہ آیت نازل ہو رہی تھی اس وقت سود و ربوا کی کیفیت یہی تھی کہ یا تو ابتدا ہی سے بہت زیادہ سود مقرر کر لیتے تھے یا مجبوری کی وجہ سے وہ اضعافا

مضاعفا ہو جاتا تھا، اس طور پر کہ ایک مدت معینہ کے لیے رقم سود پردے دیتے۔ اگر وہ مدت پوری ہو جاتی اور رقم واپس نہ ملتی تو سود اور بڑھا دیتے تھے۔ اس طرح کئی کئی بار ہوتا تھا جس کی وجہ سے سود اضعافا مضاعفا ہو جا تھا۔ سود کی یہی شکل زیادہ رائج تھی جس کو اضعافا کہہ کر حرام قرار دے دیا گیا، ورنہ دیگر قرآنی آیات اور متواتر احادیث میں ایسی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ مطلق ربوا کی حرمت کا ذکر ہے۔ اگر ان لوگوں کی یہ بات مانی اور سنی گئی تو کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں شرک کی جو نفی فرمائی ہے وہ بھی بصیغہ جمع ہے۔ جیسے فلا تجعلوا للہ اندادا، الخ۔ اور نہ بناؤ اللہ کے لیے بہت سارے شریک، اسی طرح ارشاد ہے، لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا الخ۔ یعنی آسمان و زمین میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا بہت سارے معبود ہوتے تو ان دونوں میں فساد برپا ہو جاتا۔ کیا معاذ اللہ ایک یا دو شریک بنانا یا معبود بنانا جائز ہو گا، کیونکہ نفی بصیغہ جمع ہے۔

تف است بریں عقل و دانش

لہٰذا ڈاکٹر فضل الرحمن کی بات کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کے صریح نصوص کے ہوتے ہوئے یہ رائے قائم کرنا الحاد و زندقہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

لبنانی قاضی کی تفسیر اور اس کا جواب:

حضورﷺ نے جب سود کو حرام قرار دے دیا ہے تو وہ قرض انتاجیہ ہے (جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) یعنی جب آیت بوا نازل ہوئی تو اس کے بعد جناب نبی کریمﷺ نے حج کے موقع پر اعلان فرمایا کہ ربوا الجاھلیۃ موضوع و اول ربوی اضعہ ربوا عباس بن عبدالمطلب یعنی جہالت کے زمانے کا جو سود ہے وہ آج کے بعد ختم اور سب سے پہلے میں جس سودی معاملہ کو منسوخ اور باطل قرار دیتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔

یہ بات ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت عباس لوگوں کو تجارت کے لیے قرضہ دیتے تھے۔ قافلے ملک شام جاتے تھے، وہاں سے اناج اور دیگر مال تجارت لے کر واپس آتے تھے۔ پھر مکہ اور مدینہ میں وہ اموال فروخت ہوتے تھے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ۔ إِيلَافِهِمْ رِحلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيفِ۔ (سورۃ قریش)

اس لیے کہ مانوس کر دی قریش کو، ان کو مانوس کرنا سفر سے جاڑے اور گرمی میں۔

حضرت عباس بڑے مالدار تھے اور تجارت کی غرض سے سود پر رقم لیتے تھے۔ حضور اکرمﷺ نے سوا لاکھ لوگوں کے سامنے حج کے موقع پر اس ربوا کو حرام قرار دے دیا، حالانکہ یہ قرض انتاجیہ تھا، اللہ کے رسولﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حرام ہے۔ پھر لبنانی قاضی کا قرض انتاجیہ اور غیر انتاجیہ میں تفریق کر کے قرض انتاجیہ کو حلال قرار دے دینا، جبکہ وہ قرض سود پر لیا جائے، یہ قطعی غلط ہے اور نص صریح کے مخالف ہے۔ یہ لبنانی قاضی عجیب گمراہ شخص ہے جس نے شرعی دستور کے مقابلہ میں اپنی رائے کو فوقیت دی ہے۔

لَا تَظلِمُونَ وَلَا تُظلَمُونَ۔ یعنی نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ جب ربوا کو حرام قرار دے دیا گیا تو اگر اس حکم کے نزول کے بعد پھر بھی تم ربوا کا مطالبہ کرو تو یہ قرض دینے والے کی طرف سے ظلم ہو گا اور ربوا معاف ہونے کے بعد اگر قرض لینے والا راس المال کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے تو یہ اس کی طرف سے ظلم ہو گا۔ وہ راس المال ہی پورا نہ دے تو پھر بھی یہ ظلم ہے۔ حدیث میں ہے مطل الغنی ظلم غنی اور صاحب استطاعت شخص کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ حدیث میں ہے کہ دو صحابہ کرام کے درمیان قرض کے معاملہ میں کچھ جھگڑا ہوا۔ مسجد نبوی میں حضرت کعب بن مالک قرض خواہ تھے اور حضرت ابن ابی حدرد قرض دہندہ تھے۔ حضورﷺ نے حضرت کعب سے فرمایا کہ ادھار قرض معاف کر دو اور ان ای حدرد سے فرمایا کہ قم فاقضیہ یعنی اٹھ اور قرض ادا کر۔ حضورﷺ نے دونوں باتیں سمجھائیں کہ قرض خواہ اپنا کچھ حق معاف کر دے تاکہ مقروض کے لیے ادائیگی آسان ہو جائے اور ساتھ ہی مقروض کو ہدایت فرمائی کہ اب بقیہ قرض فوراً ادا کر دو۔ راس المال میں ٹال مٹول نہ کرو تاکہ قرض خواہ کی حق تلفی نہ ہو۔ (ابن کثیر)

وَاِن کَانَ ذُو عُسرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیسَرَۃٍ الخ

اب آگے یہ ضابطہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ربوا او سود والی اضافی رقم نہ ملنے کی وجہ سے لوگ تنگ دست لوگوں سے فوری مطالبہ شروع کر دیں اور ان کو بے وقت تنگ کریں۔ ارشاد ہوا کہ ان کے پاس رقم موجود ہے تو ربوا معاف ہونے کو نعمت عظمی سمجھ کر راس المال کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کریں اور اگر سر دست ان کے پاس کچھ نہیں ہے تو قرض خواہ کو چاہیے کہ مقروض کو فراوانی تک مہلت دے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے تو اس کو روزانہ اتنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

رکوع ۳۹

282. يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوہ وَ لْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَ لَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَہ اللَّہ
فَلْيَكْتُبْ وَ لْيُمْلِلِ الَّذِى عَلَيْہ الْحَقُّ وَ لْيَتَّقِ اللَّہ رَبَّہ وَ لَا يَبْخَسْ مِنْہ شَيْيا فَإِن كَانَ الَّذِى عَلَيْہ الْحَقُّ سَفِيہا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ ہوَ
فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّہ بِالْعَدْلِ وَ اسْتَشْہدُوا شَہيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَ امْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّہدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاہمَا
فَتُذَكِّرَ إِحْدَاہمَا الْأُخْرَى وَ لَا يَأْبَ الشُّہدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَ لَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوہ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِہ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّہ وَ أَقْوَمُ لِلشَّہادَة
وَ أَدْنَى أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَة حَاضِرَة تُدِيرُونَہا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوہا وَ أَشْہدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَ لَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَ لَا
شَہيدٌ وَ إِن تَفْعَلُوا فَإِنَّہ فُسُوقٌ بِكُمْ وَ اتَّقُوا اللَّہ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللَّہ وَ اللَّہ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
283. وَ إِن كُنتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَ لَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِہانٌ مَّقْبُوضَة فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ أَمَانَتَہ وَ لْيَتَّقِ اللَّہ رَبَّہ وَ لَا تَكْتُمُوا
الشَّہادَة وَ مَن يَكْتُمْہا فَإِنَّہ آثِمٌ قَلْبُہ وَ اللَّہ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

ترجمہ:

۲۸۲.   اے ایمان والو! جب تم کسی وقت مقرر تک آپس میں ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیئے کہ تمہارے درمیان لکھنے والے انصاف سے لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اس کو اللہ نے سکھایا ہے سو اسے چاہیئے کہ لکھ دے اور وہ شخص بتلاتا جائے کہ جس پر قرض ہے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اس میں کچھ کم کر کے نہ لکھائے پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے وقوف ہے یا کمزور ہے یا وہ بتلا نہیں سکتا تو اس کا کارکن ٹھیک طور پر لکھوا دے اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو تاکہ اگر ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے اور جب گواہوں کو بلایا جائے تو انکار نہ کریں اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک لکھنے میں سستی نہ کرو یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک انصاف کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ تم کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سوداگری ہاتھوں ہاتھ ہو جسے آپس میں لیتے دیتے ہو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اسے نہ لکھو اور جب آپس میں سودا کرو تو گواہ بنا لو اور لکھنے والے اور گواہ بنانے والے کو تکلیف نہ دی جائے اور اگر تم نے تکلیف دی تو تمہیں گناہ ہو گا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۲۸۳.   اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو گروی پر قبضہ کیا جائے اور اگر ایک تم میں سے دوسرے پر اعتبار کرے تو چاہیئے کہ وہ شخص امانت ادا کر دے جس پر اعتبار کیا گیا اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گناہگار ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ خوب جانتا ہے۔

افادات محمود

يٰٓاَيُّہَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا تَدَايَنتُم الخ

یہ آیت مداینہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ طویل آیت ہے اس آیت میں قرض اور دین کے احکام کا بیان ہے۔ سب سے پہلے قانونی معاہدات اور تحفظات کا ذکر ہے۔ (1) ادھار دیتے وقت یہ تحریر لکھنی کہ فلاں وقت ادائیگی ہو گی۔ (2) کاتب کو حکم ہے کہ انصاف سے لکھے غیر جانبدار رہے۔ (3) اقرار نامہ کا خرچہ بذمہ خریدار ہو گا۔ (4) اقرار نامہ تحریر کرتے وقت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں۔ (5) گواہ بلا عذر شرعی گواہ بننے اور گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ (6) کاتب اور گواہ کا نقصان نہ کیا جائے۔ (7) اگر دست بدست سودا اور لین دین ہو تو اقرار نامہ لکھنا ضروری نہیں لیکن گواہ بنانا افضل ہے۔ نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیع سلم کا ذکر بھی فرمایا ہے بیع سلم میں ثمن عاجل ہوتا ہے اور مبیعہ آجل ہوتا ہے یعنی بیع سلم میں بیع الاجل بالعاجل ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کہے ابھی سو روپے لو اور اتنے عرصہ کے بعد اتنی گندم دے دینا.
حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:
من اسلم منکم فلیسلم فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم۔
یعنی تم میں سے کوئی شخص اگر بیع سلم کرنا چاہے تو یہ معاملہ ان شرائط کے ساتھ کرے کہ اگر کیلی چیز ہو تو کیل معلوم ہو

اور اگر وزنی چیز ہو تو وزن معلوم ہو۔ نیز وقت بھی معلوم ہو اور جنس بھی معلوم ہو۔ جیسے گندم ہے تو گندم اور گندم کی صنف و نوع بھی معلوم ہو یعنی یہ بارانی زمین کی گندم ہو یا نہری زمین کی گندم۔ ثمن بھی معلوم ہو اور مبیعہ کا قبضہ دینے کا مکان بھی معلوم ہو کیونکہ مذکورہ شرائط کا اگر بوقت بیع تصفیہ نہ کیا جائے تو یہ مقتضی الی النزاع ہوتا ہے۔ گویا مستقبل میں پیش آنے والے جھگڑے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس آیت سے یہ ضابطہ بھی معلوم ہو گیا کہ راس المال اور ثمن بھی اسی مجلس میں ادا کیا جائے جو انعقاد بیع سلم کے لیے منعقد کی گئی ہو۔ اجل بیع میں ہے لیکن قرض میں نہیں ہے۔ اگرچہ وقت مقرر کر دیا پھر بھی تاخیر کا اعتبار نہیں ہے، ضابطہ یہ ہے کہ القروض لا تقبل التاجیل۔ بیع سلم میں مسلم الیہ کا مسلم فیہ کا مالک ہونا شرط نہیں ہے۔ آپ نے ابھی پیسے دے دئیے کہ مہینے کے بعد مسلم الیہ سے گندم لوں گا اور فی الحال وہ گندم مسلم الیہ کے قبضہ میں نہیں تو یہ درست ہے، لیکن جنس ایسی ہونی چاہیے کہ اجل آنے تک بازار سے نایاب اور غائب ہونے کا ظن غالب نہ ہو۔ اگر ظن غالب یہ ہو کہ اجل آنے تک یہ چیز بازار سے غائب ہو جائے گی تو اس میں بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔

وَلَا یَابَ کَاتِبٌ اَن یَّکتُبَ الخ۔

اس زمانہ میں کاتبوں کا قحط تھا، آج اگرچہ ہر شخص کی جیب میں قلم ہے لیکن پھر بھی لکھنے کا ڈھنگ ہر ایک کو نہیں آتا، پس جو لوگ معاملہ کو صحیح لکھ سکتے ہیں، ان کو اس معاملہ میں بخل سے کام نہ لینا چاہیے۔

وَاستَشہِدُوا شَہِیدَینِ الخ۔

اب یہاں سے رجال کی شہادت کا ذکر ہے یعنی عبید (غلاموں) کی گواہی غیر مقبول ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی کے ہاں شہادت عبید جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک شہادت عبید جائز ہے۔ ان کا نواعد ولا، فرجل وامرتان الخ۔ یہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ اصل شہادت رجال ہی کی ہے، لیکن عدم رجال کی صورت میں دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ساتھ ایک مرد کا ہونا ضروری ہے۔

اذا کان معهما رجل فشهادتهما جائز۔

فقط عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے، البتہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن پر مردوں کو مطلع نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں صرف عورتوں کی شہادت ہی معتبر ہے۔ وہ چند امور ہیں جیسے ولادت، بکارت وغیرہ سے متعلق مسائل۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

و یقبل فی الولادة والبکارة والعیوب بالنساء فی موضع لا یطلع علیہ الرجال شهادة امراة واحدة۔

ایک عورت کی شہادت معتبر ہے ولادت کے بارے میں، بکارت (اور شبہ ہونے) کے بارے میں اور عورتوں کے عیوب کے بارے میں، اگر وہ عیوب ایسی جگہ ہوں کہ مرد ان جگہوں کا مشاہدہ نہ کر سکتے ہوں۔

جیسے رضاع کے مسئلہ کہ عام حالات میں مرد رضاعت کے گواہ نہیں بن سکتے، کیونکہ عورتیں ہی بچوں کو دودھ پلاتی ہیں۔ مردوں کو کیا معلوم؟ امام مالک کے ہاں اثبات رضاعت کے لیے اگر مد نہ ہوں تو چار عورتوں کی شہادت معتبر ہے، امام احمد کے ہاں دو کی شہادت کافی ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کے ہاں رجلان یا رجل و امراتان کی شہادت معتبر ہے۔

کیا یمین قائم مقام شہادت ہو سکتی ہے؟

قرآن و حدیث میں جہاں جہاں شہادت کا مطالبہ کیا گیا ہے، وہاں شہادت ہی معتبر ہو گی۔ یمین قائم مقام شہادت نہیں ہو سکتی، یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جہاں دو گواہوں کی ضرورت ہو تو ایک گواہ پیش کر دے اور ساتھ قسم بھی اٹھا لے۔ اس مسئلہ میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ یمین ملا کر اگر کوئی گواہی دے تو کیا کام چل سلتا ہے یا نہیں؟ امام اعظم ابو حنیفہ کے ہاں ایک شاہد کی شہادت کے ساتھ یمین ملا کر جو تکمیل شہادت کی صورت ہے، یہ نا ممکن ہے اور یہ شہادت غیر معتبر ہے۔ بعض لوگ امام اعظم کے خلاف حضرت ابن عباس کی روایت پیش کرتے ہیں۔

عن ابن عباس عن النبیﷺ انہ قضی بیمین و شاهد۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ایک گواہ اور ایک یمین کے ساتھ فیصلہ فرمایا ہے۔

(1) یہ روایت امام اعظم کے خلاف حجت نہیں ہے، کیونکہ اس روایت کا جو مفہوم عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ حضورﷺ نے ایک گواہ کی موجودگی میں یمین کے ساتھ فیصلہ کیا۔ کیونکہ یمین تو مشہور حدیث کے مطابق مدعی علیہ پر ہے نہ کہ مدی پر، لہذا مدعی کے پاس اگر گواہ بالکل نہ ہوں یا ایک گواہ ہو تو اس صورت میں مدی علیہ پر یمین ہے۔ شاہد واحد لغو ہے۔ گویا آپﷺ نے ایک گواہ کو نظر انداز فرماتے ہوئے فیصلہ بالیمین کر لیا شاہد مع الیمین مراد نہیں ہے۔

(2) حدیث ہے کہ البینة علی المدعی والیمین علی من انکرہ۔

مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے اور انکار کرنے والے کے لیے قسم لازم ہے۔

واذا کان الیمین مختصا بالمدعی علیہ فان قضی بالیمین قضی بیمین المدعی علیہ۔

یعنی جب قسم خاص ہے مدعی علیہ کے ساتھ تو جب یمین کے ساتھ قاضی فیصلہ کرے گا تو مدعی علیہ کی قسم کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔
(3) مندرجہ بالا توجیہ سے احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔
(4) امام زہری کے شاگرد معمر کہتے ہیں کہ:
سالت الزھری عن الیمین مع الشاھد فقال ھذا شیئ احد لہ الناس۔
میں نے زہری سے (ایک) قسم اور (ایک) گواہ کے ذریعہ فیصلہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو لوگوں نے بنائی ہے۔
شہادۃ الفاسقین کے مسئلہ سے متعلق امام اعظم کے مسلک پر شبہ اور اس کا جواب:
مندرجہ بالا آیت میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے۔ سورۃ نساء میں گواہوں میں عدالت کو بھی شرط قرار دیا گیا ہے، لیکن امام اعظم کا مسلک فقہ کی کتب میں عام نقل کیا گیا ہے کہ النکاح ینعقد لشھادۃ الفاسقین۔ کہ فاسق لوگوں کی شہادت سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ یہ رائے بظاہر نص قطعی کے خلاف ہے، اس لیے امام اعظم کے متعلق کسی کا قول ہے:
فقول ابی حنیفۃ فی ھذہ المسئلۃ ضعیف جدا۔
امام ابی حنیفہ کا قول اس مسئلہ میں نہایت کمزور ہے۔
الجواب: جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اس طرح کے اشکالات وہ لوگ پیش کرتے ہیں جو امام اعظم کے مسلک کو سمجھتے ہی نہیں۔ نہ وہ اس حقیقت کی تہہ تک رسائی پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں اصل میں دو باتیں ہیں اور دونوں الگ الگ ہیں۔
(1) ایک ہے انعقاد نکاح فیما بینہ و بین اللہ۔ (2) اور دوسرا ہے ثبوت نکاح عند القاضی عند اختلاف الزوجین۔
ترمذی شریف کی روایت ہے:
البغایا اللاتی ینکحن انفسھن بغیر بینۃ۔
جو عورتیں بغیر گواہ کے نکاح کرتی ہیں وہ بدکار ہیں۔
(1) پہلی صورت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر فاسق لوگ بھی موجود ہوں اور میاں بیوی کا نکاح کرایا گیا تو اللہ کے ہاں یہ نکاح درست ہے، لیکن کسی اختلاف کی صورت میں ان فاسق کی شہادت قاضی کے ہاں قابل قبول نہیں ہو گی۔ یہ ایسا ہی ہے کہ بوقت نکاح بیوہ عورت کا بیٹا موجود ہو یا والد موجود ہو تو کیا ان لوگوں کی شہادت سے اور ان کی موجودگی میں نکاح درست نہ ہو گا؟ لیکن اختلاف کی صورت میں بیٹے کی شہادت والدہ کے لیے یا والد کی شہادت بیٹی کے لیے عند القاضی ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔ ان لوگوں کی شہادت کو قاضی رد کر دے گا اور ان کی شہادت سے نکاح ثابت نہ ہو گا۔
(2) ثبوت نکاح کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے۔ نکاح کے وقت قاضی ایسے گواہوں کو طلب کرے گا جو عادل ہوں۔ اصل ضابطہ یہی ہے۔ پہلی صورت تو ایک اتفاق ہے۔ زندگی بھر کوئی اختلاف نہ ہو تو مسئلہ ہی نہیں ہے۔ قاضی کے پاس نکاح کے ثبوت کی کوئی ضرورت پیش آئے تو فاسق لوگوں کی موجودگی میں کرایا ہوا نکاح منعقد ہے، باطل نہیں ہے۔
فَرَجُلٌ وَّامرَاَتٰنِ الخ۔
حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہیں۔ یہ قاعدہ اکثریت کے بارے میں ہے، ورنہ بعض عورتیں بڑی عاقل اور سمجھ دار ہوتی ہیں۔

رکوع ۴۰

284۔ لِّلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ وَ إِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
285۔ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَ الْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَ مَلَايكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَ قَالُوا سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ إِلَيْکَ الْمَصِيرُ
286۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَ اعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

ترجمہ:

۲۸۴. جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور اگر تم اپنے دل کی بات ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے اللہ تم سے اس کا حساب لے گا پھر جس کو چاہے بخشے گا اور جسے چاہے عذاب کرے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۸۵. رسول نے مان لیا جو کچھ اس پر اس کے رب کی طرف سے اترا ہے اور مسلمانوں نے بھی مان لیا سب نے اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو مان لیا ہے کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور مان لیا اے ہمارے رب تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۲۸۶. اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا نیکی کا فائدہ بھی اسی کو ہو گا اور برائی کی زد بھی اسی پر پڑے گی اے رب ہمارے ! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑ اے رب ہمارے ! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا اے رب ہمارے ! اور ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوا جس کی ہمیں طاقت نہیں اور ہمیں معاف کر دے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے کافروں کے مقابلہ میں تو ہماری مدد کر۔

افادات محمود

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الخ

جب یہ آیت وَاِن تُبدُوا مَا فِیٓ اَنفُسِکُم الخ نازل ہوئی تو صحابہ کرام بہت گھبرائے اور حضور ﷺ سے اپنی پریشانی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم یہ ثبت کرو کہ ہم حکم الٰہی کو مانتے ہیں اور اپنے ایمان کا اظہار کرو، باقی اللہ تعالیٰ خودبخود ٹھیک کر دے گا۔ پھر لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفسًا الخ کے ذریعہ وہ آیت منسوخ ہو گئی۔

اب اگر صرف گناہ کا ارادہ ہو اور کسی عبد کا خیال نہ ہو تو حدیث الفنس میں کوئی مواخذہ نہیں واللہ اعلم۔

***

۳۔ سورۃ آلِ عمران

رکوع ۱

بِسْمِ اللَّہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ

1۔ الم

2۔ اللَّہُ لَا إِلَہَ إِلَّا ہوَ الْحَیُّ الْقَیُّومُ

3۔ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَ أَنزَلَ التَّوْرَاۃَ وَ الْإِنجِیلَ

مِن قَبْلُ ہدًی لِّلنَّاسِ وَ أَنزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا بِآیَاتِ اللَّہِ لَہمْ عَذَابٌ شَدِیدٌ وَ اللَّہُ عَزِیزٌ ذُو انتِقَامٍ

إِنَّ اللَّہَ لَا یَخْفَی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْأَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَاءِ

ہوَ الَّذِی یُصَوِّرُکُمْ فِی الْأَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ لَا إِلَہَ إِلَّا ہوَ الْعَزِیزُ الْحَکِیمُ

ہوَ الَّذِی أَنزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْہُ آیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ ہنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَ أُخَرُ مُتَشَابِہاتٌ فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِہِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَۃِ وَ ابْتِغَاءَ تَأْوِیلِہِ وَ مَا یَعْلَمُ تَأْوِیلَہُ إِلَّا اللَّہُ وَ الرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِہِ کُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّکَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

8۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ ہدَیْتَنَا وَ ہبْ لَنَا مِن لَّدُنکَ رَحْمَۃً إِنَّکَ أَنتَ الْوَہابُ

9۔ رَبَّنَا إِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیہِ إِنَّ اللَّہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیعَادَ

ترجمہ:

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

۱. الم۔

۲. اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے نظام کائنات کا سنبھالنے والا ہے ۔

۳. اس نے تجھ پر یہ سچی کتاب نازل فرمائی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے اس کتاب سے پہلے تورات اور انجیل نازل فرمائی۔

۴. وہ کتابیں لوگوں کے لیے راہ نما ہیں اور اسی نے فیصلہ کن چیزیں نازل فرمائیں بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ دینے والا ہے ۔

۵. اللہ پر زمین اور آسمان میں کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔

۶. وہی جس طرح چاہے ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بناتا ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں زبردست حکمت والا ہے ۔

۷. وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری اس میں بعض آیتیں محکم ہیں (جن کے معنیٰ واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری مشابہ ہیں (جن کے معنیٰ معلوم یا معین نہیں) سو جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہیں وہ گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی غرض سے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں اور حالانکہ ان کا مطلب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہمارا ان چیزوں پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت وہی لوگ مانتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

۸. اے رب ہمارے ! جب تو ہم کو ہدایت کر چکا تو ہمارے دلوں کا نہ پھیر اور اپنے ہاں سے ہمیں رحمت عطا فرما بے شک تو بہت زیادہ دینے والا ہے ۔

۹. اے ہمارے رب! تو ایک دن سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں بے شک اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔

افاداتِ محمود

سورۃ آل عمران مدنی ہے اور اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔
(1) اس کا ایک نام سورۃ آل عمران ہے۔ (2) تورات میں اس کا نام طیبہ ہے۔ (3) سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران دونوں کو حدیث میں زہروین کہا گیا ہے زہراوین بمعنی النیرۃ یعنی روشنی، سورج۔ گویا یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کو نور بخشتی ہیں۔ اس وجہ سے ان کو زہراوین فرمایا گیا ہے یعنی ان دونوں کو پڑھا کرو تو نور نصیب ہو گا۔ اسم اعظم بھی ان دونوں سورتوں میں ہے۔ چنانچہ ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے:
قال رسول اللہ ﷺ ان اسم اللہ الاعظم فی ہذین الایتین والھکم الہ واحد۔ (بقرہ) اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ الحَیُّ القَیُّومُ۔ الخ (سورۃ آل عمران)
حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم درج ذیل دو آیتوں میں ہے۔ (1) والھکم الخ (سورۃ بقرہ) اور اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ الحَیُّ القَیُّومُ۔ الخ (سورۃ آل عمران) رواہ ابن ماجہ۔
(4) اس سورت کو غمام اور ظلہ بھی کہا جاتا ہے۔ غمام بمعنی بادل اور ظلہ بمعنی سایہ بان یعنی ان قارئھا یکون فی ظل ثوابھا اس کا پڑھنے والا اس کے ثواب کے سایہ میں قیامت کے روز ہو گا۔
شان نزول:
نصاریٰ نجران کا ایک وفد حضور ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ میں آیا تھا۔ یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں 14 افراد خاص تھے اور پھر 3 افراد اخص الخواص اور نہایت بڑے عالم اور صاحب رائے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو ان لوگوں نے مسجد نبوی میں نماز پڑھی۔ جب انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام نے روکا، لیکن حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ ان کو اپنے مذہب کے مطابق مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق ہی کی طرف نماز پڑھی۔
یہ وفد حضور ﷺ کی نبوت کی خبر سن کر آپ سے مباحثہ و مناظرہ کی غرض سے آیا تھا، لہذا ان لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت اور ابن اللہ ہونے پر دلائل دینا شروع کر دیئے۔ حضور ﷺ نے تمام دلائل سماعت فرما کر پھر ایک ایک دلیل کو رد فرمایا اور وہ لوگ اس رد اور جرح کے جواب میں لاجواب ہی ہوتے رہے۔ آخر میں حضور ﷺ نے مباہلہ کی دعوت دے دی تو یہ لوگ ڈر گئے اور گھبرانے کی وجہ سے مباہلہ کے لیے حاضر نہ ہوئے۔ سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیات اسی وفد کے متعلق ہیں۔

وَمَا يَعلَمُ تَاوِيلَہٗ اِلَّا اللّٰهُ
(1) اس آیت کی مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ الا اللہ پر وقف کیا جائے اور مفہوم اس کا یہ ہے کہ متشابہات کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا یہ قول منقول ہے حضرت عائشہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عمر، حضرت عمر ابن عبدالعزیز سے، اس صورت میں الا اللہ پر وقف ہے اور اس کا مابعد الگ کلام ہے۔ ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت امام مالک سے بھی یہی منقول ہے۔
(2) بعض مفسرین کے ہاں وَالرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ پر وقف کیا جائے گا اور مفہوم یہ ہو گا کہ متشابہات کی مراد اللہ تعالیٰ اور راسخین فی العلم جانتے ہیں اور آگے یقولون خبر ہے مبتدا محذوف ھذا کے لیے۔
(3) تیسری صورت یہ ہے کہ وَالرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ پر وقف کیا جائے تو مفہوم یہ ہو گا کہ متشابہات کی تاویل حقیقی اور واقعی کو تو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تاویل ظنی راسخین فی العلم جانتے ہیں۔ (کما ذکرنا بالتفصیل فی المقدمۃ)
رَبَّنَا لَا تُزِغ قُلُوبَنَا الخ
یہاں سے معلوم ہوا کہ دلوں کو پھیرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس میں معتزلہ کے نظریہ کی تردید ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتے۔

رکوع ۲
10- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْہمْ أَمْوَالُہمْ وَ لَا أَوْلَادُہم مِّنَ اللَّہ شَيْيا وَ أُولَيکَ ہمْ وَقُودُ النَّارِ
11- كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَ الَّذِينَ مِن قَبْلِہمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَہمُ اللَّہ بِذُنُوبِہمْ وَ اللَّہ شَدِيدُ الْعِقَابِ
12- قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَ تُحْشَرُونَ إِلَى جَہنَّمَ وَ بِيسَ الْمِہادُ
13- قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَۃ فِي فِيئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِيۃ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّہ وَ أُخْرَى كَافِرَة يَرَوْنَہم مِّثْلَيْہمْ رَأْىَ الْعَيْنِ وَ اللَّہ يُوَيِّدُ بِنَصْرِہ مَن يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَلِکَ لَعِبْرَة لِّأُولِي الْأَبْصَارِ
14- زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّہوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَ الْبَنِينَ وَ الْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَة مِنَ الذَّہبِ وَ الْفِضَّۃ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَۃ وَ الْأَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذَلِکَ مَتَاعُ الْحَيَاة الدُّنْيَا وَ اللَّہ عِندَہ حُسْنُ الْمَآبِ
15- قُلْ أَؤُنَبِّيكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَلِكُمْ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّہمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِہا الْأَنْہارُ خَالِدِينَ فِيہا وَ أَزْوَاجٌ مُّطَہرَة وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللَّہ وَ اللَّہ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ
16- الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ
17- الصَّابِرِينَ وَ الصَّادِقِينَ وَ الْقَانِتِينَ وَ الْمُنفِقِينَ وَ الْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ
18- شَہدَ اللَّہ أَنَّہ لَا إِلَہ إِلَّا ہوَ وَ الْمَلَايكَۃ وَ أُولُو الْعِلْمِ قَايمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَہ إِلَّا ہوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
19- إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّہ الْإِسْلَامُ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَہمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَہمْ وَ مَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّہ فَإِنَّ اللَّہ سَرِيعُ الْحِسَابِ
20- فَإِنْ حَاجُّوکَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْہیَ لِلَّہ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ وَ قُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَ الْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اہتَدَوا وَّ إِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْکَ الْبَلَاغُ وَ اللَّہ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ

ترجمہ:

۱۰. بے شک جو لوگ کافر ہیں ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں ہر گز کام نہیں آئیں گے اور وہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔
۱۱. جس طرح فرعون والوں اور ان سے پہلے لوگوں کا معاملہ تھا انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا پھر اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب سے انہیں پکڑا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۔
۱۲. کافروں کو کہہ دے کہ اب تم مغلوب ہو گئے اور دوزخ کی طرف اکھٹے کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے ۔
۱۳. تمہارے سامنے ایک نمونہ دو فوجوں کا گزر چکا ہے جو آپس میں ملیں ایک فوج اللہ کی راہ میں لڑتی ہے اور دوسری فوج کافروں کی ہے وہ کافر مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے آنکھوں کے دیکھنے سے اور ا اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے قوت دیتا ہے اس واقعہ میں دیکھنے والوں کے لیے عبرت ہے ۔

۱۴. لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے فریفتہ کیا ہوا ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے ۔
۱۵. کہہ دے کیا میں تم کو اس سے بہتر بتاؤں پرہیزگاروں کے لیے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاک عورتیں ہیں اور اللہ کی رضا مندی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ۔
۱۶. وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ! ہم ایمان لائے ہیں سو ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے ۔
۱۷. وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے ہیں اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی راتوں میں گناہ بخشوا نے والے ہیں۔
۱۸. اللہ نے اور فرشتوں نے اور علم والوں نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی انصاف کا حاکم ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں زبردست حکمت والا ہے ۔
۱۹. بے شک دین اللہ کے ہاں فرماں برداری ہی ہے اور جنہیں کتاب دی گئی تھی انہوں نے صحیح علم ہونے کے بعد آپس کی ضد کے باعث اختلاف کیا اور جو شخص اللہ کے حکموں کا انکار کرے تو اللہ جلد ہی حساب لینے والا ہے ۔
۲۰. پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو ان سے کہہ دے کہ میں نے اپنا منہ اللہ کے تابع کیا ہے ان لوگوں نے بھی جو میرے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے کہہ دے جنہیں کتاب دی گئی ہے اور ان پڑھوں سے آیا تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہو گئے تو انہوں نے بھی سیدھی راہ پالی اور اگر وہ منہ پھیریں تو تیرے ذمہ فقط پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ۔

افادات محمود

داب ای العادۃ۔ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغلَبُونَ الخ
حضور ﷺ جب غزوہ بدر سے فارغ ہو کر فاتح کی حیثیت سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہود سے گفتگو فرمائی، لیکن ان لوگوں نے بجائے مشرکین مکہ کی حالت سے عبرت پکڑنے کے حضور ﷺ سے ناشائستہ انداز میں گفتگو کی۔
عن عاصم بن عمرو ان رسول اللہ ﷺ لما اصاب من اهل بدر ما اصاب و رجع الی المدینۃ رجع الیهود فی سوق بنی قینقاع و قال یا معشر یهود اسلموا قبل ای یصیبیکم اللہ بما اصاب قریشا فقالوا یا محمد لا یغرنک من نفسک ان قتلت نفرا من قریش کانوا غمارا لا یعرفون القتال انک واللہ لو قاتلتنا لعرفت انا نحن الناس وانک لم تلق مثلنا فانزل اللہ قل للذین کفروا، الخ (تفسیر ابن کثیر)
حضرت عاصم ابن عمرو سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے بدر کے مقام پر مشرکین مکہ کو شکت سے دوچار کیا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو بنی قینقاع کے بازار میں یہود کو جمع فرما کر ان سے یوں گفتگو فرمائی، اے یہود کی جماعت اسلام قبول کرو، اس سے قبل کہ تمہیں وہ کچھ پہنچے جو مشرکین مکہ کو پہنچا۔ یہود (جواب میں) کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ آپ کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ آپ نے قریش کے چند نا تجربہ کار لوگوں سے لڑائی لڑی (اور ان کو زیر کیا) جو لڑائی کے پیچ و خم سے بالکل واقف نہ تھے۔ اللہ کی قسم اگر آپ کا ہم سے پالا پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہی مردانہ وار جنگ کرنے والے ہیں اور ہم جیسوں سے تو اب تک آپ کا واسطہ پڑا ہی نہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی:
حاصل آیت یہ ہے کہ اے یہودیو! تم دنیا میں بھی مغلوب ہو جاؤ گے جیسا کہ بنو قریظہ کا حشر ہوا اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور ان کے لائے ہوئے دین کو غالب فرمائیں گے۔
يَّرَونَهُم مِّثلَيهِم رَایَ العَينِ۔
نافع مدنی (پہلا قاری ہے) نے ترونهم تا کے ساتھ پڑھا اور باقی چھ قاری یا کے ساتھ يَّرَونَهُم پڑھتے ہیں۔
(1) پہلی قرات کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ اے مسلمانو تم کفار کو اپنے سے دو گنا دیکھتے ہو ترون کا فاعل مسلمان ہیں اور ہم کی ضمیر منصوب کفار کی طرف راجع ہے اور مِّثلَيهِم میں ضمیر مجرور مسلمانوں کی طرف راجع ہے۔
(2) دوسری قرات کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ یرون کا فاعل کفار ہیں اور ہم کی ضمیر منصوب مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور مثلیهم کی ضمیر مجرور مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور حاصل یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو ان سے دو گنا دیکھتے ہیں۔
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کو زیادہ دیکھتی تھیں اور سورۃ انفال کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ

دونوں فوجیں ایک دوسرے کی نظر میں تھوڑی دکھائی دیتی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:
وَإِذ يُرِيكُمُوهُم إِذِ التَقَيتُم فِي أَعيُنِكُم قَلِيلا وَيُقَلِّلُكُم فِي أَعيُنِهِم لِيَقضِيَ اللَّهُ أَمرًا كَانَ مَفعُولا وَإِلَى اللَّهِ تُرجَعُ الأمُورُ۔ (الانفال: 44)
اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا۔
سورۃ انفال کی آیت میں جو کیفیت مذکور ہے یہ جنگ سے پہلے کی ہے۔ جیسا کہ لیقضی اللہ سے معلوم ہوتا ہے اور سورۃ آل عمران میں جو کیفیت مذکور ہے یہ دوران جنگ کی ہے۔ لہذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے۔ آیت ذیل میں اگرچہ دیگر احتمالات بھی ہیں، لیکن خلاصہ ان کا ان دونوں قراتوں و صورتوں کا وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا۔
زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ الخ۔
حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔
ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء۔ (بخاری و مسلم)
مجھے اپنے بعد سب سے زیادہ خطرناک فتنے کا اندیشہ ہے وہ عورتیں ہیں۔
نساء میں دو اور اولاد میں ایک فتنہ ہے:
نساء میں دو فتنے اور اولاد میں ایک فتنہ ہے۔ (1) عورتوں میں ایک فتنہ معاشرتی ہے۔ (2) اور دوسرا مالی ہے۔
(1) معاشرتی فتنہ عورت میں یہ ہے کہ شوہر کو قطع رحمی پر ابھارتی اور برانگیختہ کرتی رہتی ہے کہ تمہاری والدہ نے یہ بات کہی ہے، تمہارے والد نے یہ بات کہی ہے۔ نتیجتا گھر میں معاشرت خراب ہوتی اور فتنہ برپا ہو جاتا ہے۔ شادی کے بعد بہن بھائیوں اور والدین سے اچھا سلوک تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔ پھر الگ مکان اور رہن سہن کا مطالبہ کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔
(2) دوسری بات یہ ہے کہ نان و نفقہ چونکہ شوہر کے ذمہ واجب ہے تو وہ غریب مجبور ہوتا ہے کسب حرام پر۔ وہ یہ نہیں دیکھا کہ میں حلال کما رہا ہوں یا حرام۔ کتنے لوگوں کو اذیتیں دے دے کر وہ اس کے جائز و ناجائز مطالبوں کو پورا کرتا ہے۔ اس کی عاقبت تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ مالی فتنہ ہے، اولاد میں صرف مالی فتنہ ہے، معاشرتی فتنہ نہیں ہے۔ لہذا نساء کا فتنہ اشد و اضر ہے اولاد کے فتنہ کے مقابلہ میں۔ القناطیر یہ قنطار کی جمع ہے۔ قنطار اس مال کو کہتے ہیں کہ جمع کرتے کرتے ڈھیر بن جائے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔
وَإِن أَرَدتُمُ استِبدَالَ زَوجٍ مَكَانَ زَوجٍ وَآتَيتُم إِحدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلا تَأخُذُوا مِنهُ شَيئًا (النساء: 20)
اور اگر تم چاہو بدلنا کسی عورت کو ایک عورت کی جگہ اور تم دے چکے ہو ایک کو ان میں سے بہت سا مال تو نہ واپس لو اس سے کچھ بھی۔

رکوع ۳

21۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ يَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَ يَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ
22۔ أُولَٰئِکَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ مَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ
23۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَ هُم مُّعْرِضُونَ
24۔ ذَٰلِکَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَ غَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ
25۔ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ
26۔ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِي الْمُلْکَ مَن تَشَاءُ وَ تَنزِعُ الْمُلْکَ مِمَّن تَشَاءُ وَ تُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِکَ الْخَيْرُ إِنَّکَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
27۔ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَن تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
28۔ لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَ مَن يَفْعَلْ ذَٰلِکَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَ إِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ
29۔ قُلْ إِن تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ وَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
30۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَ مَا عَمِلَتْ مِن سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَ يُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَ اللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ

ترجمہ:
-
۲۲.	یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا اور آخرت میں محنت ضائع ہو گئی اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔
۲۳.	کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں ایک حصہ کتاب کا ملا وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ کتاب ان میں فیصلہ کرے پھر ایک فرقہ ان میں سے پھر جاتا ہے ایسے حال میں کہ وہ منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔
۲۴.	یہ ا سلیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہرگز آگ نہیں لگے گی مگر چند دن گنتی کے اور ان کی بنائی ہوئی باتوں نے انہیں دین میں دھوکہ دیا ہوا ہے ۔
۲۵.	پھر ان کا کیا ہو گا جب ہم انہیں ایک دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں اور ہر کسی کو اپنی کمائی کا اجر پورا دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔
۲۶.	تو کہہ اے اللہ! بادشاہی کے مالک! جسے تو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے جسے تو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے تو چاہے ذلیل کرتا ہے سب خوبی تیرے ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر چیز قادر ہے ۔
۲۷.	تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جسے تو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ۔
۲۸.	مسلمان مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی یہ کام کریں اسے اللہ سے کوئی تعلق نہیں مگر اس صورت میں کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو اور اللہ تمہیں اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔
۲۹.	تو کہہ دے اگر تم اپنے دل کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو اسے اللہ جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اسے جانتا ہے اور اللہ ہر چیز ہر قادر ہے ۔
۳۰.	جس دن ہر شخص موجود پائے گا اپنے سامنے اس نیکی کو جو اس نے کی تھی اور جو کچھ کہ اس نے برائی کی تھی اس دن چاہے گا کہ کاش درمیان اس کے اور درمیان اس کی برائی کے مسافت دور کی ہو اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے ۔

افادات محمود

اِنَّ الَّذِینَ یَکفُرُونَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ الخ
یہاں سے پھر یہود کی قباحتوں کا بیان ہے کہ حضرات انبیاء (علیہم السلام) کو شہید کرنے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔
وَّیَقتُلُونَ الَّذِینَ یَامُرُونَ بِالقِسطِ الخ
(1) یہاں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پہلی امتوں پر بھی واجب تھا۔ حدیث میں ہے:
من امر بالمعروف ونھی عن المنکر فھو خلیفۃ اللہ فی الارض وخلیفۃ رسولہ۔
یعنی جس شخص نے امر بالمروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تو وہ زمین میں اللہ اور اس کے رسول کا خلیفہ ہے۔
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ بین المسلمین و المنافقین امتیازی شان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
وَالمُؤمِنُونَ وَالمُؤمِنَاتُ بَعضُہُم أَولِیَاءُ بَعضٍ یَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَیَنہَونَ عَنِ المُنکَرِ (توبہ: 71)
اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں کہ حکم کرتے ہیں نیک کام کا اور روکتے ہیں برے کام سے۔
اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:
المُنَافِقُونَ وَالمُنَافِقَاتُ بَعضُہُم مِن بَعضٍ یَأمُرُونَ بِالمُنکَرِ وَیَنہَونَ عَنِ المَعرُوفِ (توبہ: 67)
منافق مرد اور منافق عورتیں بعض ان میں سے جنس ہیں بعض کی، حکم کرتے ہیں برے کام کا اور روکتے ہیں نیک کام سے۔
پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ امر بالمعروف اس صورت میں بھی جائز ہے کہ جس چیز کی طرف دعوت دے رہا ہے، خود اس پر عمل نہ کرتا اور نہی عن المنکر جائز ہے، اگرچہ انسان خود اس منکر کا مرتکب ہو رہا ہو۔ یہ دونوں فعل (یعنی معروف پر عمل نہ کرنا اور منکر پر عمل کرنا) مذموم ضرور ہیں۔ ان پر مواخذہ ہو سکتا ہے، لیکن دعوت کا جواز ثابت ہے۔
(2) دوسری بات یہ ہے کہ منکر کا تغیر اور بدلنا واجب ہے علی کل مسلم (ہر مسلمان پر) بالید او باللسان او بالقلب (ہاتھ کے ذریعہ یا زبان کے ذریعہ یا دل کے ذریعہ) لیکن آج نہ باپ بیٹے کو روکتا ہے، نہ بیٹا باپ کو اور یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک نے اپنی قبر میں جانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دینی نقصانات کے متعلق باپ کے دل میں حمیت و غیرت ہے ہی نہیں جو ہونی چاہیے، ورنہ اگر بیٹا پانچ روپے کا نقصان کر دے تو باپ گھر سے نکال دیتا ہے، لیکن دین کی بے حرمتی اور نقصان پر کچھ نہیں کہتا۔

اصل میں دین کی اہمیت ہی ختم ہو چکی ہے اور عورتیں تو نماز اپنے اوپر فرض سمجھتی ہی نہیں، الا ماشاء اللہ۔ بعض لوگ بالکل نہیں پڑھتے، بعض عیدین کی پڑھتے ہیں، بعض جمعہ کی پڑھتے ہیں۔ یہی لوگ آج کل نیک کہلاتے ہیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے پوچھا:
متی یترک الامر بالمعروف والنھی عن المنکر قال اذا ظھر فیکم ما ظھر فی امم ما قبلکم۔
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑا جائے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا جو گناہ پہلی امتوں میں ظاہر ہوئے تھے تم لوگوں میں ظاہر ہونے لگے۔
یعنی جب گناہ عام ہو جاتا ہے اس کی اہمیت جاتی رہتی ہے۔
قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ المُلکِ الخ
حضرت ابن عباس و انس سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا تو بعد میں صحابہ کرام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم روم و فارس کو بھی ختم کریں گے تو یہود اور منافقین کہنے لگے کہ:
ھیھات ھیھات این لمحمد ملک الروم والفارس۔
یعنی یہ بات تو انتہائی بعید ہے۔ محمد ﷺ کے لیے فارس و روم پر قبضہ کرنا اور ان کو زیر نگیں کرنا کب ممکن ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جسے چاہے جو حصہ سونپ دے۔
خوشامد کرنے والے قراء:
ایک فوجی آمر کے دور اقتدار میں قاری صاحبان کثرت سے سرکاری محفلوں میں اس آیت کی تلاوت کرتے تھے۔
تُؤتِی المُلکَ مَن تَشَاءُ
اس آیت میں ان کے اقتدار کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ آج کل ہمارے حکمرانوں کے جشن منانے کے دوران بھی اس آیت کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ خوشامد کرنے والے لوگ آیت کو غلط محل پر منطبق کرتے ہیں۔ یہ کوئی انعام و نعمت ان لوگوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ تم لوگوں کو ایسے حکمرانوں کی شکل میں شامت اعمال کی سزا مل رہی ہے۔
تُولِجُ الَّیلَ فِی النَّہَارِ
(1) ایک مطلب تو یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں اور سردیوں میں راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہو جاتے ہیں۔
(2) یا یہ مطلب ہے کہ دن کے بعد رات آتی ہے اور رات کے بعد دن آتا ہے، لیکن پہلے والی تفسیر زیادہ راجح اور اولی ہے۔
وَتُخرِجُ الحَیَّ مِنَ المَیِّتِ وَتُخرِجُ المَیِّتَ مِنَ الحَیِّ الخ
(1) حسن بصری سے منقول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ:
تخرج المومن من الکافر والکافر من المومن۔
یعنی اللہ تعالیٰ مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے پیدا فرماتا ہے۔ مومن چونکہ بمنزلہ زندہ کے ہے اور کافر بمنزلہ مردہ کے ہے، لہذا اس طرح تعبیر فرمایا۔ دلیل اس کی یہ ملتی ہے کہ ایک نیک صائمہ عورت حضور ﷺ کے پاس آئی، اس کا باپ کافر تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:
سبحان الذی یخرج الحی من المیت۔
یعنی پاک ہے وہ اللہ جس نے زندہ (مومن) کو مردہ (کافر) سے پیدا فرمایا۔ لہذا حی اور میت دونوں لفظ حقیقی معنی پر محمول نہیں ہیں۔
(2) حضرت عکرمہ تلمیذ ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مراد اخراج الدجاجۃ وھی حیۃ من البیضۃ وھی میت واخراج البیضۃ من الدجاجۃ۔
یعنی مرغی زندہ ہے وہ انڈے سے پیدا ہوتی ہے جو کہ مردہ ہے اور انڈا جو کہ مردہ ہے زندہ مرغی سے پیدا ہوتا ہے۔
(3) حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ:
النطفۃ تخرج من الرجل وھی میت و یخلق الرجل منھا یا وھی میت۔
یعنی زندہ انسان سے نطفہ نکلتا ہے جو کہ بے جان ہے اور بے جان نطفہ سے زندہ انسان بنتا ہے۔
(4) بعض کے ہاں مراد یہ ہے کہ
الحبۃ تخرج من السنبل وھی میت والسنبل تخرج من الحبۃ وھو حی۔
قُل اِن تُخفُوا مَا فِی صُدُورِکُم الخ
جب احزاب الکفار و المشرکین نے مدینہ منورہ پر حملے کا ارادہ کر لیا تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے مشورہ سے خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ منافقین اور یہود نے مذاق اڑایا کہ یہ لوگ اب مدینہ منورہ کو بچا نہیں سکیں گے۔ اگرچہ خندقیں کھود رہے

ہیں، لیکن ان کو فائدہ نہ ہو گا۔ (العیاذ باللہ) اور کہا کہ یہ لوگ باتوں میں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم روم و فارس کو فتح کریں گے، مگر اپنا شہر بچانا مشکل ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو باتیں تم اللہ کے رسول کے خلاف سینوں میں چھپائے رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہے۔

رکوع ۴

31. قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّہ فَاتَّبِعُونِی يُحْبِبْكُمُ اللَّہ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ اللَّہ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
32. قُلْ أَطِيعُوا اللَّہ وَ الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّہ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ
33. إِنَّ اللَّہ اصْطَفَى آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاہيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ
34. ذُرِّيَّۃ بَعْضُہا مِن بَعْضٍ وَ اللَّہ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
35. إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّی نَذَرْتُ لَکَ مَا فِی بَطْنِی مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّی إِنَّکَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
36. فَلَمَّا وَ ضَعَتْہا قَالَتْ رَبِّ إِنِّی وَضَعْتُہا أُنثَى وَ اللَّہ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَى وَ إِنِّی سَمَّيْتُہا مَرْيَمَ وَ إِنِّی أُعِيذُہا بِکَ وَ ذُرِّيَّتَہا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
37. فَتَقَبَّلَہا رَبُّہا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَ أَنبَتَہا نَبَاتًا حَسَنًا وَ كَفَّلَہا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْہا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَہا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَکِ ہذَا قَالَتْ ہوَ مِنْ عِندِ اللَّہ إِنَّ اللَّہ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
38. ہنَالِکَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّہ قَالَ رَبِّ ہبْ لِی مِن لَّدُنکَ ذُرِّيَّۃ طَيِّبَۃ إِنَّکَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ
39. فَنَادَتْہ الْمَلَايكَۃ وَ ہوَ قَايمٌ يُصَلِّی فِی الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّہ يُبَشِّرُکَ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَۃ مِّنَ اللَّہ وَ سَيِّدًا وَ حَصُورًا وَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ
40. قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِی غُلَامٌ وَ قَدْ بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ وَ امْرَأَتِی عَاقِرٌ قَالَ كَذَلِکَ اللَّہ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ
41. قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّی آيَۃ قَالَ آيَتُکَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَۃ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا وَ اذْكُر رَّبَّکَ كَثِيرًا وَ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ الْإِبْكَارِ

ترجمہ:

۳۱. کہہ دو اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تاکہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

۳۲. کہہ دو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

۳۳. بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو سارے جہان سے پسند کیا ہے ۔

۳۴. جو ایک دوسرے کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔

۳۵. جب عمران کی عورت نے کہا اے میرے رب جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد کر کے میں نے تیری نذر کیا سو تو مجھ سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے ۔

۳۶. پھر جب اسے جنا کہا اے میرے رب! میں نے تو وہ لڑکی جنی ہے اور جو کچھ اس نے جنا ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے اور بیٹا بیٹی کی طرح نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے بچا کر تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

۳۷. پھر اسے اس کے رب نے اچھی طرح سے قبول کیا اور اسے اچھی طرح بڑھایا اور وہ زکریا کو سونپ دی جب زکریا اس کے پاس حجرہ میں آتے تو اس کے پاس کچھ کھانے کی چیز پاتے کہتے اے مریم! تیرے پاس یہ چیز کہاں سے آئی ہے وہ کہتی یہ اللہ کے ہاں سے آئی ہے اللہ جسے چاہے بے قیاس رزق دیتا ہے ۔

۳۸. زکریا نے وہیں اپنے رب سے دعا کی کہا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تو دعا کا سننے والا ہے ۔

۳۹. پھر فرشتوں نے اس کو آواز دی جب وہ حجرے کے اندر نماز میں کھڑے تھے کہ بے شک اللہ تجھ کو یحییٰ کو خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے ایک حکم کی گواہی دے گا اور سردار ہو گا اور عورت کے پاس نہ جائے گا اور صالحین میں سے نبی ہو گا۔

۴۰. کہا اے میرے رب! میرا لڑکا کہاں سے ہو گا حالانکہ میں بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا اللہ

اسی طرح جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔
۴۱. کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر فرمایا تیرے لیے یہ نشانی ہے کہ تو لوگوں سے تین دن سوائے اشارہ کے بات نہ کر سکے گا اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور شام اور صبح تسبیح کر۔

افاداتِ محمود

قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰہَ الخ
حدیث میں ہے:
من رائی ان یحبہ فعلیہ بصدق الحدیث واداء الانہ ولا یوذی جارہ الخ (ترمذی)
جسے یہ بات بھلی لگی کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ سچ بولے، امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔
لیکن جو لوگ ایک ہی حجرے میں رہنے کے باوجود لڑ پڑیں (طلبہ کی طرف اشارہ ہے) تو پھر کیا حشر ہو گا۔
حدیث میں ہے:
من کان منکم یومن باللہ والیوم الاخر فلیحسن جارہ۔
جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔
طلبہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ میری پیالی میں چائے کیوں پی ہے؟ ارے ظالم اس سے آپ کا کیا نقصان ہوا؟ یہی تو ماعون ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ ہلاکت ہو نماز میں سستی کرنے والوں پر جو ریا کاری کرتے ہیں اور ماعون کو روکتے ہیں، حالانکہ استعمال سے برتن کم تو نہیں ہوتا۔
یُحبِبکُمُ اللّٰہُ الخ
صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے:
قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ اذا احب عبدا دعا جبریلؑ فقال انی احب فلانا فابہ قال فیحبہ جبریل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء قال ثم یوضع لہ القبول فی الارض الخ۔
حضرت ابی ہریرہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبریل کو بلا لیتے ہیں۔ اس سے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں سو تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضور نے فرمایا کہ پس جبریل اس سے محبت کرتا ہے پھر آسمان والوں کو اطلاع کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں سو تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس بندہ کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے یعنی عام لوگوں میں وہ مقبول ہو جاتا ہے تو یُحبِبکُمُ اللّٰہُ یہ متضمن ہے محبت اہل اسماء والارض کو اور اہل الارض کی محبت سے مراد صاحب عقل سلیم اور طبع مستقیم لوگ ہیں اور وہ ناشائستہ اور کمینے لوگ جن کو حضرات انبیاء (علیہم السلام) اور ان کے سچے پیروکاروں سے محبت نہیں ہے، وہ حقیقت میں اہل الارض نہیں ہیں۔
دوران درس ایک عیسائی کا مشرف بہ اسلام ہونا:
(بوٹا مسیح حضرت کے سامنے ایمان لانے کی غرض سے دو زانو ہو کر بیٹھا تو حضرت مفتی صاحب یوں گویا ہوئے)
تم اپنی مرضی سے خوشی سے مسلمان ہونا چاہتے ہو؟ (اس نے کہا جی ہاں) اچھا تو کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں عبادت صرف اسی کے لیے ہے اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ کہو میں حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکام پر ایمان لاتا ہوں اور حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ نہ خود خدا ہیں، نہ خدا کے بیٹے ہیں۔ اب کلمہ پڑھیے۔ لا الہ الا اللہ الخ۔
اب تمہارا اسلامی نام بوٹا مسیح کی بجائے عبداللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضلال سے بچائے اور دین اسلام پر ثابت قدمی نصیب فرمائے۔
اِذ قَالَتِ امرَاَتُ عِمرٰنَ الخ
حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ حضرت مریم کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ یہاں عمران سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔
آج حضرت نوحؑ کے سوا کسی کی اولاد باقی نہیں ہے۔ یہ تمام پیغبر حضرت نوحؑ کی اولاد ہیں۔
وَاِنِّیٓ اُعِیذُھَابِکَ وَذُرِّیَّتَہَا الخ
حدیث میں ہے جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ولادت کے وقت شیطان اس کو مس کرتا یعنی چھو لیتا ہے۔ اب اس مس کرنے کا

اثر کسی پر پڑتا ہے اور کسی پر نہیں پڑتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وابستہ ہے۔
حضرت مریم کی والدہ کی اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو محفوظ کر لیا تھا۔ محفوظ کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔
(1) ایک یہ ہے کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو شیطان نے بالکل مس نہ کیا ہو۔
(2) دوسرا یہ ہے کہ مس تو کیا ہو، لیکن شیطان کے مس کرنے کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں کو محفوظ رکھا ہو، دونوں صورتوں میں یہ ان دونوں بزرگوں کی جزوی خصوصیت ہو گی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے:
عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما من مولود یولد الانخسہ الشیطان فیستھل صارخا من نخس الشیطان الا مریم وابنھا وفی روایۃ الا ابن مریم وامہ ثم قال ابو ہریرہ اقراو ان شئتم وانی اعیذھا بک وذریتھا الخ۔ (مسلم)
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے ٹھنگا مرتا ہے اور شیطان کا ٹھنگا مارنے کی وجہ سے وہ بچہ اونچی آواز میں روتا ہے، سوائے حضرت مریم اور اس کے بیٹے حضرت عیسیٰ کے۔
پھر حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو وَاِنِّیٓ اُعِیذُھَابِکَ الخ۔ یعنی اس دعا کی برکت سے یہ دونوں حضرات شیطان کے اثر سے محفوظ ہو گئے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔۔۔ (ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الخ)
(شیطان سے خطاب) بیشک جو میرے بندے ہیں، تو ان پر قابو نہیں پا سکتا، حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کی اس حفاظت کا اثر یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ کی نشو و نما بڑھ گئی اور وہ جسمانی طور پر ایک دن میں ایک سال جتنا ترقی کرتے تھے۔
وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ای ضمھا الیہ۔
یعنی حضرت زکریاؑ نے حضرت مریم کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہ حضرت زکریا حضرت یحییٰؑ کے والد ہیں اور حضرت زکریاؑ کے گھر میں حضرت مریم کی خالہ تھیں۔ اس وجہ سے حضرت مریم کی کفالت کا انتظام وہاں کیا گیا۔
كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيهَا زَكَرِيَّا المِحرَابَ ۙ وَجَدَ عِندَهَا رِزقًا الخ
حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل ہوا کرتے تھے۔
اِنَّ اللّٰهَ يَرزُقُ مَن يَّشَاءُ بِغَيرِ حِسَابٍ۔
اس سے معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء حق ہیں۔ کیونکہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ یہ پھل کرامت کے طور پر یعنی خرق عادت طریقے سے ان کے پاس آتے رہے۔ کرامات اولیاء کا اصلی انکار آیات قرآنیہ کا انکار ہے، حضرت مریم (علیہا السلام) کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ عام مسلمانوں کو بھی سلام کیا جاتا ہے۔
ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً الخ
یہاں حضرت زکریا نے لڑکے کی دعا مانگی ہے کیونکہ سورۃ مریم میں رب ھب لی من لدنک ولیا کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ آگے یرثنی ویرث من آل یعقوب الخ کے الفاظ آئے ہیں یہ صفات لڑکے کی ہیں لڑکی کی نہیں ہیں۔
وَسَيِّدًا وَّحَصُورًا وَّنَبِيًّا الخ
یہ حضرت یحییٰؑ کی صفات ہیں کہ سردار ہوں گے اور لذات و خواہشات نفسانیہ سے دور رہنے والے ہوں گے یعنی عبادات میں ایسا انہماک ہو گا کہ عورتوں کی طرف توجہ ہی نہیں ہو گی۔ یہ حضرت یحییٰ کا خصوصی حال ہے۔ یہ ضابطہ امت محمدیہ پر لاگو نہیں ہوتا، بلکہ ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیت اور شان تو یہ ہے کہ کمال معاشرت کے ساتھ کمال عبادت کا مظاہرہ فرمایا۔
چنانچہ حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان نے حضور ﷺ سے عورت سے الگ رہنے اور شادی نہ کرنے کی اجازت چاہی تو حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی۔
حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں لو اجازنا لاختصینا اگر حضور ﷺ ہمیں اجازت فرما دیتے تو ہم خصی ہونے کو اپنا لیتے یعنی ہم ایسا کوئی عمل کر لیتے جس کے بعد عورتوں کے قابل ہی نہ رہتے۔ گویا حضور ﷺ نے غیر شادی شدہ رہنا پسند نہیں فرمایا۔
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی (ابن ماجہ) نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے گا، وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔
اور دوسری روایت میں ہے:
تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم (الترغیب والترہیب)
نکاح ایسی عورتوں سے کرو کہ محبت کرنے والیاں اور زیادہ بچے جننے والیاں ہوں۔ بیشک میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ الحصور الذی لا یات النساء المنوع من النساء یعنی حصور کا معنی یہ ہے کہ جو عورتوں کے پاس نہ جاتا ہو۔ اکثر صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ وہ عنین تھے ای الذی یکف جس شخص میں عورتوں کے پاس جانے کی صلاحیت نہ ہو لیکن مع القدرة لا یکون عنینا یعنی عورتوں کے پاس جانے کی قدرت کے باوجود نہ جانا وہ عنین نہیں کہلاتا اور یہی صورت نبی کے لیے زیادہ مناسب اور شایاں شان ہے کیونکہ عنین ہونا عیب ہے۔ پیغمبر کے حق میں یہ بات مناسب نہیں ہے۔

وَّقَد بَلَغَنِیَ الکِبَرُ وَامرَاَتِی عَاقِرٌ الخ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زکریاؑ نے خود اللہ تعالیٰ سے لڑکا مانگا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بشارت دے دی تو اب استبعاد فرما رہے ہیں؟ (1) بعض مفسرین حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت زکریاؑ کا مقصد یہ تھا کہ اسی بڑھاپے میں اولاد ہو گی یا جوانی لوٹائی جائے گی؟

(2) بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ حضرت زکریا یہ پوچھتے رہے ہیں کہ اسی بانجھ بیوی سے اولاد ہو گی یا نئی شادی کرنی پڑے گی؟

(3) چونکہ یہ بشارت دعا کے چالیس سال بعد آئی تھی، لہذا یہ استبعاد حقیقت پر مبنی ہے:

اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص معذور ہے باتیں نہیں کر سکتا تو اشارہ فی حکم الکلام ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

حضور ﷺ نے ایک حبشی عورت سے پوچھا:

این اللہ فاشارت براسها الی السماء فقال اعتقها فانها مومنۃ۔

اللہ کہاں ہے؟ اس نے اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا (یعنی الرحمن علی العرش استوی کی طرف اشارہ کیا) حضور نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔

اس لیے اشارۃ الاخرس فی الطلاق والنکاح والبیوع جائز ہے۔

رکوع ۵

42۔ وَ إِذْ قَالَتِ الْمَلَایِکَۃ یَا مَرْیَمُ إِنَّ اللَّہ اصْطَفَاکِ وَ طَہرَکِ وَ اصْطَفَاکِ عَلَی نِسَاءِ الْعَالَمِینَ
43۔ یَا مَرْیَمُ اقْنُتِی لِرَبِّکِ وَ اسْجُدِی وَ ارْکَعِی مَعَ الرَّاکِعِینَ
44۔ ذَلِکَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَیْبِ نُوحِیہ إِلَیْکَ وَ مَا کُنتَ لَدَیْہِمْ إِذْ یُلْقُونَ أَقْلَامَہمْ أَیُّہمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَ مَا کُنتَ لَدَیْہِمْ إِذْ یَخْتَصِمُونَ
45۔ إِذْ قَالَتِ الْمَلَایِکَۃ یَا مَرْیَمُ إِنَّ اللَّہ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃ مِّنْہ اسْمُہ الْمَسِیحُ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیہا فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِینَ
46۔ وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَہدِ وَ کَہلًا وَ مِنَ الصَّالِحِینَ
47۔ قَالَتْ رَبِّ أَنَّی یَکُونُ لِی وَلَدٌ وَ لَمْ یَمْسَسْنِی بَشَرٌ قَالَ کَذَلِکِ اللَّہ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ إِذَا قَضَی أَمْرًا فَإِنَّمَا یَقُولُ لَہ کُن فَیَکُونُ
48۔ وَ یُعَلِّمُہ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَۃ وَ التَّوْرَاۃ وَ الْإِنجِیلَ
49۔ وَ رَسُولًا إِلَی بَنِی إِسْرَاییلَ أَنِّی قَدْ جِیتُکُم بِآیَۃ مِّن رَّبِّکُمْ أَنِّی أَخْلُقُ لَکُم مِّنَ الطِّینِ کَہیْیۃ الطَّیْرِ فَأَنفُخُ فِیہ فَیَکُونُ طَیْرًا بِإِذْنِ اللَّہ وَ أُبْرِی الْأَکْمَہ وَ الْأَبْرَصَ وَ أُحْیِی الْمَوْتَی بِإِذْنِ اللَّہ وَ أُنَبِّیکُم بِمَا تَأْکُلُونَ وَ مَا تَدَّخِرُونَ فِی بُیُوتِکُمْ إِنَّ فِی ذَلِکَ لَآیَۃ لَّکُمْ إِن کُنتُم مُّؤْمِنِینَ
50۔ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاۃ وَ لِأُحِلَّ لَکُم بَعْضَ الَّذِی حُرِّمَ عَلَیْکُمْ وَ جِیتُکُم بِآیَۃ مِّن رَّبِّکُمْ فَاتَّقُوا اللَّہ وَ أَطِیعُونِ
51۔ إِنَّ اللَّہ رَبِّی وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوہ ہذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیمٌ
52۔ فَلَمَّا أَحَسَّ عِیسَی مِنْہمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِی إِلَی اللَّہ قَالَ الْحَوَارِیُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّہ آمَنَّا بِاللَّہ وَ اشْہدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ
53۔ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشَّاہدِینَ
54۔ وَ مَکَرُوا وَ مَکَرَ اللَّہ وَ اللَّہ خَیْرُ الْمَاکِرِینَ

ترجمہ:

۴۲. اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے پسند کیا ہے تجھے پاک کیا ہے اور تجھے سب جہان کی عورتوں پر پسند کیا ہے ۔
۴۳. اے مریم! اپنے رب کی بندگی کر اور سجدہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

۴۴.	یہ غیب کی خبریں ہیں ہم بذریعہ وحی تمہیں اطلاع دیتے ہیں اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب اپنا قلم ڈالنے لگے تھے کہ مریم کی کون پرورش کرے اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب کہ وہ جھگڑتے تھے ۔
۴۵.	جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تجھ کو ایک بات کی اپنی طرف سے بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ بیٹا مریم کا ہو گا دنیا اور آخرت میں مرتبے والا اور اللہ کے مقربوں میں سے ہو گا۔
۴۶.	اور جب کہ وہ ماں کی گود میں ہو گا تو لوگوں سے باتیں کرے گا اور جبکہ وہ ادھیڑ عمر کا ہو گا اور نیکوں میں سے ہو گا۔
۴۷.	مریم نے کہا اے میرے رب! مجھے بیٹا کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ۔
۴۸.	اور اس کو کتاب سکھائے گا اور دانش عطا فرمائے گا اور توریت اور انجیل۔
۴۹.	اور اس کو بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گا بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں لے کر آیا ہوں کہ میں تمہیں مٹی سے ایک پرندہ کی شکل بنا دیتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے اڑتا جانور ہو جاتا ہے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتا دیتا ہوں جو کھا کر آؤ اور جو اپنے گھروں میں رکھ کر آؤ اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم ایماندار ہو۔
۵۰.	اور مجھ سے پہلی کتاب جو تورات ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور تا کہ تم کو بعض چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔
۵۱.	بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے سو اسی کی بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے ۔
۵۲.	جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر معلوم کیا تو کہا کہ اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہے حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں ہم اللہ پر یقین لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہونے والے ہیں۔
۵۳.	اے رب ہمارے ! ہم اس چیز پر ایمان لائے جو تو نے نازل کی اور ہم رسول کے تابعدار ہوئے سو تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے ۔
۵۴.	اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ بہترین خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سے ہے ۔

افاداتِ محمود

وَاصطَفٰىکِ عَلىٰ نِسَاءِ العٰلَمِینَ الخ
یہاں سے پھر عود ہے اصل مضمون یعنی حضرت مریم کے قصہ کی طرف۔ اس آیت میں جس فضیلت کا ذکر ہے وہ جزوی فضیلت ہے کہ مس بشر کے بغیر اللہ تعالیٰ نے بیٹا نصیب فرمایا۔ ورنہ بڑی بڑی ولیات گزری ہیں، حضرت مریم سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ و فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ الخ یعنی حضرت فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ بعض حضرات تو حضرت فاطمہ کو مذکورہ حدیث کی وجہ سے تمام عورتوں سے افضل مانتے ہیں اور بعض حضرات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو افضل مانتے ہیں جو والدہ ہیں حضرت فاطمۃ الزھراؓ کی۔ بہرحال سب کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں، بایں ہمہ سب متفق ہیں کہ افضلیت کے اعتبار سے مندرجہ بالا تینوں خواتین کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور حضرت مریم کی فضیلت اس زمانہ کے عورتوں پر تھی، نہ کہ بعد والیوں پر۔ امام مسلم نے ایک روایت نقل کی ہے:
عن ابی موسیٰ الاشعریؓ انہ قال قال رسول اللہ ﷺ کمل من الرجال کثیر ولا یکمل من النساء غیر مریم بنت عمران واسیۃ امراۃ فرعون وفی روایۃ وان فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی الطعام۔
حضرت ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مردوں میں سے تو بہت سے لوگ کامل ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں سوائے حضرت مریم اور حضرت آسیہ کے اور کوئی کامل نہ ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت کھانے پر۔
لہذا حضرت عائشہ صدیقہ سابقہ و لاحقہ عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔
وَارکَعِی مَعَ الرّٰکِعِینَ یہاں جماعت کی نماز مراد نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے رکوع والے رکوع کرتے ہیں افعلی کفعلھم تو بھی ان جیسا عمل کر۔
اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنہُ گ اسمُہُ المَسِیحُ الخ
حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور ولادت کے ذکر سے قبل ان کی والدہ کی فضیلت و شرافت کو ذکر کیا گیا تاکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے ذہنوں میں اس عظیم عورت کی طہارت، پاکبازی اور اپنے رب سے کمال وفاداری کا سکہ بیٹھ جائے اور کسی شک

و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ نفخ جبریل سے مراد اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ہے، کیونکہ فرشتوں کی نسل افزائی یہاں مراد نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ سورۃ مریم میں ہے:

لاھب لک غلاما زکیا۔ الخ۔

یہاں سے باطل پرست لوگوں نے استدلال کیا کہ اگر جبریل بیٹا دے سکتا ہے تو پیر کیوں نہیں دے سکتے۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ جبریل نے حکم خداوندی کی تعمیل کی، اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حَوَارِیُّونَ حضرت عیسیٰؑ کے رفقاء کو یہ لقب اس لیے ملا کہ یہ لوگ یا تو خود سفید کپڑے پہنتے تھے یا دھوبی تھے۔ لوگوں کے کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیسٰی مِنھُمُ الکُفرَ الخ

حضرت عیسیٰؑ نے جب عام لوگوں کا انکار دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لیے میرا معین و مددگار کون ہو گا؟ حواریین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی اقامت کے سلسلہ میں ہم آپ کے معین و مددگار ہوں گے۔

وَمَکَرُوا وَمَکَرَ اللّٰہُ الخ

انہوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی رد مکر کیا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو شہید کرنے کی سازش تیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی چال چلی۔ اس لئے جب یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو شہید کرنے کی غرض سے جمع ہو گئے تو حضرت عیسیٰ ایک کمرہ میں تھے۔ ان لوگوں نے ان کو گھیر لیا، حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون ہے جو میری جگہ شہادت کے لیے تیار ہو؟ ایک جوان کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ وفی روایۃ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ جو میری جگہ شہید ہو جائے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہو گا تو ایک نوجوان کھڑا ہوا۔ دوبارہ سوال ہوا تو پھر وہی کھڑا ہوا۔ تیسری بار بھی وہی کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عیسیٰ کی شکل عطا کر دی اور حضرت عیسیٰ کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ یہودی جب اس کمرہ میں داخل ہوئے، اس نوجوان کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ یہ حضرت عیسیٰ ہی ہیں، اسے شہید کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اب قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

واللہ لینزلن ابن مریم حکما وعدلا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر۔ (مشکوۃ)

اللہ کی قسم ابن مریم فیصلہ کرنے والے اور انصاف کرنے والے نازل ہوں گے، سو صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے۔

ٹائی اور کف بھی علامت صلیب ہیں:

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ گلے میں زنار ڈالنا کفر کی علامت ہے۔ شد الزنار علامۃ الکفر۔

لیکن ٹائی لگانے والوں کا جو عمل ہے اس کو کفر اس وجہ سے نہیں کہتے کہ وہ فیشن کے طور پر لگاتے ہیں۔ ان لوگوں کو عقیدہ کا علم ہی نہیں ہے۔ ٹائی لگانے والوں کو اس کا شعور نہیں ہوتا کہ یہ کیوں لگائی جاتی ہے، حالانکہ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم، جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان میں سے ہو گا۔ آگے اللہ جانے۔ بہرحال انگریزوں نے لباس میں بھی صلیب کی شکل بنائی اور بغیر بتلائے لوگوں کو انگریز بنا دیا۔

رکوع ۶

55. إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَ رَافِعُكَ إِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ
56. فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ مَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ
57. وَ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَ اللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ
58. ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيمِ
59. إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ
60. الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ
61. فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَ أَبْنَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ وَ أَنفُسَنَا وَ أَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ
62. إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَ مَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ وَ إِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

63. فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ

ترجمہ:

۵۵. جس وقت اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! بے شک میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور جو لوگ تیرے تابعدار ہوں گے انہیں ان لوگوں پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں جو تیرے منکر ہیں پھر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہو گا پھر میں تم میں فیصلہ کروں گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

۵۶. سو جو لوگ کافر ہوئے انہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔

۵۷. اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں ان کا حق پورا پورا دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

۵۸. یہ آیتیں ہم تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں اور نصیحت حکمت والی۔

۵۹. بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے اسے مٹی سے بنایا پھر اسے کہا کہ ہو جا پھر ہو گیا۔

۶۰. حق وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

۶۱. پھر جو کوئی تجھ سے اس واقعہ میں جھگڑے بعد اس کے کہ تیرے پاس صحیح علم آ چکا ہے تو کہہ دے آؤ ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بلائیں پھر سب التجا کریں اور اللہ کی لعنت ڈالیں ان پر جو جھوٹے ہوں۔

۶۲. بے شک یہی سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی زبردست حکمت والا ہے۔

۶۳. پھر اگر پھر جائیں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو جانتا ہے۔

افاداتِ محمود

اِذ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیسٰٓی اِنِّی مُتَوَفِّیکَ الخ
حضرت عیسیؑ سے مواعید اربعہ:
اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے چار وعدے فرمائے تھے۔
(1) میں تجھ کو وفات دینے والا ہوں (2) اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں (3) اور کافروں سے بچا کر پاک کرنے والا ہوں (4) اور آپ کے متبعین کو قیامت دن تک کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں۔ یہ چار وعدے ہو گئے۔
لفظ توفی کی حقیقت:
(1) اِنِّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ الخ کے متعلق ضحاک وغیرہ نے تو یہ لکھا ہے کہ اس میں تقدیر و تاخیر ہے رَافِعُکَ مقدم ہے اور مُتَوَفِّیکَ موخر ہے۔ کیونکہ واؤ عاطفہ مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔ لا للترتیب تو رفع الی السماء مقدم ہے اور لفظ توفی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے جو کہ قرب قیامت میں ہو گا اور احادیث میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عیسیؑ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے، دجال کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ ختم کر دیں گے، اس وقت صرف یہ معاملہ ہو گا۔
اما الاسلام و اما السیف۔
یا تو اسلام قبول کیا جائے گا یا پھر تلوار کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جزیہ کا معاملہ نہیں ہو گا۔ کفار کے لیے موت یا قبول اسلام کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہو گا۔ حضرت عیسیؑ ایک مجدد کی حیثیت سے آئیں گے، اگرچہ وہ بذاتہ نبی ہوں گے، یہ باتیں احادیث میں مذکور ہیں۔
(2) ابن زید وغیرہ نے لکھا ہے یہاں متوفی بمعنی قابض ہے یعنی میں آپ کو پورا پورا لے لوں گا تو مفہوم یہ ہو گا کہ موت ابھی آپ پر طاری نہیں ہوئی۔ اس صورت میں توفی بمعنی موت نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں لفظ توفی کا اطلاق بدون الموت کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:
وَہُوَ الَّذِی یَتَوَفَّاکُم بِاللَّیلِ الخ۔
اور وہی تو ہے جو رات کو تمہارے حواس قبض کرتا ہے۔ (انعام: 60)
یہاں توفی سے مراد نوم ہے ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ آیا جنت میں نیند ہو گی فقال رسول اللہ ﷺ لا، النوم اخو الموت جب جنت میں موت ہیں تو نوم بھی نہیں۔

ثُمَّ اِلَیَّ مَرجِعُکُم الخ

عیسائیوں نے بھی حضرت عیسیٰ کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ (1) ایک فرقہ کا خیال یہ ہے کہ وہ ہم میں سے نبی تھے، پھر آسمانوں پر اٹھا لیے گئے یہ عقیدہ صحیح ہے اور یہ فرقہ یقوبیہ کہلاتا ہے۔ (2) دوسرے فرقے کا خیال ہے کہ کان فینا ابن اللہ یعنی حضرت عیسیٰ ہم میں اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے (العیاذ باللہ) رفعہ اللہ الیہ، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ اس فرقے کو فسطولیہ کہتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ صف میں ارشاد خداوندی ہے:

فَاٰمَنَت طَّائِفَۃٌ مِن بَنِی اِسرَائِیلَ وَکَفَرَت طَّائِفَۃٌ الخ۔

تو ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل میں اور منکر ہوا ایک فرقہ (سورۃ صف: 14)

جو طائفہ صراط مستقیم پر تھا اس نے اسلام قبول کر لیا، اور دوسرے طائفہ نے اسلام قبول نہ کیا، بلکہ ان کا کفر و عناد بڑھ گیا۔

اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ الخ۔ نصاریٰ کا وفد حضور ﷺ سے جھگڑ رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، بلکہ اکثر نصاریٰ و یہودی حضرت عیسیٰ کی خرق عادت خلق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ لوگ یہ خرافات منہ سے نکالتے رہے کہ یوسف نجار نامی شخص حضرت عیسیٰ کے والد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل دعوی و الزام تراشی کی تردید فرمائی۔ آگے مشبہ بہ حضرت آدم کو ذکر فرمایا کہ اگر بغیر والد کے پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو پھر حضرت آدم کے حق میں یہ دلیل زیادہ اجلی و اصدق ہے، حالانکہ حضرت آدم کے متعلق کسی نے ابن اللہ ہونے کا دعوی نہیں کیا ہے۔

کَمَثَلِ اٰدَمَ یہ تشبیہ بات میں ہے کہ دونوں کا خلق علی خلاف العادت تھا۔ حضرت آدم بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے، لہذا یہ تشبیہ محض ہے۔ دونوں کا خلق علی طریقۃ خرق العادۃ میں ہے اور مشبہ کا مشبہ بہ کے ساتھ من کل الوجوہ مشابہ ہونا لازم نہیں ہوتا۔ الشیئ قد یشبہ الشیئ فی وصف واحد، ایک چیز کی مشابہت دوسری کے ساتھ کبھی کبھی صرف ایک وصف میں ہوتی ہے۔ و بینھما فرق کبیر حالانکہ ان دونوں میں بڑا ہی فرق ہوتا ہے۔ بہرحال یہاں اہل کتاب کی بھر پور تردید ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے محض اپنی قدرت سے بنایا اس کا اقرار کرتے ہو تو اس کے بعد کتنی گنجائش رہتی ہے کہ جو صرف بغیر باپ کے پیدا ہوا، اس کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا جائے اور خدا کا بندہ ہونے سے انکار کیا جائے۔ گویا تم اشد و اثقل کو مانتے ہو اور اخف و اسھل (آسان بات) کو نہیں مانتے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے؟

فَمَن حَاجَّکَ الخ

حضور ﷺ نے جب ان کی ایک ایک دلیل رد فرمائی تو آخر میں فرمایا کہ اب بھی اگر تم مطمئن نہیں ہوتے ہو تو پھر مباھلہ کے لیے تیار ہو جاؤ مباھلہ، بھل سے ہے، بھل یبھل باب فتح سے ہے۔ بھلہ ای لعنہ (1) ایک تو یہ لفظ لعنت کے معنی میں آتا ہے۔ (2) اور دوسرا دعا میں عاجزی و انکساری کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

والبھل والابتھال فی الدعا الاسترسال فیہ والضرع والباھل البعیر المخلی عن قیدہ الخ۔

دعا میں بہل اور ابتہال کا مقصد یہ ہے کہ خوب عاجزی اور کھول کھول کر دعا کی جائے۔ باہل وہ اونٹ جسے زنجیر یا رسی سے کھولا گیا ہو۔

فَقُل تَعَالَوا نَدعُ اَبنَاءَنَا الخ۔

یعنی جب بحث مباحثہ اور تبلیغ و دعوت کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو اب آخری حل یہ ہے کہ مباہلہ کرتے ہیں۔ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو بلاتے ہیں، ایک میدان میں اک تھے ہو جاتے اور آہ و زاری کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت حسن و حسین و فاطمہ کو ساتھ لے آئے۔ حضرت علی بھی پیچھے پیچھے چل رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ ان ادعو فامنوا یعنی جب میں دعا مانگوں تو آپ لوگ آمین کہنا۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ابناء الابناء (پوتے) اور ابناء البنات (نواسے) کو بھی ابناء کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ:

وان ابنی ھذا سید

(حضرت حسن کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے) بیشک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی لابناء فلان یعنی فلاں شخص کے بیٹوں کو یہ چیز دی جائے اور اتفاق سے اس شخص کے صلبی بیٹے نہ ہوں تو یہ وصیت کس کے حق میں نافذ ہو گی؟

ابناء الابناء (پوتوں کے حق میں) یا ابناء البنات یعنی نواسوں کے حق میں؟ تو فقہاء نے مسئلہ یہ لکھا ہے کہ یہ وصیت پوتوں اور نواسوں سب کے حق میں نافذ ہو گی اور وہ شیئ موصی بہ (وصیت کی گئی) سب میں مشترک ہو گی، لیکن امام شافعی فرماتے ہیں:

الوصیۃ البن الابن لا لابن البنت۔

یعنی مذکورہ بالا صورت میں وصیت پوتوں کے حق میں نافذ ہو گی اور اس میں نواسے شامل نہیں ہوں گے۔

بہرحال جب نصاریٰ کو مباہلہ کا چیلنج دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم آپس کی مشاورت سے جواب دیں گے۔ مجلس میں ان کے ہوشمند اور دانشمند لوگ کہنے لگے کہ اگر تم لوگوں کو یہ یقین ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی مرسل ہیں اور بنی اسماعیل میں جس نبی کے مبعوث کیے جانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ قیاسا یہی ہیں تو پھر ان کے ساتھ مباہلہ اور مجادلہ دنیوی و اخروی خسران سے خالی نہیں ہے، لہذا یہی بہتر ہے کہ ان سے صلح کر کے ان کو جزیہ دیا جائے۔ جب یہ لوگ باہر آ گئے تو اس وقت حضور ﷺ حضرت حسن و حسین و فاطمہ و علی رضوان اللہ علیہم کے ہمراہ باہر تشریف لے آئے تھے۔ نصاریٰ کا لاٹ پادری کہنے لگا کہ میں ایسے نورانی چہرے دیکھ رہا ہوں کہ ان کی دعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے، لہذا ان کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کے لیے آ جاتے تو وہ وادی جہاں کے یہ لوگ تھے وہ ان پر آگ برساتی اور قہر خداوندی آگ کی شکل میں نازل ہو جاتا۔

رکوع۷

64. قُلْ يَا أَہلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَۃ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّہ وَ لَا نُشْرِكَ بِہ شَيْئًا وَ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّہ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْہدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

65. يَا أَہلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاہيمَ وَ مَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاۃ وَ الْإِنجِيلُ إِلَّا مِن بَعْدِہ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

66. ہا أَنتُمْ ہؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِہ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِہ عِلْمٌ وَ اللَّہ يَعْلَمُ وَ أَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

67. مَا كَانَ إِبْرَاہيمُ يَہودِيًّا وَ لَا نَصْرَانِيًّا وَ لَكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

68. إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاہيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوہ وَ ہذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ اللَّہ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ

69. وَ دَّت طَّائِفَۃ مِّنْ أَہلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ وَ مَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَہمْ وَ مَا يَشْعُرُونَ

70. يَا أَہلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّہ وَ أَنتُمْ تَشْہدُونَ

71. يَا أَہلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَ أَنتُمْ تَعْلَمُونَ

ترجمہ:

۶۴. کہہ اے اہلِ کتاب! ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور سوائے اللہ کے کوئی کسی کو رب نہ بنائے پس اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو فرمانبردار ہونے والے ہیں۔

۶۵. اے اہلِ کتاب! ابراہیم کے معاملہ میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل تو اس کے بعد اتری ہیں کیا تم یہ نہیں سمجھتے۔

۶۶. ہاں! تم وہ لوگ ہو جس چیز کا تمہیں علم تھا اس میں تو جھگڑے پس اس چیز میں کیوں جھگڑتے ہو جس چیز کا تمہیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۶۷. ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی لیکن سیدھے راستے والے مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

۶۸. لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ابراہیم کے وہ لوگ تھے جنہوں نے اس کی تابعداری کی اور یہ نبی اور جو اس نبی پر ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔

۶۹. بعض اہلِ کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم کو گمراہ کر دیں اور گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور نہیں سمجھتے۔

۷۰. اے اہلِ کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو۔

۷۱. اے اہلِ کتاب! سچ میں جھوٹ کیوں ملاتے ہو اور سچی بات کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

افاداتِ محمود

قُل يٰاَهلَ الكِتٰبِ الخ

یہاں سے پھر اہل کتاب کو دعوت دی جا رہی ہے۔ یہ خطاب یہود و نصاریٰ دونوں کو ہے اور ممکن ہے کہ صرف نصاریٰ کو

ہو۔ کیونکہ آپ کے پاس نجران سے جو وفد آیا تھا وہ صرف نصاریٰ پر مشتمل تھا، حاصل یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے وفد نجران سے فرمایا کہ اسلموا یعنی اسلام لے آؤ تو وہ کہنے لگے کہ اسلمنا یعنی ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی کہ تمہارا مسلمان ہونے کا دعوی وہ اس صورت میں سچا ہو سکتا ہے کہ اس دعوے کے حقیقی تقاضے پورے کیے جائیں اور اندر کے خبث سے اس میں کوئی تبدیلی و تحریف نہ کی جائے، ورنہ توحید کے دعوے کے ساتھ کسی نبی کو خدا کا بیٹا قرار دے دینا اور کسی کو حلال و حرام قرار دینے کے اختیارات کا مالک سمجھنا یہ کہاں کی توحید ہے؟ تم توحید کے دعوی میں سچے بن جاؤ تو کامران ہو جاؤ گے۔ نصاریٰ ایک طرف تو عیسیٰ کو ابن اللہ مان کر سخت قسم کا شرک کرتے تھے۔ مزید برآں اپنے احبارو رہبان کو حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال کرنے اور دین میں تبدیلی اور اضافے کا اختیار دیتے تھے اور اندھے ہو کر ان کی پیروی کرتے تھے۔ یہ سب دعوی توحید کی نفی ہے۔

حضور ﷺ نے ہرقل روم کو جو والا نامہ لکھا تھا، اس میں بھی یہی آیت لکھوائی تھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی ھرقل عظیم الروم سلم علی من اتبع الھدی۔ اما بعد! فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم واسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین و یا اھل الکتاب الخ۔ (بخاری)

یہ خط ہے محمد ﷺ کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا شخص ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ اما بعد میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس کلمے کی جو اسلام کی طرف لانے والا ہے (یعنی کلمہ طیبہ کی) اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اور اسلام لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دہرا اجر عطا کرے گا۔

جیسا کہ اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اولئک یوتون اجرھم مرتین الخ، پس اگر تو اسلام سے روگردانی کرے گا تو کاشت کاروں یعنی تمام پبلک و رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا (کیونکہ تیرے اتباع میں وہ اسلام سے دور رہیں) اور اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مسلم ہے۔ وہ یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی شخص کی عبادت نہ کریں اور نہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک گردانیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب اور معبود نہ بنائیں۔ حضرت نانوتوی کی کتاب تقریر دلپذیر اسی آیت کی تفسیر ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ توحید تمام دنیا کا متفقہ عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اسلام میں اپنی احسن شکل میں موجود ہے، اس لیے تمام دنیا کی فلاح اسلام قبول کرنے میں ہے، پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں، ہرقل نصرانی تھا اور روم کا بادشاہ تھا، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطاب صرف نصاریٰ سے ہے، لیکن اگر اس خطاب کو عام قرار دیا جائے تو فائدہ بڑھ جائے گا۔

وَّلَا يَتَّخِذَ بَعضُنَا بَعضًا الخ

یہود نے احبار اور نصاریٰ نے رھبان کو ارباب بنا لیا تھا یعنی ان کو تحریم و تحلیل کا اختیار دے دیا تھا، حالانکہ یہ اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا کہ یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک الخ۔ گویا اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دینے کا اختیار نبی کو بھی حاصل نہیں ہے، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے احبارو رہبان کو نبی تو نہیں بنایا، بلکہ احبارو رھبان ہی رہنے دیا، صرف ان کو اللہ تعالیٰ والے اختیارات سونپ دیئے۔

امام اعظم ابو حنیفہ پر طبری کا اعتراض اور اس کا جواب:

یہاں طبری نے امام ابو حنیفہ کے قیاسات و استحسانات پر اعتراض کیا ہے کہ یہاں تو حنفیوں نے امام ابو حنیفہ کو بھی رد کر دیا کیونکہ وہ بھی قیاسات کے ذریعہ حلال و حرام کا حکم لگاتے ہیں؟ لیکن (العیاذ باللہ) ابو حنیفہ کے ہاں کوئی ایسا قیاس نہیں ہے جو کسی نص کے مد مقابل ہو اور اس سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دیا گیا ہو۔ امام ابو حنیفہ نے جب بھی قیاس کیا تو سند شرعی کے ساتھ کیا اور یہ ہر امام کے لیے جائز ہے۔ قیاس کا قانون یہ ہے کہ قیاس کے لیے مقیس علیہ منصوص ہوتا ہے اور قیاس اس چیز کو کیا جاتا ہے جس کے متعلق براہ راست نص موجود نہ ہو۔ اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ اگر کسی چیز کی حلت یا حرمت سے متعلق حکم درکات ہو اور یہ شے منصوص نہ ہو پھر اس کے متعلق صحابہ کرام کے قضایا میں بھی کوئی فیصلہ موجود نہ ہو تو اس کی جہت حلت و حرمت کو اچھی طرح پرکھنے کے بعد اس کو کسی حلال چیز پر قیاس کر کے اس کے حلال ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا یا حرام چیز جو منصوص ہو، پر قیاس کر کے اس کی حرمت کا حکم دیا جائے گا۔ یہ تو پوری امت مسلمہ کا مسلمہ طریقہ ہے، لیکن بعض لوگوں کو امام ابو حنیفہ کے نام سے ہی تکلیف ہوتی ہے۔

ربوا کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضور ﷺ نے چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے اس کی علت نہیں بتائی، بلکہ فرمایا کہ والفضل ربوا یعنی سونا سونے کی مقابلہ میں، چاندی چاندی کے مقابلہ میں، یہ معاملہ ہاتھ در ہاتھ ہونا چاہیے اور دونوں طرف سے برابر برار ہونا چاہیے نہ اضافہ جائز ہے، نہ ادھار جائز ہے۔ اب یہاں اشیاء ستہ میں امام اعظم ابو حنیفہ نے اجتہاد کے ذریعہ اس حکم کی علت قدر و جنس کو قرار دے دیا۔ امام اعظم کی طرح امام شافعی نے جو علت استنباط فرمائی ہے وہ طعم اور ثمنیت ہے۔ چار چیزوں میں علت طعم ہے اور سونا چاندی میں علت ثمنیت ہے۔ بعض دیگر حضرات نے علت ربوا الدخار کو

قرار دے دیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قیاس ایک شرعی حکم ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ القیاس مظہر لا مثبت ہو یعنی قیاس حکم شرعی کو ظاہر کرنے والا ہے۔ ثابت کرنے والا نہیں ہے۔ حلت و حرمت یا جواز و وعدم جواز کو محض قیاس سے ثابت نہیں کیا جاتا، صرف استنباط کیا جاتا ہے۔ ثابت تو اس کو نص سے کیا جاتا ہے، نہ کہ قیاس سے۔ قیاس سے اسے منصوص مقیس علیہ کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، ذریعہ اثبات نس ہے، نہ کہ قیاس۔

فثبت بذالک ان قیاسات ابی حنیفۃ لا تثبت التحلیل ولا التحریم۔

مندرجہ بالا ضابطہ بیان ہونے کے ساتھ یہ بات واضح ہو گئی کہ امام اعظم کے قیاسات سے نہ کسی چیز کی حلت کا حکم دیا جا سکتا ہے نہ حرمت کا، وہ قیاسات صرف مظہر ہیں، حلت و حرمت کا تعلق نص سے ہوتا ہے جو کہ مقیس علیہ میں ہوتا ہے، لہٰذا یہ الزام صرف اختراع ہے مجتہدین پر اور بس۔

ھٰٓاَنۡتُم ھٰٓؤُلَاءِ الخ

یہود و نصاریٰ کا جس طرح یہ دعوی تھا کہ ہم توحید و اسلام میں مشترک ہیں۔ اسی طرح یہ دعوی تھا کہ ہم حقیقی معنی میں ملت ابراہیمیہ پر ہیں۔ مارے حماقت کے یہود کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے اور نصاریٰ کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم نصرانی تھے، حالانکہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ میں ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ گویا حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ میں دو ہزار سال کا فاصلہ تھا، بعض باتیں ایسی تھیں جن کا ان لوگوں کو تھوڑا بہت علم تھا، جیسے حضورﷺ کی رسالت کے متعلق بشارتیں وغیرہ، لیکن حضرت ابراہیم کو اپنی صفوں میں لا کھڑا کرنا اور اپنی انا پر حق و ناحق کی بات کو مستحکم کرنے کے لیے یہ دعوی کرنا کہ ان کی ملت حضرت ابراہیم کی ہی ملت ہے اور یہی ان کا طریقہ ہے۔ یہود کی اختراع ذہنی تھی جس کا کوئی ثبوت تھا نہ کوئی دلیل:

ان ھذا لعمری فی الفعال بدیع۔

محاجہ یعنی دلیل کا مقابلہ کرنا۔

بات وہاں کرنی چاہیئے جس موضوع سے متعلق انسان کو کچھ علم حاصل ہو۔ بغیر علم کے خیالی گھوڑے دوڑانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ ایک شخص حضورﷺ کے پاس آیا اور اپنے بیٹے کے نسب سے انکار کر دیا اور کہا کہ:

ولدلی غلام اسود فقال ھل لک من ابل قال نعم قال ما الوانھا قال حمر قال ھل فیھا من اورق قال نعم قال فانی ذلک قال لعل نزعہ عرق قال فلعل ابنک ھذا نزعہ۔ (بخاری)

میرے ہاں سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے۔ حضورﷺ نے اس سے فرمایا کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ کہنے لگا ہاں، آپ نے پوچھا ان کا رنگ کیسا ہے؟ جواب دیا سرخ ہے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ ان میں خاکستری رنگ کے اونٹ ہیں؟ کہنے لگا ہاں، آپ نے فرمایا یہ درمیان میں کیسے آ گئے؟ وہ شخص بولا شاید یہ رنگ انہوں نے اپنے بڑے سے اخذ کیا ہو۔ (یعنی اپنی نسل کے پرانے اونٹوں نر یا مادہ کے رنگ پر گئے ہوں) تو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شاید یہ بچہ بھی اپنے بڑوں پر گیا ہو یعنی ددھیال یا ننھیال میں کوئی اس رنگ کا ہو گا جس کی وجہ سے اس نے وہی رنگت اختیار کی۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق جس مٹی سے ہوئی اس میں ہر رنگ کی مٹی شامل تھی جس کی وجہ سے انسانوں کی رنگتوں میں فرق ہوتا ہے، اپنے موجودہ والدین کی رنگت کے بجائے کوئی اس اصل کی طرف جا سکتا ہے۔ بہرحال بات کسی دلیل سے کرنی چاہیے، محض رنگ کی وجہ سے بچے کے نسب کا انکار کرنا غیر معقول ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کی طرف بغیر کسی علم و دلیل کے یہودیت و نصرانیت کی نسبت کرنا غلط ہے۔

اِنَّ اَولَی النَّاسِ بِاِبراٰہِیمَ الخ

حضرت ابراہیم کے ساتھ، خاندانی اعتبار سے، دین اور ملت کے اعتبار سے، سب سے زیادہ مناسبت حضرت محمدﷺ کو ہے، اسی وجہ سے بادشاہ نجاشی جو مذہباً نصرانی تھا، مہاجرین حبشہ کو، حزب ابراہیم کہا کرتا تھا، وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤمِنِینَ ایک بار حضور نے فرمایا:

ان لکل نبی ولاۃ من النبیین وان ولیی منھم ابی خلیل الرحمن۔

بیشک ہر نبی کے لیے انبیاء (علیہم السلام) میں سے کوئی دوست ہوتا ہے اور بیشک میرا دوست ان میں سے میرے اور اللہ تعالیٰ کے دوست حضرت ابراہیم ہیں۔ پھر آپ نے بطور دلیل یہ آیت پڑھی۔

رکوع ۸

72. وَ قَالَت طَّآيِفَۃ مِّنْ أَہلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِی أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْہ النَّہارِ وَ اكْفُرُوا آخِرَہ لَعَلَّہمْ يَرْجِعُونَ
73. وَ لَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْہدَى ہدَى اللَّہ أَن يُؤْتَى أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّہ يُؤْتِيہ مَن يَشَاءُ وَ اللَّہ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
74. يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہ مَن يَشَاءُ وَ اللَّہ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ
75. وَ مِنْ أَہلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْہ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّہ إِلَيْكَ وَ مِنْہم مَّنْ إِن تَأْمَنْہ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّہ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْہ قَايِمًا ذَلِكَ بِأَنَّہمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِی الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَ يَقُولُونَ عَلَى اللَّہ الْكَذِبَ وَ ہمْ يَعْلَمُونَ
76. بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَہدِہ وَ اتَّقَى فَإِنَّ اللَّہ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ
77. إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَہدِ اللَّہ وَ أَيْمَانِہمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَيكَ لَا خَلَاقَ لَہمْ فِی الْآخِرَۃ وَ لَا يُكَلِّمُہمُ اللَّہ وَ لَا يَنظُرُ إِلَيْہمْ يَوْمَ الْقِيَامَۃ وَ لَا يُزَكِّيہمْ وَ لَہمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
78. وَ إِنَّ مِنْہمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَہم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوہ مِنَ الْكِتَابِ وَ مَا ہوَ مِنَ الْكِتَابِ وَ يَقُولُونَ ہوَ مِنْ عِندِ اللَّہ وَ مَا ہوَ مِنْ عِندِ اللَّہ وَ يَقُولُونَ عَلَى اللَّہ الْكَذِبَ وَ ہمْ يَعْلَمُونَ
79. مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَہ اللَّہ الْكِتَابَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّۃ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّی مِن دُونِ اللَّہ وَ لَكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَ بِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ
80. وَ لَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَايِكَۃ وَ النَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ

ترجمہ:

۷۲. اور اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کہا جو کچھ مسلمانوں پر اترا ہے اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کر دو شاید کہ وہ پھر جائیں۔

۷۳. اور اپنے مذہب والے کے سوا کسی کی بات نہ مانو ان سے کہہ دو کہ بے شک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے اور یہ بات نہ مانو کہ کوئی شخص دیا جا سکتا ہے مثل اس کے کہ تم دیے گئے ہو یا کوئی گروہ خدا کے ہاں تم پر الزام قائم کر سکتا ہے ان سے کہہ دو کہ فضل اللہ کے اختیار میں ہے جسے چاہے وہ دیتا ہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔

۷۴. جسے چاہے اپنی مہربانی سے خاص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

۷۵. اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ اگر تو ان کے پاس ایک ڈھیر مال کا امانت رکھے وہ تجھ کو ادا کریں اور بعضے ان میں سے وہ ہیں اگر تو ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھے تو بھی تجھے واپس نہیں کریں گے ہاں جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے یا اس واسطے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم پر ان پڑھ لوگوں کا حق لینے میں کوئی گناہ نہیں اور اللہ پر وہ جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

۷۶. گناہ کیوں نہ ہو گا جس شخص نے اپنا عہد پورا کیا اور اللہ سے ڈرا تو بے شک پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

۷۷. بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے حقیر معاوضہ لیتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور ان سے اللہ کلام نہیں کرے گا اور قیامت کے دن ان کی طرف نہ دیکھے گا اور انہیں پاک بھی نہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۷۸. اور بے شک ان میں سے ایک جماعت ہے کہ کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم یہ خیال کرو کہ وہ کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے ہاں سے نہیں ہے اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔

۷۹. کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ لیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ اس لیے کہ تم اللہ کی کتاب سکھاتے ہو اور اس واسطے کہ تم پڑھتے ہو۔

۸۰. اور نہ یہ جائز ہے کہ تمہیں حکم کرے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو کیا وہ تمہیں کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

افادات محمود

یہود کی اسلام کے خلاف ایک خطرناک چال:
وَقَالَت طَّابِفَةٌ مِّن اَهَلِ الكِتٰبِ الخ
کعب بن اشرف اور بعض دیگر یہودیوں نے یہ سازش کی کہ دن کے ابتدائی حصہ میں ہم لوگوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مسلمانوں میں رل مل جائیں اور شامل کے وقت پھر کفر کا اظہار کر دیں تاکہ ضعیف الاعتقاد نو مسلم ہم لوگوں کو دیکھ کر دین اسلام سے برگشتہ ہو جائیں کیونکہ ہم تو سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب ہم برگشتہ ہوں گے تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ لکھے پڑھے اور اہل کتاب لوگ ہیں۔ یہ اسلام سے پھر گئے تو اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقصان ہے اس طرح شاید کچھ لوگ واپس ہو جائیں۔
زندگی کا ایک اصول ہے کہ ایک شخص اگر بہت بڑا یا چھوٹا لیڈر ہو، لیکن وہ واقع میں سچا آدمی ہو تو جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے وہی اس کی زبان پر ہوتا ہے۔ یہ شخص کامیاب ہو گا، اس کی علامت یہ ہے کہ جو شخص اس کے قریب ہو جاتا ہے اس کے دل میں اس کی محبت بڑھتی ہے، اس طرح لوگ اس کے جاں نثار بن جاتے ہیں اور اس کے مقربین و متعلقین میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے۔ قریب والوں کو عین الیقین ہوتا ہے۔ ان لوگوں میں اتباع کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ اگر اس کے پاس سے قریب کے اچھے لوگ بھاگ جائیں اور تھرڈ کلاس لوگ قریب ہونا شروع ہو جائیں تو سمجھ لو کہ یہ غلط آدمی ہے۔
اب ہمارے اکابر پر نظر ڈالیے جیسے حضرت شیخ الہند، حضرت مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی اور دیگر اکابر تھے۔ جو شخص ان کے قریب ہوا، وہ ان اکابر کا اتنا محب اور جاں نثار بنا کہ ان حضرات کے ایک اشارے پر جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے ہمہ وقت، ہمہ تن تیار ہو گیا۔ دوسری طرف مودوی صاحب کو دیکھ لیں۔ عموماًنیم خوانده اور کم علم لوگ ان سے متعلق ہوتے ہیں۔ امین احسن اصلاحی جماعت اسلامی کے بانی رکن اور نائب امیر تھے، ان کے علاوہ مولانا عبدالغفار حسن، عبدالجبار غازی، سردار اجمل لغاری، مولانا عبدالرحیم اشرف اور بہت سارے دوسرے لوگ جماعت اسلامی میں مدتوں شامل رہے۔ یہ لوگ جماعت میں مودودی صاحب کے قائم مقام بنتے رہے مگر ایک وقت آیا کہ انہوں نے جماعت کو نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ اپنی ماضی کی زندگی پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ جماعت اسلامی کے ساتھ اپنے گزرے سالوں کو ایک غلطی ٹھہرایا، سیاسی جماعتوں میں لوگ روزانہ وفاداریوں بدلتے ہیں، کسی کی وفا میں استقامت نہیں، بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ لوگ اپنی پارٹیوں میں سالہا سال صرف مفاد اور خود غرضی کے لیے براجمان تھے۔ آخر کوئی بات تو ہو راتوں رات وفاداریاں بدلنا کہاں کی اخلاقیات ہے۔
وَمِن اَهَلِ الكِتٰبِ مَن اِن تَامَنهُ الخ
یہاں سے یہود اور اہل کتاب کی مالی بددیانتی کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ بعض ان میں ایسے ناعاقبت اندیش ہیں کہ دینی بددیانتی کے ساتھ مالی بددیانتی بھی کرتے ہیں اور جو ایک روپے امانت کی حفاظت نہ کر سکے اور ادائیگی کے وقت لیت و لعل سے کام لے۔ بھلا دینی و اعتقادی معاملات میں اس پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟
رَبّٰنِیّنَ الخ، ربانی یعنی منسوب الی الرب۔ جیسا کہ مولوی منسوب الی المولی ہے یعنی مولی والا بخلاف مو لینا کے کہ اس کا معنی ہے ہمارا سردار۔
ایک جگہ حدیث میں ہے الربانی الذی یربی الناس یعنی ربانی وہ ہے جو درس و تدریس کے ذریعہ لوگوں کی تربیت کرے۔
حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مراد حکماء، حلماء اور علماء ہیں۔
وَبِمَا كُنتُم تَدرُسُونَ۔
چنانچہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ اصل میں ربانی ربی سے بنا ہے، الف اور نون کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ جسے جمۃ جمان یعنی گدی کے بال والے اور جیسے بڑی داڑھی والے کا لحیانی کہتے ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کو جب اللہ کے رسولﷺ نے دین اسلام کی دعوت دی تو بعض اہل کتاب حضورﷺ سے کہنے لگے کہ اے محمدﷺ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی ویسی پرستش کریں جیسی پرستش حضرت عیسیٰ کی کی جاتی ہے تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ ایسا کب ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو رعایا کی ہدایت کے لیے منتخب فرما دے اور وہ خود گمراہ ہو جائے یا دوسروں کو گمراہ کرے۔ (العیاذ باللہ) بلکہ وہ تو لوگوں سے ٹھیک ٹھیک وہی باتیں کہے گا جن کے لیے وہ مبعوث کیا گیا ہے۔
الفاظ میں احتیاط کا حکم:
لفظوں کے استعمال میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ حضورﷺ کا ارشاد پاک ہے:
لا یقولن احدکم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ وکل نسائکم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی و فتای و فتاتی ولا یقل العبد ربی ولکن لیقل سیدی (مسلم)
تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ عبدی و امیت کیونکہ تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ہیں لیکن غلامی اور جاریتی کہا کرو، یا فتاوی وفتاتی کہا کرو، (ایک اور روایت میں ہے) کوئی غلام اپنے آقا کو رب نہ

کہے، بلکہ سیدی کہا کرے۔
شرک کے شائبہ کی وجہ سے ہی ملک الملوک یعنی شہنشاہ کہنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا انبیاء کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے کہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائیں یا ان کو اپنی بندگی کا حکم کریں۔ (العیاذ باللہ)

رکوع ۹

81. وَ إِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَ لَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَ أَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَ أَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ
82. فَمَن تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ
83. أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَ لَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ طَوْعًا وَ كَرْهًا وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ
84. قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ مَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَ مَا أُنزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَ الْأَسْبَاطِ وَ مَا أُوتِيَ مُوسَى وَ عِيسَى وَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ
85. وَ مَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ
86. كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَ شَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَ جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَ اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ
87. أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَ الْمَلَائِكَةِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ
88. خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنظَرُونَ
89. إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَلِكَ وَ أَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
90. إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَ أُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ
91. إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ مَاتُوا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَ لَوِ افْتَدَى بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَ مَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ

ترجمہ:

۸۱. اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا اور البتہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم سے دوں پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے البتہ اس پر ایمان لے آنا اور البتہ اس کی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا اللہ نے فرمایا تو اب تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔
۸۲. پھر جو کوئی اس کے بعد پھر جائے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔
۸۳. کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا لاچاری سے سب اسی کے تابع ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔
۸۴. کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ملا ہم ان میں سے کسی کو جدا نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔
۸۵. اور جو کوئی اسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔
۸۶. اللہ ایسے لوگوں کو کیونکر راہ دکھائے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور گواہی دے چکے ہیں کہ بے شک یہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں آئی ہیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔
۸۷. ایسے لوگوں کی یہ سزا ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔
۸۸. اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے۔
۸۹. مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور نیک کام کیے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
۹۰. بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد منکر ہو گئے پھر انکار میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہر گز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی گمراہ ہیں۔

۹۱.	بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مر گئے تو کسی ایسے سے زمین بھر کر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا اگر چہ وہ اس قدر سونا بدلے میں دے ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔

افادات محمود

كَيفَ يَہدِی اللّٰہُ قَومًا الخ
حارث ابن سوید اپنی قوم کا سردار تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا پھر مرتد ہو کر (العیاذ باللہ) مشرکین مکہ سے جا ملا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کسی نے اس کو سنائی تو کہنے لگا کہ مجھے یقین نہیں آتا، میں حضور ﷺ سے سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آیت سننے کے بعد اس نے لوگوں سے کہا کہ اگر میں مسلمان ہو جاتا ہوں تو کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ تب اس کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائی گئی، وہ پھر مسلمان ہوا اور زندگی بھر اچھا مسلمان رہا، آیت کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کو ہدایت نہیں ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آگے استثناء بیان فرمایا ہے، حدیث میں ہے:
جیئ بالکافر یوم القیامۃ فیقال لہ لو کان لک ملاء الارض ذھبا اکنت تفدی بہ یقول نعم فیقال لہ قد کنت سئلت ما ہو ایسر من ذلک۔ (تفسیر ابن کثیر)
قیامت کے دن کافر کو لایا جائے گا پس اس سے کہا جائے گا کہ اگر تیرے پاس زمین بھر کر سونا ہوتا تو کیا اس کو عذاب سے چھٹکارا کے عوض فدیہ میں دے دیتا؟ وہ کہے گا جی ہاں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تجھ سے اس سے بھی ایک آسان بات کا مطالبہ ہوا تھا (لیکن تو نے نہ کیا) کیونکہ ایمان لانا آسان تھا بنسبت اتنے بڑے سونے کے ڈھیر خرچ کرنے اور فدیہ دینے کے۔

رکوع ۱۰

92. لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَ مَا تُنفِقُوا مِن شَیْءٍ فَإِنَّ اللَّہ بِہِ عَلِيمٌ
93. كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِی إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِہِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاة قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاة فَاتْلُوہا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ
94. فَمَنِ افْتَرَى عَلَى اللَّہِ الْكَذِبَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ ہمُ الظَّالِمُونَ
95. قُلْ صَدَقَ اللَّہُ فَاتَّبِعُوا مِلَّۃَ إِبْرَاہيمَ حَنِيفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
96. إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَكَّۃَ مُبَارَكًا وَ ہدًى لِّلْعَالَمِينَ
97. فِيہِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاہيمَ وَ مَن دَخَلَہُ كَانَ آمِنًا وَ لِلَّہِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْہِ سَبِيلًا وَ مَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ
98. قُلْ يَا أَہلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّہِ وَ اللَّہُ شَہيدٌ عَلَى مَا تَعْمَلُونَ
99. قُلْ يَا أَہلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّہِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَہا عِوَجًا وَ أَنتُمْ شُہدَاءُ وَ مَا اللَّہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ
100. يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ
101. وَ كَيْفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنتُمْ تُتْلَى عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّہِ وَ فِيكُمْ رَسُولُہُ وَ مَن يَعْتَصِم بِاللَّہِ فَقَدْ ہدِیَ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

ترجمہ:

۹۲.	ہر گز نیکی میں کمال حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز سے کچھ خرچ کرو اور جو چیز تم خرچ کرو گے بے شک اللہ اسے جاننے والا ہے۔
۹۳.	بنی اسرائیل کے لیے سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں مگر وہ چیز جو اسرائیل نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کی تھی کہہ دو تورات لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔
۹۴.	پھر جس شخص نے اس کے بعد اللہ پر جھوٹ بنایا وہی بڑے بے انصاف ہیں۔
۹۵.	کہہ دو اللہ نے سچ فرمایا ہے اب ابراہیم کے دین کے تابع ہو جاؤ جو ایک ہی کے ہو گئے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔
۹۶.	بے شک لوگوں کے واسطے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا یہی ہے جو مکہ میں برکت والا ہے اور جہان کے

لوگوں کے لیے راہ نما ہے۔
۹۷.	اس میں ظاہر نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے اور لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا اللہ کا حق ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو انکار کرے تو پھر اللہ جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔
۹۸.	کہہ دو اے اہلِ کتاب اللہ کیا آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر گواہ ہے۔
۹۹.	کہہ دو اے اہلِ کتاب اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو اس شخص کو جو ایمان لائے اس میں عیب ڈھونڈتے ہو اور تم خود جانتے ہو اور تمہارے کام سے اللہ بے خبر نہیں ہے۔
۱۰۰.	اے ایمان والو اگر تم اہلِ کتاب کی کسی جماعت کا بھی کہا مانو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر کر دیں گے۔
۱۰۱.	اور تم کس طرح کافر ہو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور اس کا رسول تم میں موجود ہے اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑے گا تو اسے ہی سیدھے راستے کی ہدایت کی جائے گی۔

افادات محمود

لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتَّی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔
کان ابو طلحۃ اکثر الانصار مالا بالمدینۃ وکان احب اموالہ الیہ بیر حاء و کانت مستقبلۃ المسجد وکان النبیﷺ یدخلھا و یشرب من ماء فیھا طیب قال انس فلما نزلت (لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون) قال ابو طلحۃ یا رسول اللہ ان اللہ یقول لن تنالوا الخ وان احب اموالی الی بیئر حاء وانھا صدقۃ للہ ارجوبھا برھا وذخرھا عنداللہ تعالیٰ فضعھا یا رسول اللہ حیث اراک اللہ فقال النبیﷺ بح بح ذاک مال رابح ذاک مال رابح و قد سمعت وانا اری ان تجعلھا فی الاقربین فقال ابو طلحۃ افعل یا رسول اللہ فقسمھا ابو طلحۃ فی اقاربہ وبنی عمہ۔ (تفسیر ابن کثیر)
(حضرت ابو طلحہ مدینہ منورہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور ان کو اپنے تمام مال و جائیداد میں سے بئر حاء زیادہ محبوب باغ تھا جو کہ مسجد نبوی کے سامنے اور حضورﷺ بھی وہاں تشریف لے آتے اور پانی نوش فرماتے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ جب لن تنالوا البر الخ والی آیت نازل ہو گئی تو حضرت ابو طلحہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن تنالوا البر الخ میرا محبوب ترین مال بیر حاء والا باغ ہے وہ اللہ کے صدقہ ہے، میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ مجھ کو اس کے عوض بر ملے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے آیت بالا میں وعدہ فرمایا ہے اور یہ میرے لیے ذخیرہ آخرت ہو گا تو اے اللہ کے نبی آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو خرچ کر دیں۔ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ واہ واہ، وہ تو بہت ہی نفع والا مال ہے۔ وہ تو بہت ہی نفع والا مال ہے۔ میں نے آپ کی بات سن لی، لیکن میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے عزیز و اقارب پر خرچ کرو، حضرت ابو طلحہ نے کہا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہ نے اس کو اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم فرما دیا۔)
اس باغ میں ایک کنواں بھی تھا جس کا پانی اس باغ کو لگتا تھا اور حضرت ابو طلحہ نے باغ اور ساتھ ہی کنواں بھی اللہ کی رضا کے لیے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت ابو طلحہ کے چچازاد بھائیوں میں حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب بھی شامل تھے۔
مدینہ منورہ کے چھ کنویں:
(1) بیر حاء یہی ابو طلحہ والا (2) بیر بضاعہ، ثقیفہ بنی ساعدہ میں جہاں حضرت صدیق اکبر کی خلافت کا فیصلہ ہوا تھا۔ (3) بیر رومہ اس کو بیر عثمان بھی کہتے ہیں۔ (4) بیر اویس قباء میں (5) بیر لقبہ نخلستان میں (6) بیر غرس، یہ اب بھی ہے، لیکن پانی نا صاف ہے، اس وقت باقی سارا پانی کھارا تھا اور بیر رومہ کا پانی میٹھا تھا۔ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو اسے مسلمانوں کی ضرورت کے لیے خریدے گا تو اس کے عوض جنت ملے گی۔ حضرت عثمان نے پہلے تو آدھا کنواں خریدا، اب پانی کی باری لگ گئی، مسلمان ایک دن میں دو دنوں کا پانی جمع کر لیتے تھے کیونکہ حضرت عثمان نے آدھا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرما دیا۔ اس طرح یہود کا کاروبار ٹھپ ہو گیا، پھر بقیہ آدھا کنواں بھی بیچ دیا، حضرت عثمان نے بقیہ آدھا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرما دیا اور مسلمانوں کو وافر اور میٹھا پانی میسر آ گیا۔ (2) صحیحین میں ہے حضرت فاروق اعظم نے حضورﷺ سے عرض کی میرا محبوب ترین مال وہ ہے جو خیبر میں مجھ کو بطور حصہ ملا ہے۔ فرمائیے میں اسے کیسے خرچ کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا اصل اپنے پاس رہنے دو اور اس کا منافع اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ (3) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ مجھ کو جب مندرجہ بالا آیت ذہن نشین ہو گئی تو میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے مجھے کونسا مال پسند ہے؟ تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ رومی لونڈی جو مجھ کو حصہ میں ملی ہے سب

سے زیادہ وہی پسند ہے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔ (3) حضرت زید بن الحارث کا ایک پسندیدہ گھوڑا تھا وہ بھی اللہ کی رضا کے لیے دے دیا تھا۔ (4) حضرت عمر بن عبدالعزیز مشک خرید کر مشک ہی اللہ کی راہ میں دیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ جناب آپ یہ رقم ہی کیوں نہیں دے دیتے تو فرمایا کہ مجھ کو تمام چیزوں سے مشک ہی زیادہ پسند ہے، لہٰذا اسی کو دینا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔

البر بعض نے کہا کہ اس سے مراد جنت ہے اور بعض نے کہا کہ ثواب البر یعنی نیک عمل کا ثواب مراد ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا الخ

یہودی حضرت محمدﷺ اور مسلمانوں کو کہا کرتے تھے کہ تم لوگوں کو دعوی ہے کہ ہم ملت ابراہیمی پر قائم ہیں اور ہم لوگوں کو بھی ملت ابراہیم پر ہونے کا دعوی ہے، ہمارا دعوی سچا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم پر اونٹ اور چربی وغیرہ حرام قرار دے دیئے گئے تھے اور ہم بھی ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف مسلمان تو ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہی نہیں تو پھر ملت ابراہیم پر قائم رہنے کا دعوی کیسے کرتے ہیں؟ مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان باطل نظریات کی تردید فرمائی کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں ان چیزوں کی حرمت کا دعوی کرنا بلا دلیل ہے۔ تمہارے پاس جو خدائی دستور و آئین تورات کی شکل میں موجود ہے۔ اس کو پڑھ کر دیکھو۔ وہاں اس بات کا کوئی پتا نہیں، البتہ حضرت یعقوب نے علاجا و اجتھادا، اونٹ، چربی اور دودھ کو چھوڑ دیا تھا کیونکہ حضرت یعقوب کو عرق النساء کی بیماری تھی۔ آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو صحت بخشی تو میں اپنی مرغوب و محبوب چیز کو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ صحت یاب ہونے کے بعد انہوں نے ان کا استعمال چھوڑ دیا۔ پھر اولاد میں بھی یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا لیکن ہماری شریعت میں قسم یا نذر کی وجہ سے حلال کو حرام قرار دے دینا یا اس کا عکس کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ اگر کسی نے خلاف شرع قسم کھائی اور مباح وغیرہ کو اس کے ذریعہ اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تو اس قسم کا توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضورﷺ نے شہد کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَکَ۔ اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دے دیا ہے۔ (تحریم: 1)

بِبَكَّةَ مکہ میں، مکہ کا ایک نام بکہ بھی ہے جس کا معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا یا جھکا دینا ہے، کیونکہ کعبہ میں بڑے بڑے جبابرہ کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الخ

اولیت بیت اللہ سے کیا مراد ہے؟

یہاں سے یہود کے دوسرے شبہ پر مبنی سوال کا جواب مقصود ہے۔ وہ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تم یہ دعوی کرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیم کے زیادہ اقرب ہیں، حالانکہ حضرت ابراہیم اپنا اصلی وطن عراق کو چھوڑ کر شام تشریف لے گئے تھے اور بیت المقدس کو ہی قبلہ بنایا تھا۔ پھر ان کے بعد تمام انبیاء (علیہم السلام) نے متفق علیہ طور پر اس کو قبلہ بنایا، لیکن تم حجاز والوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ بنا لیا۔ پھر ملت ابراہیم پر قائم ہونے کا دعوی کیونکر کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب یہ دیا کہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جو گھر بنایا گیا وہ بیت اللہ الحرام ہی ہے، ارکان و مناسک حج ہمیشہ یہیں ادا ہوتے رہے ہیں۔ حضرت آدم سے خاتم الانبیاء حضرت محمدﷺ تک تمام انبیاء اور ان کے متبعین یہیں حج کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ نقلی دلائل کے علاوہ یہاں ایک حسی دلیل مقام ابراہیم ہے۔ جس پتھر کو تعمیر کے وقت حضرت ابراہیمؑ نے بطور سیڑھی استعمال فرمایا تھا، وہ یہاں موجود ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم کے متعلق یہود کا یہ دعوی تو قطعاً غلط ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء کا قبلہ بیت المقدس رہا ہے، البتہ حضرت ابراہیم کے بعد بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم کچھ عرصہ کے لیے دیا گیا تھا۔ مناسک حج بدستور بیت اللہ الحرام اور کعبہ ہی میں ادا کیے جاتے رہے، لہٰذا مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں اور مسلمان ہی ملت ابراہیم کے زیادہ قریب ہیں۔

رہی یہ بات کہ آیت میں جس اولیت کا ذکر ہے اس سے زمانی اولیت مراد ہے یا رتبی؟ دونوں باتیں صحیح روایات سے ثابت ہوتی ہیں۔

عن ابی ذر سالت رسول اللہﷺ عن اول مسجد وضع فی الارض فقال المسجد الحرام قلت ثم؟ قال المسجد الاقصی قلت کم بینھما فقال اربعون عاما ثم الارض لک مسجد حیثما ادرکت الصلوۃ فصل۔ (مسلم)

حضرت ابو ذر سے روایت ہے کہ میں نے حضورﷺ سے پوچھا کہ زمین میں سب سے پہلی مسجد کونسی بنائی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مسجد حرام، میں نے پوچھا پھر کونسی؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصی، میں نے کہا دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنے عرصے کا فاصلہ ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس سال، پھر ساری زمین تیرے لیے مسجد ہے جہاں نماز کا وقت ہو جائے، وہیں پڑھ لیا کر۔

عن خالد ابن عروۃ قال قام رجل الی علیؓ فقال الا تحدثنی عن البیت اھو اول بیت وضع فی الارض قال لا ولکنہ اول بیت وضع فیہ البرکۃ مقام ابراہیم ومن دخلہ کان امنا۔ (ابن کثیر)
حضرت خالد بن عروہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علی کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا کہ کیا آپ مجھ کو بتانا پسند فرمائیں گے کہا ول بیت سے کیا مراد ہے؟ کیا بیت اللہ ہی کو پہلے بنایا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ بیت اللہ وہ گھر ہے جس میں سب سے پہلے برکت رکھ دی گئی ہے جو کہ مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے، وہ امن میں ہو جاتا ہے۔
یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بیت اللہ کی تعمیر حضرت آدم نے فرمائی اور مسجد اقصی کی تعمیر حضرت سلیمانؑ نے فرمائی تو پھر دونوں میں ایک ہزار یا اس سے کم و بیش عرصہ ہونا چاہیے۔ چالیس سال کا عرصہ تو بہت قلیل مدت ہے؟ جواب اس سوال کا یہ ہے کہ حقیقت میں ابتدائی تعمیر بیت اللہ کی بھی اور مسجد اقصی کی بھی فرشتوں نے کی تھی اور حضرت آدم و سلیمان نے دوبارہ انہی بنیادوں پر تعمیر فرمائی ہے۔
وَمَن دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا الخ. نہ یہاں کسی سے بدلہ لیا جا سکتا ہے اور نہ گرفتار کیا جا سکتا ہے۔
ایک حدیث میں آیا ہے:
ان الحرم لا یعیذ عاصیا ولا فارا بدم ولا فارا بجزیۃ الخ۔
حرم نہ تو نافرمان کو پناہ دیتا ہے، نہ قاتل کو اور نہ اس کو جو جزیہ دینے سے جی چرا رہا ہو، اس کے علاوہ حرم ہر شخص کے لیے پناہ گاہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جو پاکستانی بغیر ویزے کے ہوتے ہیں، ان کو حرم میں نہیں پکڑتے۔ یعنی مسجد حرام کے گیٹ تک پولیس تعاقب کر سکتی ہے اس سے آگے نہیں۔
وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ البَیتِ مَنِ استَطَاعَ اِلَیہِ سَبِیلًا الخ۔
حضور اکرمﷺ سے پوچھا گیا کہ استطاعت سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا الزاد والراحلۃ یعنی زاد راہ اور سواری کا انتظام ہو تو یہ استطاعت ہے۔
فرضیت حج علی الفور ہے یا علی التراخی:
یہاں یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ فرضیت حج علی الفور نہیں ہے، بلکہ علی التراخی (جس کام کو موخر کیا جا سکے) ہے کیونکہ سورۃ حج میں ارشاد خداوندی ہے:
وَأَذِّن فِی النَّاسِ بِالحَجِّ یَأتُوکَ رِجَالا وَعَلَی کُلِّ ضَامِرٍ یَأتِینَ مِن کُلِّ فَجٍّ عَمِیقٍ۔ (حج: 27)
اور اعلان کر لوگوں میں حج کا، وہ آئیں گے تیرے پاس پیدل اور دبلے اونٹوں پر تمام دور دراز راستوں سے۔
سورۃ حج مکی ہے اور سورۃ آل عمران مدنی ہے یہ 3 ھ میں غزوہ احد والے سال نازل ہوئی تھی۔ حضورﷺ نے 9 ھ میں حج ادا فرمایا تھا جب راستہ میں رکاوٹ وغیرہ نہ تھی۔ 8 ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا۔ 18 رمضان کو مکہ فتح ہوا اور 10 شوال کو آپ طائف چلے گئے۔ وہاں قبیلہ ہوازن وغیرہ کو شکست دی، پھر جعرانہ کے مقام پر ٹھہرے، رات کے وقت آپ عمرہ کے لیے چلے گئے اور ہوازن وغیرہ سے لیا گیا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔
ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم سمجھ رہے تھے کہ حضور نے رات یہی گزارنی ہے، لیکن آپ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے واپس مدینہ منورہ چلے گئے اور اگلے سال 9 ھ میں حج ادا فرمایا، حالانکہ 8 ھ میں اشہر حرم میں آپ وہاں موجود تھے اور وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کی فرضیت پہلے ہے اور وجوب ادا علی التراخی ہے، بعض مالکیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے جب وجوب ادا علی التراخی ہے تو باوجود وجوب کے اگر کوئی شخص فی الفور حج نہ کرے تو گنہگار نہیں، لیکن بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر فرضیت حج کے بعد کوئی شخص ایک یا دو سال تاخیر کرے تو وہ فاسق ہو گیا اور اگر اس حال میں انتقال ہونے لگا تو وصیت لازم ہے۔
وَکَیفَ تَکفُرُونَ الخ
اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ اس کے بعد ایمان و اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنا اور دشمن کے جال میں پھنسنے سے بچنا مطلوب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان یہ ہوا کہ اسلام سے قبل جاہلیت ہی کے زمانہ میں لڑائیاں ہوتی رہیں، لیکن ایمان لانے کے بعد وہ عداوت اور دشمنی دوستی میں تبدیل ہو گئی اور کل کے دشمن آج بھائی بھائی بن گئے، چونکہ اسلام سے قبل لڑائیوں کا دور دورہ تھا، ذرا سی بات پر پلک جھپکنے میں سینکڑوں لوگوں کا خون ہو جایا کرتا تھا۔ قبلہ اوس اور خزرج میں بھی جنگ بعاث 40 سال تک جاری رہی۔ اسلام لانے کے بعد وہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ بعض کفار نے حسد اور بغض کی آگ میں جل بھن کر جہالت کے زمانہ کے کچھ جذبات ابھارے اور صحابہ کرام کے سامنے جنگ پر برانگیختہ کرنے والے اشعار پڑھے تو زبانی کلامی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ قریب تھا کہ زبانی کلامی جنگ میں اسلحہ اٹھانے تک کی نوبت آ جائے، تو حضورﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور پھر بھی یہ جہالت کی باتیں سن رہا ہوں۔ تم لوگ اسلام کے

اجالے میں آنے کے بعد پھر جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں جاتے ہو؟ صحابہ کرام ایک دوسرے سے چمٹ کر رونے لگے، ان کو احساس ہوا کہ ہم دشمن کے نرغے میں آ گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا، مندرجہ بالا تمام آیتیں اس مضمون سے متعلق ہیں۔

رکوع ۱۱

102۔ يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّہ حَقَّ تُقَاتِہِ وَ لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنتُم مُّسْلِمُونَ
103۔ وَ اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّہ جَمِيعًا وَ لَا تَفَرَّقُوا وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّہ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِہِ إِخْوَانًا وَ كُنتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَۃ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْہا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّہ لَكُمْ آيَاتِہِ لَعَلَّكُمْ تَہتَدُونَ
104۔ وَ لْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّۃ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْہوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ أُولَـئِكَ ہمُ الْمُفْلِحُونَ
105۔ وَ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَ اخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَہمُ الْبَيِّنَاتُ وَ أُولَـئِكَ لَہمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
106۔ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوہ وَ تَسْوَدُّ وُجُوہ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوہہمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ
107۔ وَ أَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوہہمْ فَفِي رَحْمَۃ اللَّہ ہمْ فِيہا خَالِدُونَ
108۔ تِلْكَ آيَاتُ اللَّہ نَتْلُوہا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَ مَا اللَّہ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ
109۔ وَ لِلَّہ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ وَ إِلَى اللَّہ تُرْجَعُ الْأُمُورُ

ترجمہ:

۱۰۲. اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنا چاہیئے اور نہ مرد مگر ایسے حال میں کہ تم مسلمان ہو۔
۱۰۳. اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر تم کو اس سے نجات دی اس طرح تم پر اللہ اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔
۱۰۴. اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔
۱۰۵. ان لوگوں کی طرح مت ہو جو متفرق ہو گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام آئے انہوں نے اختلاف کیا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔
۱۰۶. جس دن بعضے منہ سفید اور بعضے منہ سیاہ ہوں گے سو وہ جن کے منہ سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے اب اس کفر کرنے کے بدلے میں عذاب چکھو۔
۱۰۷. اور وہ لوگ جن کے منہ سفید ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
۱۰۸. یہ اللہ کے احکام ہیں ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔
۱۰۹. اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور سب کام اللہ ہی کے طرف پھیرے جاتے ہیں۔

افادات محمود

وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰہِ الخ
حَبلِ اللّٰہِ کی تفسیر حضور ﷺ سے منقول ہے کہ ان ھذا القران بل اللہ المتین یعنی یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔
عن ابن مسعودؓ حبل اللہ القرآن۔
حضرت ابن مسعود سے منقول ہے کہ حبل اللہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ قرآن کو قرآن اس وجہ سے کہتے ہیں اس کے مضامین ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اس سے لفظ قران بھی ہے جو حج کی اقسام ثلاثہ میں سے ایک قسم ہے حج کی تین قسمیں ہیں۔ (1) حج افراد جس میں حج کا احرام باندھ کر حج کیا جاتا ہے (2) حج تمتع اس میں احرام باندھتے وقت عمرہ کی نیت کی جاتی ہے۔ طواف اور سعی کر کے احرام کھول دیا جاتا ہے۔ پھر حج کے لیے دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے۔ (3) حج قران میں

احرام باندھتے وقت حج و عمرہ دونوں کی نیت کی جاتی ہے اور ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد انسان بدستور محرم ہوتا ہے تاوقتیکہ ارکان حج ادا نہ ہوں۔ تمتع کی دو قسمیں ہیں۔
(1) ایک سائق الھدی (2) دوسرا غیر سائق الھدی۔
سائق الھدی یعنی جو قربانی کا جانور ساتھ لے جائے اور غیر سائق الھدی جو قربانی کا جانور ساتھ لے کر نہ جائے۔ ہمارے ہاں حج قران افضل ہے اور حضور ﷺ کا حج بھی حج قران ہی تھا۔ جیسا کہ ترمذی شریف اور دیگر کتب حدیث میں صراحت ہے۔
وَّلَا تَفَرَّقُوا الخ۔ اپنی قوت کو اختلاف کے ذریعہ پارہ پارہ نہ کرو۔ جب اللہ کے نبی تم میں موجود ہیں تو تم غیروں کے اشاروں پر نہ چلو اور ان کے شیطانی جال میں پھنسنے سے بچو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اس بھائی چارے اور دوستی کو اپنا احسان قرار دیا اور تمام ملت اسلامیہ کو کلمہ واحدہ پر ایک قلب کے مانند جمع فرمایا۔
اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اختلاف و افتراق سے گریز کرنا چاہیے۔ حدیث میں ہے:
وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملۃ و تفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا ومنھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی۔ (ترمذی)
تحقیق بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے، وہ دوزخی ہوں گے مگر ایک فرقہ صحابہ نے عرض کیا وہ نجات پانے والا کون سا فرقہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریق پر ہو گا۔

رکوع ١٢

110۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّۃٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ لَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَ أَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ
111۔ لَن يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَ إِن يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ
112۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّۃُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَۃُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ يَقْتُلُونَ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ
113۔ لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّۃٌ قَايِمَۃٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُونَ
114۔ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ يُسَارِعُونَ فِی الْخَيْرَاتِ وَ أُولَيِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ
115۔ وَ مَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ
116۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِیَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَ لَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْيا وَ أُولَيِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
117۔ مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِی هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَ لَكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ
118۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَۃً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَ دُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِی صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ
119۔ هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَ لَا يُحِبُّونَكُمْ وَ تُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَ إِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَ إِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ
120۔ إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْهُمْ وَ إِن تُصِبْكُمْ سَيِّيَۃٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَ إِن تَصْبِرُوا وَ تَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْيا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ

ترجمہ:

١١٠. تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا کچھ ان میں سے ایماندار ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں۔
١١١. وہ زبان سے ستانے کے سوا تمہارا اور کچھ بگاڑ نہ سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر دیں گے پھر مدد نہیں دیے جائیں گے۔

۱۱۲. ان پر ذلت لازم کی گئی ہے جہاں وہ پائے جائیں گے مگر ساتھ اللہ کی پناہ کے اور لوگوں کی پناہ کے اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر پستی لازم کی گئی یہ اس واسطے ہے کہ اللہ کی نشانیوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکل جاتے تھے۔

۱۱۳. وہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں سے ایک فرقہ سیدھی راہ پر ہے وہ رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔

۱۱۴. اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور اچھی بات کا حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور وہی لوگ نیک بخت ہیں۔

۱۱۵. وہ لوگ جو نیک کام کریں گے اس سے محروم نہ کیے جائیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کا جاننے والا ہے۔

۱۱۶. بے شک جو لوگ کافر ہیں ان کے مال اور اولاد اللہ کے مقابلے میں کچھ کام نہ آئیں گے اور وہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

۱۱۷. اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جس طرح ایک ہوا ہو جس میں تیز سردی ہو وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا پھر ا سکو برباد کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے او پر ظلم کرتے ہیں۔

۱۱۸. اے ایمان والو اپنوں کے سوا کسی کو بھیدی نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی میں قصور نہیں کرتے جو چیز تمہیں تکلیف دے وہ انہیں پسند آتی ہے ان کے مونہوں سے دشمنی نکل پڑتی ہے اور جو ان کے سینے میں چھپی ہوئی ہے وہ بہت زیادہ ہے ہم نے تمہارے لیے نشانیاں بیان کر دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔

۱۱۹. سن لو تم ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم تو سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصہ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں کہہ دو تم اپنے غصہ میں مرو اللہ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں۔

۱۲۰. اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کے فریب سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا بے شک اللہ ان کے اعمال پر احاطہ کرنے والا ہے۔

افادات محمود

كُنتُم خَيرَ اُمَّةٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ الخ

پہلے رکوع میں حبل اللہ یعنی قرآن کریم کا ذکر تھا، اب اس امت کی افضلیت کا بیان ہے کہ گزشتہ رکوع میں ایمان والوں کے لیے جن صفات کو اپنانا اہم بتلایا گیا تھا، وہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک جماعت مسلمانوں میں ایسی ہو کہ جہاں کوئی منکر اور برائی دیکھے تو اس سے منع کرے اور اعمال صالحہ کی ترغیب دے اور اس جماعت کے افراد ان اوامر و نواہی کے متعلق علم بھی رکھتے ہوں۔ کیونکہ جاہل آدمی کسی منکر کو معروف اور معروف کو منکر سمجھ کر اگر ترغیب و ترہیب کا فریضہ سرانجام دے گا تو اصلاح کے بجائے فساد اور تعمیر کی بجائے بگاڑ پیدا ہو گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُم الخ۔

اے ایمان والو! اپنوں کے سوا غیروں کو اپنا راز دان نہ بناؤ۔

کلیدی عہدوں پر غیر مسلم کی تقر ری سے متعلق ایک عالمگیر اور حقائق پر مبنی ضابطہ:

ایک اسلامی ریاست کے امیر اور ذمہ دار کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر کرنا اور ان سے تعاون حاصل کرنا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ غیر مسلم تو موقع کے تلاش میں رہیں گے اور مسلمانوں کو نقصان پہچانے اور ان کا راز فاش کرنے میں کوئی دقیقہ خالی نہ چھوڑیں گے۔ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم سے کہا گیا کہ ایک عیسائی لڑکا بہت ہی زیرک اور سمجھدار ہے، اگر آپ اسے منشی مقرر فرمائیں تو بہتر ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے اسی آیت کا حوالہ دے کر انکار فرما دیا:

قیل لعمر ابن الخطابؓ ان ھھنا غلاما من اھل الحیرۃ حفظ کاتب فلوا اتخذتہ کاتب فقال قد اتخذت اذا بطانۃ من دون المومنین۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت فاروق اعظم سے کہا گیا کہ یہاں حیرہ کا رہنے والا ایک منشی ہے جو کہ اس فن کو خوب جاننے والا ہے، آپ اس کو اپنے ہاں منشی رکھوائیں۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا اس (غیر مسلم) کو منشی رکھنے سے قرآن کی (مندرجہ بالا) آیت کی مخالفت لازم آئے گی۔ اور اس وقت گویا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر غیر مسلم کو اپنا راز دان بناؤں گا۔

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری جب گورنر تھے تو اپنے منشی کے ساتھ حضرت فاروق اعظم کے ہاں حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت فاروق اعظم کے پاس ایک خط آیا ہوا تھا، آپ اسے پڑھوانا چاہتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے کاتب کی نشان دہی فرمائی۔ سارے لوگ مسجد میں چلے گئے، حضرت ابو موسیٰ نے عرض کی کہ امیر المومنین وہ کاتب تو نصرانی ہے، مسجد میں نہیں جا سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو ڈیوٹی سے فوراً معز ول کر دو۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ تمام گورنروں کو خط لکھا کہ:

لا تستعملوا اھل الکتاب۔

یعنی اہل کتاب سے اس طرح کے کام نہ لیا کرو۔ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو اپنے پاس رکھو۔

میں (مفتی محمود) کہتا ہوں کہ ہماری ناکامی کے اسباب یہی ہیں کہ محض کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کو تعینات کرنا تو درکنار بد قسمتی سے ہماری پوری حکومت ہی باہر کی ہوتی ہے۔ 30 سال گزر گئے، لیکن ہمیں ایسی حکومت نصیب نہ ہوئی جو غیروں کے اشاروں اور سہاروں سے پاک ہو۔

رکوع ۱۳

121- وَ إِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَہلِکَ تُبَوِّی الْمُؤْمِنِینَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَ اللَّہ سَمِیعٌ عَلِیمٌ
122- إِذْ ہمَّت طَّایفَتَانِ مِنکُمْ أَن تَفْشَلَا وَ اللَّہ وَلِیُّہمَا وَ عَلَی اللَّہ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُونَ
123- وَ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللَّہ بِبَدْرٍ وَ أَنتُمْ أَذِلَّۃ فَاتَّقُوا اللَّہ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُونَ
124- إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِینَ أَلَن یَکْفِیَکُمْ أَن یُمِدَّکُمْ رَبُّکُم بِثَلَاثَۃ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَایکَۃ مُنزَلِینَ
125- بَلَی إِن تَصْبِرُوا وَ تَتَّقُوا وَ یَأْتُوکُم مِّن فَوْرِہمْ ہذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُم بِخَمْسَۃ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَایکَۃ مُسَوِّمِینَ
126- وَ مَا جَعَلَہ اللَّہ إِلَّا بُشْرَی لَکُمْ وَ لِتَطْمَینَّ قُلُوبُکُم بِہ وَ مَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّہ الْعَزِیزِ الْحَکِیمِ
127- لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِینَ کَفَرُوا أَوْ یَکْبِتَہمْ فَیَنقَلِبُوا خَایبِینَ
128- لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ أَوْ یَتُوبَ عَلَیْہمْ أَوْ یُعَذِّبَہمْ فَإِنَّہمْ ظَالِمُونَ
129- وَ لِلَّہ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِی الْأَرْضِ یَغْفِرُ لِمَن یَشَاءُ وَ یُعَذِّبُ مَن یَشَاءُ وَ اللَّہ غَفُورٌ رَّحِیمٌ

ترجمہ:

۱۲۱. اور جب تو صبح کو اپنے گھر سے نکلا مسلمانوں کو لڑائی کا ٹھکانے پر بٹھا رہا تھا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔
۱۲۲. جب تم میں سے دو جماعتوں نے قصد کیا کہ نامردی کریں اور اللہ ان کا مددگار تھا اور چاہیئے کہ اللہ ہی پر مسلمان بھروسہ کریں۔
۱۲۳. اور اللہ بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر کرو۔
۱۲۴. جب تو مسلمانوں کو کہتا تھا کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کے لیے تین ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے بھیجے۔
۱۲۵. بلکہ اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو اور وہ تم پر ایک دم سے آ پہنچیں تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر مدد کے لیے بھیجے گا۔
۱۲۶. اور اس چیز کو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کے لیے کیا ہے اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والا ہے۔
۱۲۷. تاکہ بعض کافروں کو ہلاک کرے یا انہیں ذلیل کرے پھر وہ ناکام ہو کر لوٹ جائیں۔
۱۲۸. تیرا کوئی اختیار نہیں ہے یا اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں عذاب کرے کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔
۱۲۹. اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

افادات محمود
وَاِذ غَدَوتَ مِن اَهلِکَ الخ
اب یہاں سے غزوہ احد میں شکست اور بدر میں کامیابی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ غزوہ بدر میں چند لوگ پیچھے تو رہ گئے تھے، مگر کوئی منافق ساتھ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے ہم کنار فرمایا۔ غزوہ احد میں بہت سے منافقین بھی ساتھ گئے تھے، عبداللہ بن ابی ابن سلول کے ساتھ 300 بندے راستے سے واپس ہو گئے تھے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ ایسے موقعوں پر جب بعض لوگ نامردی دکھاتے ہیں تو بقیہ لوگوں کے حوصلے پست ہوتے اور دل ٹوٹ جاتے ہیں۔
اِذ ھَمَّت طَّاۤىِٕفَتٰنِ مِنکُم الخ۔
بخاری کی روایت کے مطابق یہ آیت بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ منافقین کو واپس جاتے ہوئے دیکھ کر ان لوگوں کو بھی خیال آیا کہ ہمیں واپس جانا چاہیے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تھاما اور یہ اس غلطی سے بچ گئے۔ بظاہر تو اس آیت کے ابتدائی حصہ میں مذکورہ بالا دونوں قبیلوں کی کچھ کمزوری اور بزدلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ لوگ کہتے کہ کاش کہ ہمارے متعلق ایسی آیت نازل نہ ہوتی، لیکن قربان جایئے صحابہ کرام کی فقاہت پر، وہ حضرات اس آیت کے اگلے جملے وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا پر نظر جمائے ہوئے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم کبھی یہ نہ کہیں گے کہ کاش کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی، بلکہ ہم بہت خوش ہیں کہ ایک ایسی آیت نازل ہو گئی جس میں اللہ تعالیٰ کی ہم لوگوں سے ولایت، محبت اور نصرت کا اظہار براہ راست کیا گیا ہے۔ اس پر ہم خوش ہیں اور راضی ہیں، ایک طرف اگرچہ دونوں قبیلوں کی کمزوری بیان کی گئی ہے، لیکن اگلے جملے وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا میں دلاسہ دیا جا رہا ہے اور تسلی بھی دی جا رہی ہے۔ ان لوگوں کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے بچا لیا تو ان پر کوئی گناہ نہیں تھا۔ ہم سیۂ (گناہ کا ارادہ) گناہ ہے، لیکن کف النفس عن السیۂ اپنے آپ کو گناہ سے باز رکھنا یہ نیکی ہے۔ پہلا گناہ سرزد ہوا بعد میں نیکی کر لی تو دونوں عمل بظاہر برابر ہو گئے، لیکن خدائی ضابطے کے مطابق:
مَن جَاءَ بِالحَسَنَةِ فَلَہُ عَشرُ أَمثَالِہَا الخ۔
تو ایک نیکی کے عوض کم از کم دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور ایک گناہ ایک ہی شمار ہوتا ہے۔
وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلا يُجزَى إِلا مِثلَہَا (الانعام: 160)

غزوہ احد میں مسلمانوں اور کفار کے پاس سامان جنگ کا تجزیہ اور اسباب شکست:
مسلمانوں کے پاس ایک گھوڑا بھی نہیں تھا اور تعداد بھی تھوڑی تھی، مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے 700 زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ اشراف مکہ کی پندرہ عورتیں بھی ہمراہ تھیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر مردوں کو لڑائی پر برانگیختہ کرتی تھیں۔ مختصر یہ کہ جب یہ لوگ احد کے قریب جا ٹھہرے تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ حضور کی اپنی رائے مبارک مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے اور دفاع کرنے کی تھی، لیکن وہ حضرات جن کو بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا جذبہ شہادت سے سرشار اور شوق شہادت میں بیتاب تھے، اس لیے اکثر صحابہ کرام نے رائے دی، کہا اندر رہ کر لڑنے کو دشمن ہماری بزدلی اور نامردی پر محمول کرے گا، لہذا باہر ہی نکل کر لڑنا چاہیے۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی نے اندر رہ کر لڑنے کی رائے دی، مگر اس کی رائے نفاق اور بزدلی پر مبنی تھی، اس نے اس ظاہری طور پر حامی بھرنے سے اپنی رائے حضور کی رائے سے منسلک کر لی۔
اللہ کے رسول ﷺ اکثریت کی رائے پر عمل کرتے ہوئے تیار ہو کر باہر تشریف لے آئے۔ آپ صحابہ کرام کو لے کر جب احد کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے ایک درہ پر نظر ڈالی، آپ نے اس درے کی حفاظت کو اہم سمجھ کر صحابہ کرام کی ایک جماعت وہاں مقرر فرما دی جو پچاس نفوس قدوسیہ پر مشتمل تھی۔ حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان پر امیر مقرر فرما دیا۔ ان کو تاکیدا حکم دیا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست، اگر پرندے ہمارا گوشت بھی نوچ نوچ کر کھالیں تو بھی آپ لوگوں نے اس درہ کو نہیں چھوڑنا ہے، لیکن تقدیر بر تدبیر غالب۔ جب مسلمانوں اور کفار کے درمیان گھمسان کا رن پڑا اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تو مسلمانوں نے مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ درہ پر موجود حضرات سے ایک اجتہادی غلطی سرزد ہو گئی، وہ یہ سمجھے کہ حضور کا ارشاد تو جنگ لڑے جانے کے ساتھ مشروط تھا، جنگ ختم ہو گئی، اب ہم درہ پر رہ کر کیا کریں گے۔ حضرت ابن جبیر نے حضور کا ارشاد یاد دلا کر اترنے سے منع بھی فرمایا، لیکن اکثر حضرات اتر آئے اور اس درہ پر صرف 12 آدمی رہ گئے۔ کفار کی کمان حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی۔ (یہ حضرت خالد کے ایمان لانے سے پہلے کا واقعہ ہے) وہ اس درہ کے خالی ہونے کا انتظار کر رہے تھے، درہ کو خالی پا کر انہوں نے پلٹ کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ آناً فاناً 70 مسلمان شہید ہو گئے جن میں حضور کے چچا حضرت حمزہ بھی شامل ہیں۔ حضرت طلحہ حضور کے آگے ڈھال بنے رہے، حتی کہ کثرت تیرزنی سے آپ کا ایک ہاتھ شل ہو گیا تھا اور حضور ﷺ کے سامنے چار دانتوں میں سے نچلا دائیں طرف والا دندان مبارک شہید ہو گیا۔ سر مبارک میں خود یا زرہ کی کڑیاں گھس گئی تھیں سر مبارک بھی زخمی ہوا تھا، بعد میں

جب مسلمانوں نے دوبارہ صف بندی کی تو انجام کار فتح مسلمانوں کی ہوئی، لیکن وقتی طور پر مسلمانوں کو عارضی شکست اور پریشانی سے دو چار ہونا پڑا۔

رکوع ۱۴

130- يَا أَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃ وَ اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ
131- وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِی أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ
132- وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ
133- وَ سَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَۃ مِّن رَّبِّكُمْ وَ جَنَّۃ عَرْضُها السَّمَاوَاتُ وَ الْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ
134- الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِی السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَ الْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَ اللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
135- وَ الَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَۃ أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَہمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِہمْ وَ مَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَ لَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَ ہمْ يَعْلَمُونَ
136- أُولَـئِكَ جَزَاؤُہم مَّغْفِرَۃ مِّن رَّبِّہمْ وَ جَنَّاتٌ تَجْرِی مِن تَحْتِہا الْأَنْہارُ خَالِدِينَ فِيہا وَ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ
137- قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِی الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَۃ الْمُكَذِّبِينَ
138- ہذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ ہدًى وَ مَوْعِظَۃ لِّلْمُتَّقِينَ
139- وَ لَا تَہنُوا وَ لَا تَحْزَنُوا وَ أَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ
140- إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہ وَ تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُہا بَيْنَ النَّاسِ و َلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ يَتَّخِذَ مِنكُمْ شُہدَاءَ وَ اللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ
141- وَ لِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ يَمْحَقَ الْكَافِرِينَ
142- أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّۃ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاہدُوا مِنكُمْ وَ يَعْلَمَ الصَّابِرِينَ
143- وَ لَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْہ فَقَدْ رَأَيْتُمُوہ وَ أَنتُمْ تَنظُرُونَ

ترجمہ:

۱۳۰. اے ایمان والو سود دونے پر دونا نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارا چھٹکارا ہو۔
۱۳۱. اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔
۱۳۲. اور اللہ اور رسول کی تابعداری کرو تاکہ تم پر رحم کیے جاؤ۔
۱۳۳. اور اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور بہشت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین ہے جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔
۱۳۴. جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
۱۳۵. اور وہ لوگ جب کوئی کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنے حق میں ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں سے بخشش مانگتے ہیں اور سوائے اللہ کے اور کون گناہ بخشنے والا ہے اور اپنے کیے پر وہ اڑتے نہیں اور وہ جانتے ہیں۔
۱۳۶. یہ لوگ ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں سے بخشش ہے اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان باغوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور کام کرنے والوں کی کیسی اچھی مزدوری ہے۔
۱۳۷. تم سے پہلے کئی واقعات ہو چکے ہیں سو زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔
۱۳۸. یہ لوگوں کے واسطے بیان ہے اور ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔
۱۳۹. اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گ۔
۱۴۰. اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو انہیں بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم یہ دن لوگوں میں باری باری بدلتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعضوں کو شہید کرے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔
۱۴۱. اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو پاک کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔

۱۴۲.   کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تک اللہ نے نہیں ظاہر کیا ان لوگوں کو جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور ابھی صبر کرنے والوں کو بھی ظاہر نہیں کیا۔
۱۴۳.   اور تم موت سے پہلے اس کی ملاقات کی آرزو کرتے تھے سو اب تم نے اسے آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا۔

افاداتِ محمود

وَسَارِعُوٓا اِلٰی مَغفِرَۃٍ مِّن رَّبِّکُم الخ

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ شہدا کے لیے برزخ ہے ہی نہیں، وہ سیدھے جنت میں جائیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنت میں جانے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ ان کو انعامات و کرامات سے نوازیں گے جیسا کہ حضرت جعفر کے متعلق ہے کہ لہ جنا حین یطیر بھما فی الجنۃ، حضرت جعفر غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہو گئے تھے۔ حضور نے فرمایا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں، ہاں باضابطہ طور پر جنت میں جانا قیامت کے روز حساب کتاب کے بعد ہی ہو گا۔

رکوع ۱۵

144- وَ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِہِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَ مَن يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْہِ فَلَن يَضُرَّ اللَّہَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللَّہُ الشَّاكِرِينَ
145- وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّہِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا وَ مَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِہِ مِنْہَا وَ مَن يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَۃ نُؤْتِہِ مِنْہَا وَ سَنَجْزِى الشَّاكِرِينَ
146- وَ كَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَہُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَ ہَنُوا لِمَا أَصَابَہُمْ فِي سَبِيلِ اللَّہِ وَ مَا ضَعُفُوا وَ مَا اسْتَكَانُوا وَ اللَّہُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ
147- وَ مَا كَانَ قَوْلَہُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ إِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ انصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ
148- فَآتَاہُمُ اللَّہُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَۃ وَ اللَّہُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

ترجمہ:

۱۴۴.   اور محمد تو ایک رسول ہے اس سے پہلے بہت رسول گزرے پھر کیا اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا اور اللہ شکر گزاروں کو ثواب دے گا۔
۱۴۵.   اور اللہ کے حکم کے سوا کوئی مر نہیں سکتا ایک وقت مقرر لکھا ہوا ہے اور جو شخص دنیا میں بدلہ چاہے گا ہم اسے دنیا ہی میں دے دیں گے اور جو آخرت میں بدلہ چاہے گا ہم اسے آخرت ہی میں دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔
۱۴۶.   اور کئی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے لڑے ہیں پھر اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچنے پر نہ ہارے ہیں اور نہ سست ہوئے اور نہ وہ دبے ہیں اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
۱۴۷.   اور انہوں نے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو ہمارے کام میں ہم سے زیادتی ہوئی ہے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافروں کی قوم پر ہمیں مدد دے۔
۱۴۸.   پھر اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا اور اللہ نیک کاموں کو پسند کرتا ہے۔

افاداتِ محمود

یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیًٔا الخ

دوران جنگ جب عبداللہ بن قمیہ نے حضور ﷺ کا جسم مبارک زخمی کر دیا تو ساتھ ہی افواہ اڑائی گئی کہ نعوذ باللہ حضرت محمد ﷺ قتل کر دئے گئے، اس اندوہناک خبر سے بعض صحابہ کے حوصلے کچھ پست ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور صحابہ کرام نے پھر جم کر مقابلہ کیا۔ اس افواہ پھیلانے سے کفار کا مقصد یہ تھا کہ جب قائد ہی نہیں رہا تو اب یہ تحریک ختم ہو جائے گی۔ تحریکوں کا سہرا قائدین کے سر ہوتا ہے، تحریک کے لیے ٹھوس نظریات ہوتے ہیں، لیکن آج کل کی پارٹیوں کے پاس کوئی ٹھوس نظریہ نہیں ہے۔ اسلام مکمل دین ہے، اس کی تحریک کبھی ختم نہ ہو گی۔ اس کو ختم کرنے والے

لوگ آپ ہی ختم ہوں گے۔ بہرحال لڑائی ختم ہونے کے بعد حضرت ابو سفیان (احد کی جنگ کا واقعہ حضرت ابو سفیان کے ایمان لانے سے قبل کا ہے) نے آواز دی:
فقال افی القوم محمد؟ فقال لا تجیبوه فقال افی القوم ابن ابی قحافۃ؟ قال لا تجیبوه فقال افی القوم ابن الخطاب؟ فقال ان هولاء قتلو فلو كانوا احياء لا جابوا فلم يملك عمر نفسه فقال له كذبت يا عدو الله ابقى الله لک ما يحزنک قال ابو سفيان اعلى هبل فقال النبیﷺ اجیبوه قالوا ما نقول؟ قال قولوا الله اعلى واجل قال ابو سفيان لنا العزى ولا عزى لكم فقال النبیﷺ اجیبوه قالوا ما نقول؟ قال قولوا الله مولانا ولا مولى لكم قال ابو سفيان يوم بيوم بدر والحرب سجال وستجدون مثلة ما امرت بها ولم تسونی۔ (بخاری)
(کیا لوگوں میں محمدﷺ موجود ہیں؟ حضورﷺ نے فرمایا کچھ جواب نہ دو۔ پھر ابو سفیان نے کہا کیا لوگوں میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق) موجود ہیں؟ حضور نے فرمایا اس کو کچھ جواب نہ دو، پھر حضرت ابو سفیان نے کہا کہ کیا لوگوں میں (عمر) ابن الخطاب موجود ہیں؟ پھر حضرت ابو سفیان نے کہا یہ سارے کے سارے قتل ہو گئے، ورنہ اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ حضرت فاروق اعظم اپنے پر قابو نہ رکھ سکے اور فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ اس چیز کو قائم رکھے گا جو تجھ کو غم میں ڈالے رکھے۔ ابو سفیان نے کہا کہ ہبل (بت کا نام ہے) غالب رہا، حضور نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس کو جواب دو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم جواب میں کیا کہیں؟ حضور نے فرمایا کہو اللہ اعلی و اجل، ابو سفیان نے کہا ہمارا عزی (بت کا نام ہے) ہے اور تم لوگوں کا عزی نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا جواب میں کہو اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں ہے۔ حضرت ابو سفیان نے کہا کہ آج کا دن بدر کے بدلے رہا اور لڑائی ڈول کی مانند ہے (کبھی ایک پلڑا بھاری ہوتا ہے کبھی دوسرا) اور تم لوگ کو شہدا میں مثلہ نظر آئے گا، لیکن نہ تو میں نے مثلہ کرنے کا کسی کو حکم دیا ہے اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی تکلیف ہوئی ہے۔)
رِبِّیُّونَ اس سے مراد مولوی ہیں کیونکہ مولوی منسوب الی المولی ہے اور ربی مولوی کے معنی میں ہے، لیکن لوگ مولانا کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں اور حقیقی مقام کو کم سمجھتے ہیں۔ مولوی کا معنی منسوب الی المولی ہے اور مولانا بمعنی آقا ہے تو بتایئے کہ دونوں میں سے کونسا لفظ اچھا ہے؟ حضرت مولانا احمد علی لاہور نے مودودی صاحب کے خلاف جو کتاب لکھی تھی اس میں مولوی مودودی لکھا تھا تو انہوں نے کہا کہ مولانا احمد علی نے میری توہین کی ہے۔

رکوع ۱۶

149- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ
150- بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَ هُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ
151- سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ
152- وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَ عَصَيْتُم مِّن بَعْدِ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَ لَقَدْ عَفَا عَنكُمْ وَ اللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
153- إِذْ تُصْعِدُونَ وَ لَا تَلْوُونَ عَلَى أَحَدٍ وَ الرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَا أَصَابَكُمْ وَ اللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ
154- ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِّنكُمْ وَ طَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَ لِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ
155- إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَ لَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

ترجمہ:

۱۴۹. اے ایمان والو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر دیں گے پھر تم نقصان میں جا پڑو گے۔
۱۵۰. بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔
۱۵۱. اب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھیرایا جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا وہ بہت بڑا ٹھکانا ہے۔

۱۵۲.   اور اللہ تو اپنا وعدہ تم سے سچا کر چکا جب تم اس کے حکم سے انہیں قتل کرنے لگے یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا دی وہ چیز جسے تم پسند کرتے تھے بعض تم میں سے دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں سے آخرت کے طالب تھے پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے اور البتہ تحقیق تمہیں اس نے معاف کر دیا ہے اور اللہ ایمانداروں پر فضل والا ہے۔
۱۵۳.   جس وقت تم چڑھے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے پکار رہا تھا سو اللہ نے تمہیں اس کی پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے تاکہ تم مغموم نہ ہو اس پر جو ہاتھ سے نکل گئی اور نہ اس پر جو تمہیں پیش آئی اور اللہ خبردار ہے اس چیز سے جو تم کرتے ہو۔
۱۵۴.   پھر اللہ نے اس غم کے بعد تم پر چین یعنی اونگھ بھیجی اس نے بعضوں کو تم میں سے ڈھانک لیا اور بعضوں کو اپنی جان کا فکر لڑ رہا تھا اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے کر رہے تھے کہتے تھے ہمارے ہاتھ میں کچھ کام ہے کہہ دو کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اپنے دل میں چھپاتے ہیں جو تیرے سامنے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر ہمارے ہاتھ میں کچھ کام ہوتا تو ہم اس جگہ مارے نہ جاتے کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے البتہ اپنے گرنے کی جگہ پر باہر نکل آتے وہ لوگ جن پر قتل ہونا لکھا جا چکا تھا اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس چیز کو صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔
۱۵۵.   بے شک وہ لوگ جو تم میں پیٹھ پھیر گئے جس دن دونوں فوجیں ملیں سو شیطان نے ان کے گناہ کے سبب سے انہیں بہکا دیا تھا اور اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے بے شک اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے۔

افادات محمود

يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوۤا اِن تُطِيعُوا الخ

خلاصہ ان چند آیات کا یہ ہے کہ شکست کی ذمہ داری آپ لوگوں پر عائد ہوتی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نصرت والا وعدہ پورا فرما دیا تھا کہ ابتدا میں جب تم قتال کرنے لگے تو ان کو مغلوب کرتے رہے، لیکن بعد میں حضور ﷺ کا ایک حکم چھوٹ گیا اور آپس میں اختلاف کرنے لگے، اس کی وجہ سے عارضی شکست میں مبتلا ہو گئے۔

وَلَقَد عَفَا اللّٰهُ عَنهُم الخ

یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے عیب جوئی کرنے والوں کی زبانوں پر مہر سکوت ثبت فرما دی کہ جن حضرات سے درہ چھوڑنے کی ایک اجتہادی غلطی سرزد ہو گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ یہ غلطی بھی صداقت اور راست گوئی پر مبنی تھی، العیاذ باللہ نفاق یا کفر کی کوئی بیماری اس کے پیچھے کارفرما نہ تھی، حضرت ابن عمر سے جب حضرت عثمان کے متعلق کسی شخص نے پوچھا کہ (1) وہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ (2) احد میں ثابت قدم نہیں رہے تھے۔ (3) وہ بیعت رضوان میں بھی شامل نہ تھے؟ حضرت ابن عمر نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جہاں تک بدر کی جنگ میں حضرت عثمان کی عدم شمولیت کا بیان ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی صاحب زادی، جو حضرت عثمان کے نکاح میں تھیں، بیمار تھیں اور حضور نے حضرت عثمان کو ان کی تیمار داری کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ (2) رہا احد میں عدم ثابت قدم رہنے کا سوال سو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ (3) اور جہاں تک بیعت رضوان میں عدم شمولیت کا تعلق ہے تو حضرت عثمان سے زیادہ قابل اعتماد اگر کوئی حضور کی نظر میں ہوتا تو وہ ان کو بھیج دیتے۔ اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو گی کہ حضور ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ ایک ہاتھ عثمان کا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے معافی اور عافیت کا اعلان کر کے قیامت تک کے لیے بدخوئی بد جوئی اور بد گوئی کرنے والوں کی زبانیں بند فرما دیں۔

نُّعَاسًا يَّغشٰى الخ

حضرت ابو طلحہ انصاری فرماتے ہیں کہ اونگھ کی وجہ سے میرے ہاتھ سے کئی دفعہ تلوار گر گئی تو حقیقت یہ ہے کہ اطمینان کے بعد ہی نیند آتی ہے۔

رکوع ۱۷

156. يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَ قَالُوا لِإِخْوَانِہِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَ مَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّہُ ذَٰلِکَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِہِمْ وَ اللَّہُ يُحْيِي وَ يُمِيتُ وَ اللَّہُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

157- وَ لَين قُتِلْتُمْ فِی سَبِيلِ اللَّہِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَۃ مِّنَ اللَّہِ وَ رَحْمَۃ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ
158- وَ لَين مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَی اللَّہِ تُحْشَرُونَ
159- فَبِمَا رَحْمَۃ مِّنَ اللَّہِ لِنتَ لَہمْ وَ لَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِکَ فَاعْفُ عَنْہمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَہمْ وَ شَاوِرْہمْ فِی الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللَّہِ إِنَّ اللَّہَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ
160- إِن يَنصُرْكُمُ اللَّہُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ إِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِی يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِہِ وَ عَلَی اللَّہِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ
161- وَ مَا كَانَ لِنَبِیٍّ أَن يَغُلَّ وَ مَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَۃ ثُمَّ تُوَفَّی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ ہمْ لَا يُظْلَمُونَ
162- أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّہِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّہِ وَ مَأْوَاہ جَہنَّمُ وَ بِيسَ الْمَصِيرُ
163- ہمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّہِ وَ اللَّہُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ
164- لَقَدْ مَنَّ اللَّہُ عَلَی الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيہمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِہمْ يَتْلُو عَلَيْہمْ آيَاتِہ وَ يُزَكِّيہمْ وَ يُعَلِّمُہمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَۃ وَ إِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِی ضَلَالٍ مُّبِينٍ
165- أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَۃ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْہا قُلْتُمْ أَنَّی ہذَا قُلْ ہوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ إِنَّ اللَّہَ عَلَی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيرٌ
166- وَ مَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّہِ و َلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ
167- وَ لِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَ قِيلَ لَہمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِی سَبِيلِ اللَّہِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ہمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَيذٍ أَقْرَبُ مِنْہمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاہِہم مَّا لَيْسَ فِی قُلُوبِہمْ وَ اللَّہُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ
168- الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِہمْ وَ قَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ
169- وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِی سَبِيلِ اللَّہِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّہمْ يُرْزَقُونَ
170- فَرِحِينَ بِمَا آتَاہمُ اللَّہُ مِن فَضْلِہ وَ يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِہم مِّنْ خَلْفِہمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْہمْ وَ لَا ہمْ يَحْزَنُونَ
171- يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَۃ مِّنَ اللَّہِ وَ فَضْلٍ وَ أَنَّ اللَّہَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ:

۱۵۶. اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو کافر ہوئے اور وہ اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں جب وہ ملک میں سفر پر نکلیں یا جہاد پر جائیں اگر ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ اس خیال سے ان کے دلوں میں افسوس ڈالے اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

۱۵۷. اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ کی بخشش اور اس کی مہربانی اس چیز سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

۱۵۸. اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ تم سب اللہ ہی کے ہاں جمع کیے جاؤ گے۔

۱۵۹. پھر اللہ کی رحمت کے سبب سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا اور اگر تو تند خو اور سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے پس انہیں معاف کر دے اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور کام میں ان سے مشورہ لیا کر پھر جب تو اس کام کا ارادہ کر چکا تو اللہ پر بھروسہ کر بے شک اللہ توکل کرنے والے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

۱۶۰. ا اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا اور اگر اس نے مدد چھوڑ دی تو پھر ایسا کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۱۶۱. اور کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ خیانت کرے گا اور جو کوئی خیانت کرے گا اس چیز کو قیامت کے دن لائے گا جو خیانت کی تھی پھر ہر کوئی پورا پالے گا جو اس نے کمایا تھا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔

۱۶۲. آیا وہ شخص جو اللہ کی رضا کا تابع ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو غضب الٰہی کا مستحق ہوا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیسی وہ بری جگہ ہے۔

۱۶۳. اللہ کے ہاں لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

۱۶۴. اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے اگر چہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

۱۶۵. کیا جب تمہیں ایک تکلیف پہنچی حالانکہ تم تو اس سے دو چند تکلیف پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی کہہ دو یہ تکلیف تمہیں تمہاری طرف سے پہنچی ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۶۶. اور جو کچھ تمہیں اس دن پیش آیا جس دن دونوں جماعتیں ملیں سو اللہ کے حکم سے ہوا اور تاکہ اللہ ایمان داروں کو ظاہر کر دے۔

۱۶۷.   اور تاکہ منافقوں کو ظاہر کر دے اور انہیں کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمنوں کو دفع کرو تو انہوں نے کہا اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہو گی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے وہ اس وقت بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب تھے وہ اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

۱۶۸.   یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں حالانکہ خود بیٹھ رہے تھے اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ کیے جاتے کہہ دو اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو۔

۱۶۹.   اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیے جاتے ہیں۔

۱۷۰.   اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں دیا ہے اس پر خوش ہونے والے ہیں اور ان کی طرف سے بھی خوش ہوتے ہیں جو ابھی تک ان کے پیچھے سے ان کے پاس نہیں پہنچے اس لئے کہ نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

۱۷۱.   اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات سے کہ اللہ ایمانداروں کی مزدوری کو ضائع نہیں کرتا۔

افادات محمود

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَن يَّغُلَّ الخ

غلول مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں یا تقسیم سے قبل کچھ رکھ لینا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دو تسمے مال غنیمت سے لے لیے تو حضور ﷺ نے فرمایا شراکین من النار، یعنی اس شخص نے گویا آگ کے دو تسمے لیے ہیں۔ (2)
اسی طرح مطلق مال حرام کو بھی غلول کہا جاتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لا تقبل صلوة من بغیر طھور ولا صدقة من غلول۔

نماز بغیر وضو کے قبول نہیں اور حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں اس مقام پر خصوصی طور پر مال غنیمت میں خیانت کرنا مراد لیا گیا ہے۔

حضور ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن لتبیہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ جب وہ واپس آ گئے تو کچھ مال الگ کر کے رکھ دیا اور کہا کہ مجھ کو لوگوں نے یہ ہدیہ دیا ہے اور زکوٰۃ کا مال الگ کر کے بیت المال کے حوالہ کر دیا۔
حضور ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ پھر فرمایا کہ ایسا کیوں ہے کہ میں کسی کو کوئی ڈیوٹی سونپ دوں اور جب وہ واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ بیت المال کا مال ہے اور یہ مجھ کو بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔

فھلا یجلس فی بیت ابیہ او بیت امہ فینظر ایھدی لہ ام لا؟

یہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھتا پھر دیکھے کہ اسے کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟

یہ حدیث سد ذرائع کے قبیل سے ہے، اللہ کے نبی نے ہمیشہ کے لیے رشوت اور بے قاعدگیوں کا دروازہ بند کر دیا۔ چنانچہ آگے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یاخذ احد منہ شیئ الا جاء بہ یوم القیامة یحملہ علی رقبتہ ان کان بعیرا لہ رغاء او بقرا لہ خوار او شاۃ تبعر الخ۔ (الترغیب)

اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضۃ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے جو شخص جو بھی چیز لے گا، اسے وہ قیامت کے دن (ذلت و رسوائی) اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا۔ اگر وہ اونٹ ہو گا تو اس کی آواز ہو گی اور اگر وہ بیل ہو گا تو اس کی آواز ہو گی اور اگر وہ بکری ہو گی تو اس کی آواز ہو گی۔

ایک روایت میں ہے کہ ابن لتبیۃ سے وہ مال واپس لے کر بیت المال میں داخل کر لیا گیا، لوگ انہیں عامل ہونے کی وجہ سے یہ کچھ دیتے تھے، یہ عمل بذات خود درست نہیں، مزید برآں مستقبل میں اس فعل کے ذریعہ گناہوں کے متعدد دروازوں کے کھل جانے کا اندیشہ بھی ہے۔

ہم درجات انہ ای ذی درجات۔

یہ لوگ اللہ کے ہاں بڑے درجات والے ہیں۔

رکوع ۱۸

172- الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَ الرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ

173- الَّذِينَ قَالَ لَهمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْہمْ فَزَادَہمْ إِيمَانًا وَ قَالُوا حَسْبُنَا اللَّہ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ
174- فَانقَلَبُوا بِنِعْمَۃ مِّنَ اللَّہ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْہمْ سُوءٌ وَ اتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّہ وَ اللَّہ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ
175- إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَہ فَلَا تَخَافُوہمْ وَ خَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ
176- وَ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّہمْ لَن يَضُرُّوا اللَّہ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّہ أَلَّا يَجْعَلَ لَہمْ حَظًّا فِي الْآخِرَۃ وَ لَہمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
177- إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّہ شَيْئًا وَ لَہمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
178- وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَہمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِہمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَہمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَ لَہمْ عَذَابٌ مُّہينٌ
179- مَّا كَانَ اللَّہ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنتُمْ عَلَيْہ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ مَا كَانَ اللَّہ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لَكِنَّ اللَّہ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِہ مَن يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللَّہ وَ رُسُلِہ وَ إِن تُؤْمِنُوا وَ تَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ
180- وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاہمُ اللَّہ مِن فَضْلِہ ہوَ خَيْرًا لَّہم بَلْ ہوَ شَرٌّ لَّہمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِہ يَوْمَ الْقِيَامَۃ وَ لِلَّہ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ اللَّہ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

ترجمہ:

۱۷۲. جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے جو ان میں سے نیک ہیں اور پرہیزگار ہوئے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔
۱۷۳. جنہیں لوگوں نے کہا کہ مکہ والوں نے تمہارے مقابلے کے لیے سامان جمع کیا ہے سو تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوا اور کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔
۱۷۴. پھر مسلمان اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹ آئے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور اللہ کی مرضی کے تابع ہوئے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔
۱۷۵. سویہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے پس تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔
۱۷۶. اور وہ لوگ آپ ے غم میں نہ ڈال دیں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے اللہ ارادہ کرتا ہے کہ آخرت میں انہیں کوئی حصہ نہ دے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔
۱۷۷. جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔
۱۷۸. اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں مہلت دیتے ہیں یہ ان کے حق میں بھلائی ہے ہم انہیں مہلت اس لیے دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں زیادتی کریں اور ان کے لیے خوار کرنے والا عذاب ہے۔
۱۷۹. اللہ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر اب تم ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ کر دے اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں جسے چاہے چن لیتا ہے سو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔
۱۸۰. اور جو لوگ اس چیز پر بخل کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے وہ یہ خیال نہ کریں کہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے قیامت کے دن وہ مال طوق بنا کر ان کے گلوں میں ڈالا جائے گا جس میں وہ بخل کرتے تھے اور اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔

افادات محمود
اَلَّذِينَ استَجَابُوا لِلّٰہِ وَالرَّسُولِ الخ
(1) اس آیت کے متعلق حضرات مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا اور ستر صحابہ کرام شہید ہو گئے تو واپس جاتے ہوئے حضرت ابو سفیان (قبل از اسلام جنگ احد میں یہی قریش کے لشکر کے سالار تھے) کے دل میں یہ بات آ گئ کہ ہم نے بہت بڑی غلطی کی، مسلمانوں کو شکستہ حال اور زخم خوردہ چھوڑ کر آ گئے۔ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، لہذا اپنے ساتھیوں میں اعلان کر دیا کہ پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہیے تاکہ ان کا کامل استیصال ہو جائے۔ حضور ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بذریعہ بلال مدینہ منورہ میں منادی کرا دی کہ جو لوگ کل احد میں شریک تھے، وہی لوگ دوبارہ تیار ہوں، ہم نے ابو سفیان کا تعاقب کرنا ہے، آپ کے جان نثار صحابہ کرام آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تیار ہو گئے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام کو لے کر جب حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے، جو مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے، تو حضرت ابو سفیان کو سب حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسا رعب طاری کر دیا کہ وہ دوبارہ حملہ کا ارادہ ترک کر کے مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا۔ وہ جبن و فرار کا الزام مسلمانوں کو دینا چاہتا تھا، لہذا ایک

شخص کو کچھ مال دے کر تیار کر لیا کہ مدینہ منورہ میں اور مسلمانوں میں یہ مشہور کر دے کہ ابو سفیان بہت بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونے والا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس شخص نے آ کر جب مسلمانوں کو یہ کچھ بتایا تو بجائے خوف زدہ و مرعوب ہونے کے سب نے کہا کہ: حسبنا اللہ و نعم الوکیل، ایک اللہ کی مدد اگر شامل حال رہی تو ہمیں وہی کافی ہے۔ دشمن کی تعداد اور سازو سامان اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

(2) دوسرا شان نزول یہ ہے کہ اختتام جنگ پر حضرت ابو سفیان نے اعلان کر دیا تھا کہ آئندہ سال بدر کے مقام پر پھر جنگ ہو گی۔ حضور ﷺ نے اس کو منظور فرما لیا تھا، سال کے دوران میں حسب وعدہ حضور ﷺ صحابہ کرام کو ترغیب دیتے رہے اور فرمایا کہ اگر کوئی اور نہیں جائے گا تو میں اکیلا جاؤں گا۔ آپ صحابہ کرام کو لے کر بدر کے مقام پر پہنچے، یہ مدینہ منورہ سے دور اور مکہ کے قریب ہے۔ حضرت ابو سفیان نے بھی آنے کا ارادہ کیا، لیکن راستہ ہی میں کمر ہمت ٹوٹ گئی اور قحط سالی کا عذر کر کے واپس جانا چاہا۔ وہ الزام تو مسلمانوں کو دینا چاہتا تھا، لہٰذا ایک شخص کو پیسے دے کر تیار کیا کہ جا کر مدینہ میں یہ خبر مشہور کر دے کہ ابو سفیان بہت بڑے لشکر کو لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔

چنانچہ اس شخص نے آ کر مدینہ میں یہی خبر مشہور کر دی لیکن قربان جائیے سرور دو عالم صلی اللہ کے جان نثاروں کے، سب نے یک زبان ہو کر کہا حسبنا اللہ ونعم الوکیل، کفار اب کی بار مسلمانوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی فتح عطا فرمائی۔ تین دن بدر کے مقام پر ٹھہر کر وہاں جو سالانہ منڈی لگتی تھی اس میں خوب تجارت کی، دنیا و آخرت دونوں کے نفع سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو سرفراز فرمایا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کو بدر صغریٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، مکہ والے قریش کے اس لشکر کو جیش سویق کہتے ہیں یعنی یہ لشکر وہاں بدر کے مقام پر صرف ستو پینے گیا تھا اور کچھ کام نہ کیا۔

لِلَّذِينَ اَحسَنُوا مِنهُم الخ

اس آیت کے ظاہری مفہوم سے کوئی یہ اخذ کرے کہ صحابہ کرام میں سے بعض محسن اور بعض غیر محسن تھے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ذکر بالعموم ہوتا ہے تو وہاں لازما کچھ خاص افراد کا ذکر ہوتا ہے، اس سے ذکر بالعموم کی نفی لازم نہیں آتی جیسے تنزل الملائکۃ کے بعد خصوصیت سے روح القدس کا ذکر ہے، حالانکہ ملائکہ میں روح القدس بھی شامل ہے، جیسے کہا جائے کہ تم میں سے جو سمجھدار ہیں ان کو انعام ملے گا، حالانکہ سمجھدار سب ہی ہوتے ہیں۔

قَالَ لهُمُ النَّاسُ الخ

یہاں ناس سے مراد تجارتی قافلہ ہے جنہوں نے کفار کا بول بالا رکھنے کے لیے بات کی۔ ان الناس سے مراد حضرت ابو سفیان اور ان کا لشکر ہے۔

فَزَادهُم اِيمَانًا... زیادۃ الایمان و نقصانہ:

ایمان میں زیادتی ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ ہمیشہ محدثین کے ہاں معرکہ آرا رہا ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں جہاں ہدی یا ایمان یا تقویٰ کے ساتھ لفظ زاد یا یزید استعمال کیا ہے، اس سے مراد زیادتی فی الایمان ہے۔ جمہور محدثین و فقہاء کے نزدیک الایمان یزید و ینقص یعنی ایمان میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور ایمان کم بھی ہوتا ہے۔

وقال ابو حنیفۃ الایمان لا یزید ولا ینقص۔

امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایمان میں نہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ امام اعظم اور دیگر فقہاء کا جو اختلاف ایمان کی زیادتی اور عدم زیادتی سے متعلق ہے، یہ نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں ہے، جیسا کہ آگے چل کر مزید واضح ہو جائے گا۔

مندرجہ بالا اختلاف کا مدار ایک اور اصل پر ہے اور یہی اس اختلاف کی جڑ ہے، وہ یہ ہے کہ اعمال جزء من الایمان ہیں یا نہیں؟ جن لوگوں کے ہاں اعمال جزء من الایمان ہیں ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کے ہاں اعمال جزء من الایمان نہیں ہیں، ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

معتزلہ، خوارج اور مرجیہ کے درمیان نزاع حقیقی ہے:

خوارج اور معتزلہ کے نزدیک اعمال جزء ایمان ہیں اور قاعدہ ہے کہ انتفاء جزء انتفاء کل کو مستلزم ہے یعنی جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ پھر آگے دونوں میں یہ فرق ہے کہ (1) عند الخوارج کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ (2) معتزلہ کے نزدیک اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا۔

جزو کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

ای ولا نسقط عن المسلم بسبب ارتکاب کبیرۃ وصف الایمان کما یقولہ المعتزلۃ حیث ذھبوا الی ان مرتکب الکبیرۃ یخرج عن الایمان ولا یدخل فی الکفر۔ (فقہ اکبر، صفحہ 71)

ہم کسی مسلمان سے گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے صفت ایمان سلب نہیں کرتے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس طرح گئے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے تو نکل جاتا ہے، لیکن کفر میں داخل بھی نہیں ہوتا۔

(3) فرقہ مرجۂ کے ہاں صرف ایمان کافی ہے۔ ان کے نزدیک ایمان کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت ہے، نجات کے لیے صرف اتنا کافی ہے، طاعت اور عبادت یا اعمال ضروری نہیں۔
امام اعظم اگرچہ اعمال کو جزء الایمان قرار دیتے ہیں، لیکن مرجۂ کی طرح اعمال کو لغو اور فضول بھی نہیں کہتے۔ اب سوال یہ ہے کہ جمہور محدثین اور فقہاء جب اعمال جو جزو ایمان قرار دیتے ہیں تو امام اعظم کیوں اس بات کا انکار فرماتے ہیں؟
جواب اس کا یہ ہے کہ امام اعظم نے چالیس حج کیے اور پچاس سال تک فجر کی نماز عشا کے وضو سے پڑھی۔ اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اعمال کے کیسے دلدادہ تھے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ امام اعظم کے زمانہ میں خوارج اور معتزلہ کی کثرت تھی جو عمل جو جزو ایمان قرار دے رہے تھے اور مرتکب کبیرہ کو خارج از اسلام سمجھتے تھے۔ ان کی اس افراط کی طرف نظر فرماتے ہوئے امام اعظم نے فرمایا کہ اعمال ایمان کا جزو نہیں، مگر اعمال کی اہمیت بدستور قائم ہے۔ عام محدثین اور فقہاء کے زمانہ میں مرجعہ کی کثرت تھی جنہوں نے اعمال کو بالکل لغو اور فضول قرار دے دیا تھا تو ان کی تفریط کی طرف نظر فرماتے ہوئے فقہا اور محدثین نے اعمال جو جزو ایمان قرار دے دیا تاکہ اعمال کی اہمیت بدستور قائم رہے اور وہ اعمال کے معاملہ میں مداہنت کے مرتکب نہ ہوں۔ یہ حقیقت میں نزاع لفظی ہے، حقیقی نہیں ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا تفصیل سے عیاں ہے۔
معتزلہ وغیرہ کے دلائل اور ان کے جوابات:
اس سلسلہ میں معتزلہ نے بعض کمزور دلائل کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے، لیکن ان کی کوئی دلیل بھی اثبات دعوی کے لیے کافی نہیں۔
(1) أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا لا يَسْتَوُونَ۔ (الم السجدہ: 18)
پس کیا جو شخص مومن ہے وہ برابر ہے اس کے جو نافرمان ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے۔
معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں فاسق اور مومن کا تقابل ہے و المقابلۃ قول علی المغایرۃ
(2) لا یزنی الزانی وھو مومن ولا یسرق السارق وھو مومن الخ۔
زنا کرنے والا جب زنا کا مرتکب ہوتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔
اس حدیث میں صراحتاً مرتکب کبیرہ سے ایمان کو سلب قرار دے دیا گیا ہے؟
(3) لا ایمان لمن لا امانۃ لہ الخ۔
اس شخص کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں۔
اس حدیث میں بھی خائن سے ایمان کا سلب ہونا بیان کیا گیا ہے؟ میں (مفتی محمود) اگر چاہوں تو ان لوگوں کے رد میں بہت سارے دلائل دے سکتا ہوں، لیکن یہ بے جا طوالت ہو گی۔ مختصراً بات یہ ہے کہ (1) جہاں تک مذکورہ بالا آیت کا تعلق ہے اس میں فاسق سے مراد کافر ہے۔ کیونکہ کفر سب سے بڑا فسق ہے، جیسا کہ آیت کے شان نزول سے واضح ہے۔ (2) اور حدیث تغلیظ و مبالغہ پر مبنی ہے، گناہ کی روک تھام کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابو ذر کے سوال کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا: علی رغم انف ابی ذر۔
اسی طرح خوارج نے عام نصوص سے استدلال کیا ہے جیسے
ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکافرون۔
لیکن مجموعی امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نصوص اپنے ظاہر پر حمل نہیں ہو سکتے اور دیگر قطعی دلائل اس کے خلاف ہیں۔
خوارج کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ اپنی من مانی تفسیریں بیان کرتے پھریں۔ چنانچہ صاحب شروع عقائد لکھتے ہیں:
والجواب انہا متروکۃ الظاھر للنصوص القاطعۃ علی ان مرتکب الکبیرۃ لیس بکافر والاجماع المنعقد علی ذالک علی مامر، والخوارج خوارج عما انعقد علیہ الاجماع فلا اعتداد بھم۔ الخ۔
(خوارج کے مستدلات کا) جواب یہ ہے کہ وہ نصوص ظاہری معنی پر محمول نہیں کیونکہ ان کے مقابلہ میں دیگر نصوص موجود ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور خوارج تو اس جادہ حق سے ہٹ چکے ہیں جس پر امت کا اجماع ہے، لہذا ان کے کسی قول و فعل کا اعتبار ہی نہیں ہے۔
(3) نیز قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں کہ باوجود گناہ کے ارتکاب کے اللہ تعالیٰ نے مومن کہہ کر پکارا ہے جیسا کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ (تحریم: 8)
(4) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (الکہف: 107)
یہاں اعمال صالحہ کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کا طالب ہے۔ یعنی یہاں ایمان اور عمل صالح کو واضح طور پر الگ الگ کیا گیا ہے۔
(5) ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اعمال کا تعلق جوارح سے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے پاس کوئی ٹھکانے

کی بات نہیں ہے اور عاقل کو اشارہ کافی ہے۔
حَتّٰی یَمِیزَ الخَبِیثَ مِنَ الطَّیِّبِ الخ
یعنی غزوہ احد جیسے واقعات اور آزمائشیں اس وجہ سے رونما ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہے کہ اب کھرے کو کھوٹے سے اور کچے کو پکے سے الگ فرما دے۔ ورنہ ایک زمانہ تو اسی طرح لوگ ایسے ملے رہے کہ بظاہر کلمہ پڑھ لیا اور ہر محاذ پر مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ مومن منافق الگ تھلگ ہو جائیں اور آئندہ منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ ایسا اختلاط نہ ہو۔ اگر یہ کڑی آزمائش نہ ہوتی تو خوشیوں میں کون الگ ہوتا ہے۔ چنانچہ غزوہ احد میں منافقین کا کردار کھل کر سامنے آ گیا۔
وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطلِعَکُم عَلَی الغَیبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجتَبِی مِن رُّسُلِہٖ مَن یَّشَاءُ۔
یعنی اللہ تعالیٰ ایسا کر سکتے تھے کہ مسلمانوں میں سے ہر فرد کو منافقین کے اسماء و احوال کی اطلاع فرما دیتے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عادت نہیں ہے، کیونکہ معجزات انبیاء (علیہم السلام) کے ساتھ خاص ہیں، لہذا اپنے رسولوں میں سے جن کو چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں امور غیبیہ پر مطلع فرما دیتے ہیں، بہرحال کماً اور کیفاً یعنی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے یہ بات اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے مشروط ہے۔
نور اور بشر کا مسئلہ:
نور اور بشر کو ایک دوسرے کے مقابل کرنا ایک جاہلانہ اور احمقانہ بات ہے۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت ہے اور بشر کے مقابلہ میں جن اور فرشتے ہیں، نور اور ظلمت کا تقابل ہونا چاہیے اور بشر، جن، فرشتے کا۔ یہ ایک دوسرے مقابل ہیں، لیکن نور اور بشر کو مقابل قرار دینا جاہلانہ بات ہے اور تم لوگوں کو بھی اس جاہلانہ بات میں پھنسایا ہوا ہے، لہذا تم چلا چلا کر بھی کسی بریلوی کو اس بات سے نہیں روک سکتے، ہمارے اکابرین ایسی جاہلانہ باتوں میں نہیں الجھتے تھے۔

رکوع ۱۹، ۲۰

181- لَّقَدْ سَمِعَ اللَّہُ قَوْلَ الَّذِینَ قَالُوا إِنَّ اللہَ فَقِیرٌ وَ نَحْنُ أَغْنِیَاءُ سَنَکْتُبُ مَا قَالُوا وَ قَتْلَہُمُ الْأَنبِیَاءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَ نَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِیقِ
182- ذَٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ أَیْدِیکُمْ وَ أَنَّ اللَّہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیدِ
183- الَّذِینَ قَالُوا إِنَّ اللَّہَ عَہِدَ إِلَیْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّیٰ یَأْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْکُلُہُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَکُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِی بِالْبَیِّنَاتِ وَ بِالَّذِی قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوہُمْ إِن کُنتُمْ صَادِقِینَ
184- فَإِن کَذَّبُوکَ فَقَدْ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِکَ جَاءُوا بِالْبَیِّنَاتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْکِتَابِ الْمُنِیرِ
185- کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ وَ إِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ أُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ
186- لَتُبْلَوُنَّ فِی أَمْوَالِکُمْ وَ أَنفُسِکُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِینَ أُوتُوا الْکِتَابَ مِن قَبْلِکُمْ وَ مِنَ الَّذِینَ أَشْرَکُوا أَذًی کَثِیرًا وَ إِن تَصْبِرُوا وَ تَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ
187- وَ إِذْ أَخَذَ اللَّہُ مِیثَاقَ الَّذِینَ أُوتُوا الْکِتَابَ لَتُبَیِّنُنَّہُ لِلنَّاسِ وَ لَا تَکْتُمُونَہُ فَنَبَذُوہُ وَرَاءَ ظُہُورِہِمْ وَ اشْتَرَوْا بِہِ ثَمَنًا قَلِیلًا فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُونَ
188- لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِینَ یَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَ یحِبُّونَ أَن یُحْمَدُوا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّہُم بِمَفَازَۃٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَ لَہُمْ عَذَابٌ أَلِیمٌ
189- وَ لِلَّہِ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ اللَّہُ عَلَی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ
190- إِنَّ فِی خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَ النَّہَارِ لَآیَاتٍ لِّأُولِی الْأَلْبَابِ
191- الَّذِینَ یَذْکُرُونَ اللَّہَ قِیَامًا وَ قُعُودًا وَ عَلَی جُنُوبِہِمْ وَ یَتَفَکَّرُونَ فِی خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ
192- رَبَّنَا إِنَّکَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَیْتَہُ وَ مَا لِلظَّالِمِینَ مِنْ أَنصَارٍ
193- رَّبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُنَادِی لِلْإِیمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّکُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّیَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ
194- رَبَّنَا وَ آتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَی رُسُلِکَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ إِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیعَادَ
195- فَاسْتَجَابَ لَہُمْ رَبُّہُمْ أَنِّی لَا أُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنکُم مِّن ذَکَرٍ أَوْ أُنثَیٰ بَعْضُکُم مِّن بَعْضٍ فَالَّذِینَ ہَاجَرُوا وَ أُخْرِجُوا مِن دِیَارِہِمْ وَ أُوذُوا فِی سَبِیلِی وَ قَاتَلُوا وَ قُتِلُوا لَأُکَفِّرَنَّ عَنْہُمْ سَیِّیَاتِہِمْ وَ لَأُدْخِلَنَّہُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِی مِن تَحْتِہَا الْأَنْہَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّہِ وَ اللَّہُ عِندَہُ حُسْنُ الثَّوَابِ
196- لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِینَ کَفَرُوا فِی الْبِلَادِ

197- مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاہمْ جَہنَّمُ وَ بِيسَ الْمِہادُ
198- لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّہمْ لَہمْ جَنَّاتٌ تَجْرِی مِن تَحْتِہا الْأَنْہارُ خَالِدِينَ فِيہا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّہ وَ مَا عِندَ اللَّہ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ
199- وَ إِنَّ مِنْ أَہلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّہ وَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَ مَا أُنزِلَ إِلَيْہمْ خَاشِعِينَ لِلَّہ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّہ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَیکَ لَہمْ أَجْرُہمْ
عِندَ رَبِّہمْ إِنَّ اللَّہ سَرِيعُ الْحِسَابِ
200- يَا أَيُّہا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَ صَابِرُوا وَ رَابِطُوا وَ اتَّقُوا اللَّہ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

ترجمہ:

١٨١.	بے شک اللہ نے ان کی بات سنی ہے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں اب ہم ان کی بات لکھ رکھیں گے اور جو انہوں نے انبیاء کے ناحق خون کیے ہیں اور کہیں گے کہ جلتی آگ کا عذاب چکھو۔
١٨٢.	یہ اس چیز کے بدلے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔
١٨٣.	وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم فرمایا تھا کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس قربانی لائے کہ اسے آگ کھا جائے کہہ دو مجھ سے پہلے کتنے رسول نشانیاں لے کر تمہارے پاس آئے اور یہ نشانی بھی جو تم کہتے ہو پھر انہیں تم نے کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۔
١٨۴.	پھر اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے جو نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لائے۔
١٨۵.	ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور تمہیں قیامت کے دن پورے پورے بدلے ملیں گے پھر جو کوئی دوزخ سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کی پونجی کے اور کچھ نہیں۔
١٨۶.	البتہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں آزمائے جاؤ گے اور البتہ پہلی کتاب والوں اور مشرکوں سے تم بہت بد گوئی سنو گے اور اگر تم نے صبر کیا اور پرہیزگاری کی تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔
١٨٧.	اور جب اللہ نے اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا کہ اسے لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور نہ چھپاؤ گے انہوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا مول خرید کیا سو کیا ہی برا ہے جو وہ خریدتے ہیں۔
١٨٨.	مت گمان کر ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں جو کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس چیز کے ساتھ تعریف کیے جائیں جو انہوں نے کی پس ہر گز تو انہیں عذاب سے خلاصی پانے والا خیال نہ کر اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔
١٨٩.	اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے واسطے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
١٩٠.	بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔
١٩١.	وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا تو سب عیبوں سے پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔
١٩٢.	اے رب ہمارے جسے تو نے دوزخ میں داخل کیا سو تو نے اسے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔
١٩٣.	ہم نے ایک پکارنے والے سے سنا جو ایمان لانے کو پکارتا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لائے اے رب ہمارے اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے ہمارا برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔
١٩۴.	اے رب ہمارے اور ہمیں دے جو تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔
١٩۵.	پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کا کام ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو پھر جن لوگوں نے وطن چھوڑا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے البتہ میں ان سے ان کی برائیاں دور کروں گا اور انہیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ اللہ کے ہاں سے بدلہ ہے۔
١٩۶.	تجھ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ نہ د۔
١٩٧.	یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔
١٩٨.	لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کے ہاں مہمانی ہے اور جو اللہ کے ہاں ہے وہ نیک بندوں کے لیے بدرجہا بہتر ہے۔
١٩٩.	اور اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو چیز تمہاری طرف نازل کی گئی اور جو ان کی طرف نازل کی گئی اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں اللہ کی آیتوں پر تھوڑا مول نہیں لیتے یہی ہیں جن کے لیے ان

کے رب کے ہاں مزدوری ہے بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔
۲۰۰. اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ کے وقت مضبوط رہو اور لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔

افاداتِ محمود
وَلَا يَحسَبَنَّ الَّذِينَ يَبخَلُونَ الخ
اب یہاں سے جہاد بالمال کا ذکر ہے کہ منافقین جس طرح جہاد سے جی چرا کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور پھر حضور کے سامنے جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں، اسی طرح مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے مال بچا لیا۔ سو جس طرح جہاد سے اپنے آپ کو بچا کر زندہ رہنا کوئی عزت کا جینا نہیں، اسی طرح اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا یہ سراسر نقصان اور خسران کا سودا ہے۔ دنیا میں تو اس کا نقصان ہے ہی، لیکن آخرت میں ایسا مال سخت زہریلے سانپ کی شکل میں گلے کا طوق ہو گا۔
لَقَد سَمِعَ اللّٰہُ قَولَ الَّذِينَ قَالُوا الخ
یعنی یہود نے صرف اس پر اکتفا نہ کیا کہ فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے سے کتراتے ہوں، بلکہ جب قرآنی آیات و احادیث میں اللہ تعالیٰ نے صدقات واجبہ یا نافلہ کو کمال شفقت و مہربانی سے قرض سے تعبیر فرمایا تو یہود اور منافقین کہنے لگے کہ (العیاذ باللہ) محمد کا رب غریب ہو گیا ہے جو ہم سے قرض مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی کو سنگین جرم قرار دیتے ہوئے قتل انبیاء کے ساتھ اس بات کا بھی ذکر فرمایا۔
تَاكُلُہُ النَّارُ۔
گزشتہ امتوں میں بعض انبیاء کے ہاتھ پر اس معجزے کا ظہور ہوا کہ جو صدقات دے دیتے تھے، آسمان سے آگ اترتی اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی اور یہ اس کے قبولیت کی علامت ہوا کرتی تھی، لیکن یہ معجزات نہ تو ہر نبی کو ملے تھے اور نہ ہر نبی کے لیے ضروری تھے۔ چنانچہ جو کتب منزل من اللہ ہیں، ان میں بھی ایسی کوئی بات نہیں۔ یہود نے حضور ﷺ کے سامنے یہ بہانہ کر دیا کہ اگر آپ آگ لائیں گے تو ہم صدقہ کریں گے یا ہم صدقہ اس صورت میں دیں گے جب آگ آ کر اس کو جلا دے تو اللہ تعالیٰ نے ایک الزامی جواب دیا کہ اس سے قبل بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں کہ ان کے صدقات کو آگ جلا دیتی تھی، لیکن پھر بھی تم لوگوں نے ان کو شہید کر دیا۔
حقیقت یہ ہے کہ یہ محض ایک بہانہ ہے اور تمہارے مقدر میں کفر لکھ دیا گیا ہے۔
لَتُبلَوُنَّ فِیٓ اَموَالِکُم وَاَنفُسِکُم الخ۔
صحابہ کرام سے کہا جا رہا ہے کہ احد کی آزمائش کی طرح مزید آرائشیں بھی آ سکتی ہیں۔ آپ لوگوں کو تیار رہنا چاہیے اور انصار النبی کا عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے اور کفار کی اذیت رساں باتوں پر صبر کرنا چاہیے۔
لَا تَحسَبَنَّ الَّذِينَ يَفرَحُونَ الخ۔
آج کل سیاستدان اور لیڈر بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ خواہ مخواہ ان کی تعریف کی جائے۔ کام کسی اور نے کیا ہوتا ہے، بورڈ کسی اور کے نام کا لگ جاتا ہے، حالانکہ یہ حرکت چنداں مفید نہیں، بلکہ اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی نقصان ہے۔ ایسے لوگ اخروی و دائمی عذاب سے چھوٹ نہیں سکیں گے۔
الَّذِينَ يَذكُرُونَ اللّٰہَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰی جُنُوبِھِم الخ۔
یعنی اللہ کے بندے کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے۔ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد ان کے دلوں میں رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتے ہیں:
کان رسول اللہ ﷺ یذکر اللہ فی کل احیانہ۔
حضور ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد فرماتے تھے۔
نماز بھی بہت بڑا ذکر ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کو قیام و قعود کی حالت میں یاد کرتا ہے۔ صاحب عذر پہلو کے بل بھی نماز پڑھ کر اللہ کو یاد کرتے ہیں۔
الذین قالوا الخ۔ پہلی امتوں میں صدقات وصول کرنے کے لیے فقراء و مساکین اللہ تعالیٰ کے نائب نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ ہونے والا سرمایہ رکھ دیا جاتا تھا اور آسمان سے آگ آ کر اس کو خاکستر کر دیتی تھی اور یہ اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی۔ ورنہ پھر اور سرمایہ ساتھ رکھ دیا جاتا تھا لیکن امت محمدیہ پر یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و احسان ہے کہ صدقات و خیرات ضائع ہونے کی بجائے محتاجوں کو دے دیتے ہیں اور قبول ہو جاتے ہیں۔
رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعنَا الخ۔
منادی سے مارد یا تو حضور ﷺ ہیں یا قرآن ہے اور دعوت سے مراد دعوت فعلی ہے یا سماعی ہے۔

فَاستَجَابَ لھُم رَبُّھُم الخ۔
بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہ نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا کہ حضور قرآن میں عموماً مردوں کا ذکر آتا ہے مگر عورتوں کے اعمال کا ذکر نہیں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ آیت نازل فرما دی کہ میں کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ کسی کا نیک عمل فرشتے بالکل نوٹ نہ کریں یا کسی نے زیادہ عمل کیا ہو تو رشتے اس کو کم لکھ دیں اور آگے بَعضُکُم مِّنٗ بَعضٍ الخ، سے علت بھی بتا دی کہ مرد عورتوں سے پیدا ہوتے ہیں اور عورتیں مردوں سے پیدا ہوتی ہیں، لہٰذا مردوں کے ضمن میں عورتیں بھی آ جاتی ہیں، اگر مونث کے صیغے استعمال نہ بھی ہوں پھر بھی عورتیں ہر نیک تذکرہ میں شامل ہیں۔
مَتَاعٌ قَلِیلٌ ۣ ثُمَّ مَاوٰىھُم الخ۔
اگر ایک شخص کو کہا جائے کہ یہ پلاؤ کھاؤ، لیکن کل تختہ دار پر لٹکائے جاؤ گے اور دوسرے سے کہا جائے کہ یہ دال روٹی کھاؤ اور ہمیشہ خوشی اور راحت سے رہو تو لازمی بات ہے کہ دال روٹی کو ترجیح دی جائے گی۔ دین کے اعتبار سے اپنے سے افضل عمل والے کو دیکھنا چاہیے تاکہ اعمال کا شوق پیدا ہو اور دنیا کے اعتبار سے اپنے سے کمتر کو دیکھنا چاہیے تاکہ بندہ شکر ادا کرنے والا بنے۔ اگر ایک شخص پیادہ پا چلتا ہے تو لنگڑے کی حالت پر غور کرے، وہ شاکر بنے گا۔ اگر کوئی شخص بغیر جماعت کے نماز پڑھتا ہو اور بے نمازی کو دیکھے تو شکر کرے گا کہ میں تو پڑھتا ہوں، لیکن اگر وہ با جماعت نماز پڑھنے والوں اور تہجد پڑھنے والوں کو دیکھے گا تو زیادہ اعمال کا شوق و شغف پیدا ہو گا۔ حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ وقتی سازو سامان اور آسائش و زیبائش کو نہ دیکھنا چاہیے جس کی عاقبت جہنم ہو۔ (اعاذنا اللہ منہا)
وَمَا عِندَ اللّٰہِ خَیرٌ الخ۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے جاؤں گا۔
وَرَابِطُوا الخ۔ (1) اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ہی دل کی لو لگاؤ۔
(2) یا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرو۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عباد بن بشر کی ڈیوٹی لگائی کہ یہ دونوں حضرات رات کے وقت قافلہ کی حفاظت اور چوکیداری کریں گے۔ ان دونوں حضرات نے آپس میں مشورہ کیا کہ دونوں کے مسلسل جاگنے سے ممکن ہے کہ رات کے آخری حصہ میں غلبہ نوم کی وجہ سے آنکھ لگ جائے اور نقصان ہو جائے، لہٰذا رات کے ابتدائی نصف میں ایک ساتھی کو آرام کرنا چاہیے اور دوسرے کو حفاظت اور نصف آخر میں دوسرے ساتھی کو آرام کرنا چاہیے اور پہلے ساتھی کو ڈیوٹی سرانجام دینا چاہیے۔ چنانچہ ایک ساتھی آرام کرنے لگے اور ایک نے قافلہ کی حفاظت کی ذمہ داری کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی۔ دوران نماز میں کسی دشمن کی طرف سے ایک تیر آ کر اس نماز پڑھنے والے کو لگ گیا۔ پھر دوسرا اور تیسرا تیر بھی لگا تب ساتھی کو جگایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ پہلے ہی مجھ کو بیدار کر دیتے؟ فرمایا کہ میں نے نماز میں ایک سورۃ پڑھنا شروع کی تھی، اگر مجھ کو اپنے مرنے اور مسلمانوں کے سونے کی وجہ سے نقصان اور خیانت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس سورۃ کو مکمل کرنے سے پہلے نماز موقوف نہ کرتا، رباط کا ایک معنی یہ بھی ہے، جیسا کہ صحابہ کرام کے عمل مبارک سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم
***

تدوین اور ای بک کی تشکیل: اعجاز عبید